اصول فقہ میں مسالک فقہیہ کے مشترکات

(تقابلی جائزہ ادلہ اجتہاد کے تناظر میں)

تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ ڈی۔ علوم اسلامیہ

مقالہ نگار
ندیم عباس
ایم اے علوم اسلامیہ

نگران مقالہ
ڈاکٹر ضیاء الحق یوسفزئی
وائس چانسلر محی الدین اسلامک یونیورسٹی
آزاد کشمیر



فیکلٹی آف ہائر اسٹڈیز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اپریل، ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف ہائر اسٹڈیز سے اس مقالے کی منظوری کی سفارش کی جاتی ہے:

مقالے کا عنوان: اصول فقہ میں مسالک فقہیہ کے مشترکات (تقابلی جائزہ ادلہ اجتہاد کے تناظر میں)

پیش کار: ندیم عباس

(ماسٹر آف اسلامک اسٹڈیز)

رجسٹریشن نمبر: ۵۱۶-Mphil/IS/Jan۱۰

شعبہ: علوم اسلامیہ

ڈاکٹر ضیاء الحق یوسفزئی
نگران مقالہ

____
نگران مقالہ کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر شذرہ منور
ڈین فیکلٹی آف ہائر اسٹڈیز

____
ڈین فیکلٹی آف ہائر اسٹڈیز کے دستخط

میجر جنرل (ر) ضیاء الدین نجم
ریکٹر

____
ریکٹر کے دستخط

تاریخ: ____________

اقرار نامہ

میں ندیم عباس حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز اسلام آباد کے پی ایچ ڈی سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر ضیاء الحق یوسفزئی، وائس چانسلر محی الدین اسلامک یونیورسٹی کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔

____

ندیم عباس

(مقالہ نگار)

انتساب

میں اپنی اس حقیر سی کاوش کا انتساب

اولا: حضرت محمد مصطفی ﷺ کی طرف کرتا ہوں جن کی ذات گرامی حق کی وجہ دنیا نور اسلام سے منور ہوئی۔

ثانیا: اپنے والدین اور اساتذہ کرام کی طرف کرتا ہوں جن کی بے پناہ دعائیں اور رہنمائی شامل حال رہی۔

اظہار تشکر

سب سے پہلے تو اس رب کائنات کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھ جیسے حقیر بندے کو یہ توفیق بخشی کہ دین اسلام کے بارے میں پڑھوں اور اس پر ایک تحقیقی مقالہ لکھوں اور فخر موجودات، کائنات کو جہالت کی اندھیری وادیوں سے نکالنے والے، دین اسلامی کو پہنچانے کے لیے راہ خدا میں شدید مشکلات برداشت کرنے والے، سید و سردار حضرت محمد مصطفی ﷺ پر ہمارے لاکھوں درود سلام ہوں کہ جن کی وجہ آج ہمیں دولت اسلام ملی ہے۔

میں اپنے والدین کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ جن کی بے پناہ دعائیں شامل حال رہیں جنہوں نے میرا حوصلہ بڑھایا اور اس حوالے سے بہت سی تکالیف بھی برداشت کیں اگر ان کی حوصلہ افزائی دعائیں اور تعاون نہ ہوتا تو یقینا میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں اس مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں۔

میں اپنے سپروائز استاد محترم جناب ڈاکٹر ضیاء الحق یوسف زئی صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں تحریر مقالہ کے دوران بھرپور رہنمائی فرمائی اور اپنے قیمتی وقت میں سے ہمیشہ ہمیں وقت دیا اللہ ان کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے۔

میں شعبہ علوم اسلامیہ کے سربراہ عبد الغفار بخاری صاحب کا بھی مشکور ہوں کہ انہوں نے ہر موقع پر رہنمائی فرمائی اور دوران تحقیق اپنی قیمتی آراء سے نوازا ان کی حوصلہ افزائی میرے لیے کامیابی کا زینہ ہے۔

دوران تحقیق ڈاکٹر عطاء اللہ فیضی صاحب، ڈاکٹر فرحان علی راؤ صاحب، ڈاکٹر تحسین بدری، ڈاکٹر شجاعی پور، عرفان بٹ صاحب نے بہت تعاون کیا اس پر ان کا مشکور ہوں المصطفی انٹرنیشنل یونیورسٹی کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے چارہ ماہ تک مجھے تحقیق کے تمام وسائل فراہم کیے ڈاکٹر جابر حسین، عبد اللہ رضا اور امجد خان کے تعاون پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں

تمام کتابخانوں کے ملازمین و مسئولین کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے دوران تحقیق تعاون کیا۔

اس کے علاوہ بھی جن احباب نے تعاون کیا ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اللہ تعالی سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ABSTRACT

The purpose of this study is to investigate how different Islamic schools of thought interpret and derive basic principles in Islamic jurisprudence. It is believed that the Muslims set the principles of Islamic jurisprudence soon after the demise of the Prophet (s.a.w.w) of Islam. This branch of knowledge is actually a superb fusion of reasoning and imitation. It is the study of the arguments through which Islamic Sharia is interpreted and Islamic legislation is achieved. Most often, the debates involve doctrinal arguments, and all the existing Islamic schools of thought agree on the basic principles through which certain laws are derived from those debates.

All the Islamic schools of thought agree that Qur'an is the final authority, and it is the Qur'an that provides the initial argument whenever some issue arises. Thus the Qur'an is the first and foremost source to provide an answer to any issue. However, the Hambli scholars ascribe authority to the Qura'an and the Sunnah, without making a clear distinction in order or rank between the two.

The Sunnah is the second source for deriving doctrinal principles. All Islamic schools of thought agree that the Sunnah is an important and basic source for deriving the Sharia principles. The Sharia can be divided into two kinds: the first deals with the steady and gradual reporting which, according to every school of thought, adds to argumentative knowledge, and hence stands for authority in Islamic jurisprudence. The second kind involves personal reporting which depends on personal character for determining its truth-value. However, every school of thought takes it as authority once its truth-value is verified. For Hanfi school of thought, certain other conditions besides personal character are required in order to accept the personal reporting.

The third most important source for deriving principles in Islamic jurisprudence is the community consensus. Every school of thought accepts the authority of the general consensus. Although most of the schools of thought agree on the authority of absolute consensus, the *Malkis* also take community consensus as an authority, i.e., if the community in Madina arrive at a consensus on some issue, it would be accepted as the authority. On the other hand, according to the *Ja'fri* school of thought, every consensus has attained authority with a *ma'soom's* opinion in its favor.

For the majority *Ummah*, reasoning is also regarded as authority for the derivation of the Sharia principles. According to Imam Ibne Hazam, logical reasoning is possible, but it is not recognized by the Sharia. On the other hand, the *Ja'fri* school of thought accepts the authority of both the *mansoosul-illat* reasoning and the *awaliyat* reasoning.

As for the authority of *istashab*, all the Muslim states accept and set it as a precedence to implement the state laws. The *Hanfis* believe that only an accepted right can be explored and verified through *istashab*, and not a new one. All these are the basic principles that serve as authority in the Islamic jurisprudence. Every Islamic school of thought employs them for the interpretation and implementation of the Sharia.

فہرست ابواب

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم III
اقرار نامہ IV
انتساب V
اظہار تشکر VI
ABSTRACT VII
فہرست ابواب VIII
مقدمہ XVII
موضوع کا نام XVII
موضوع کا تعارف اور اہمیت XVII
تحقیق کے مقاصد: XVIII
اسلوب تحقیق: XIX
دوران تحقیق مشکلات XIX
مشکلۃ البحث XX
مسئلہ تحقیق XX
سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ: XX
رموز واشارات: XXI
باب اول ۱
تعارفی مباحث ۱
فصل اول: اصول فقہ کا تعارف ۲

مبحث اول: اصول فقہ کا آغاز وارتقاء، موجد اور مفہوم ۳
مبحث دوم: علم اصول فقہ کا موضوع اور غرض وغایت ۱۴
مبحث سوم: اصول فقہ میں ادلہ اجتہاد کا مقام، اجتہاد اور اجتہاد کی اقسام ۱۸
فصل دوم: اجتہاد ۱۹
مبحث اول: اجتہاد کا مفہوم ۲۰
مبحث دوم: اجتہاد کے بند ہونے کی وجوہات اور موجودہ دور میں اجتہاد کی ضرورت ۲۳
مبحث سوم: اجتہاد کی اقسام ۲۵
فصل سوم: دلیل ۳۰
مبحث اول: دلیل کا مفہوم ۳۱
مبحث دوم: دلیل کی اقسام ۳۲
فصل چہارم: مسلک اور مشترکہ کا مفہوم اور مشترکات کی اہمیت ۳۶
مبحث اول: مسلک ۳۷
مبحث دوم: مشترکات کا مفہوم اور اہمیت ۳۸
باب دوم ۴۲
مسالک فقہیہ کا تعارف ۴۲
فصل اول: فقہ جعفری ۴۳
مبحث اول: فقہ جعفری کا تعارف ۴۴
مبحث دوم: فقہ جعفری کی ادلہ اجتہاد ۴۴
مبحث سوم: فقہ جعفری کے اصولی امتیازات ۴۵
مبحث چہارم: فقہ جعفری کی علم اصول سے متعلق کتب ۴۸

مبحث پنجم: فقہ جعفری کے مشہور علمائے اصول ۵۰
فصل دوم: فقہ حنفی ۵۲
مبحث اول: فقہ حنفی کا تعارف ۵۳
مبحث دوم: فقہ حنفی کی علم اصول سے متعلق کتب ۵۴
مبحث سوم: فقہ حنفی کی ادلہ اجتہاد ۵۷
مبحث چہارم: فقہ حنفی کے اصولی امتیازات ۵۹
مبحث چہارم: فقہ حنفی کے مشہور علمائے اصول ۶۱
فصل سوم: فقہ مالکی ۶۳
مبحث اول: فقہ مالکی کا تعارف ۶۴
مبحث دوم: فقہ مالکی کے اصولی امتیازات ۶۵
مبحث سوم: فقہ مالکی کے مشہور علمائے اصول ۶۷
مبحث چہارم: فقہ مالکی کی اصول فقہ میں مشہور کتابیں ۷۰
مبحث پنجم: فقہ مالکی کی ادلہ اجتہاد ۷۲
مبحث اول: فقہ شافعی کا تعارف ۷۶
مبحث دوم: فقہ شافعی کی ادلہ اجتہاد ۷۶
مبحث سوم: فقہ شافعی کے اصولی امتیازات ۷۷
مبحث چہارم: فقہ شافعی کے مشہور علمائے اصول ۷۸
مبحث پنجم: فقہ شافعی کی علم اصول سے متعلق مشہور کتب ۸۱
فصل پنجم: فقہ حنبلی ۸۴
مبحث اول: فقہ حنبلی کا تعارف ۸۵

مبحث دوم: فقہ حنبلی کے اصولی امتیازات ۸۵

مبحث سوم: فقہ حنبلی کی ادلہ اجتہاد ۸۶

مبحث چہارم: فقہ حنبلی کے مشہور علمائے اصول ۸۷

مبحث پنجم: فقہ حنبلی کی علم اصول سے متعلق مشہور کتب ۸۹

باب سوم ۹۲

تقابلی جائزہ: دلیلِ قرآن کے تناظر میں ۹۲

فصل اول: قرآن کا تعارف ۹۳

فصل دوم: قرآن کی حجیت ۹۸

مبحث اول: قرآنی آیات کی دلالت ۹۹

مبحث دوم: سنت کی قرآن کی حجیت پر دلالت ۱۰۰

مبحث سوم: قرآن کی حجیت پر اجماع ۱۰۱

مبحث چہارم: مسالک کی آراء ۱۰۲

فصل سوم: عام وخاص اور محکم و متشابہ ۱۰۷

مبحث اول: عام ۱۰۸

مبحث دوم: خاص ۱۱۰

مبحث سوم: محکم ۱۱۵

مبحث چہارم: متشابہ ۱۱۷

فصل چہارم: فصل امر و نہی اور مطلق و مقید ۱۲۱

مبحث اول: امر ۱۲۲

مبحث دوم: نہی ۱۲۶

مبحث سوم: مطلق ۱۳۰
مبحث چہارم: مقید ۱۳۲
فصل پنجم نسخ اور مجمل و مبین ۱۳۶
مبحث اول: نسخ ۱۳۷
مبحث دوم: مجمل ۱۴۱
مبحث سوم: مبین ۱۴۴
باب چہارم ۱۴۹
تقابلی جائزہ: دلیلِ سنت کے تناظر میں ۱۴۹
فصل اول سنت کا مفہوم ۱۵۰
مبحث اول: سنت کا مفہوم ۱۵۱
مبحث دوم: کیا اقوال صحابہ سنت میں داخل ہیں؟ ۱۵۳
فصل دوم: سنت کی حجیت پر دلائل ۱۵۵
مبحث اول: قرآنی آیات کی سنت کی حجیت پر دلالت ۱۵۶
مبحث دوم: حجیت سنت پر سنت سے دلائل ۱۵۹
مبحث سوم: سنت کی حجیت پر اجماع، عقلی دلیل، عصمت کا تقاضا اور سنت پر عمل نہ کریں تو قرآن پر بھی عمل ممکن نہیں ۱۶۰
مبحث چہارم: مسالک کی آراء ۱۶۲
فصل سوم: مصادر سنت ۱۶۷
مبحث اول: صحاح ستہ ۱۶۸
مبحث دوم: کتب اربعہ ۱۷۴

فصل چہارم: سنت کی اقسام ۱۷۹

مبحث اول: خبر متواتر ۱۸۰

مبحث دوم: خبر واحد ۱۸۷

فصل پنجم متعلقہ مباحث ۱۹۷

مبحث اول: سنت کے ذریعے قرآن کی تخصیص ۱۹۸

مبحث دوم: نسخ اور سنت ۲۰۱

مبحث سوم: خبر واحد کے ذریعے حکم قرآن کا منسوخ ہونا ۲۰۲

باب پنجم ۲۰۴

تقابلی جائزہ: دلیلِ اجماع کے تناظر میں ۲۰۴

فصل اول: اجماع کا مفہوم ۲۰۵

فصل دوم: اجماع کی اقسام ۲۱۱

مبحث اول: فقہ جعفری میں اجماع کی اقسام ۲۱۲

مبحث دوم: مسالک اربعہ میں اجماع کی اقسام ۲۱۴

فصل سوم: اجماع کی شرائط ۲۱۷

مبحث اول: تمام امت کا اتفاق ضروی ہے یا اکثر کا اتفاق کافی ہے؟ ۲۱۸

مبحث دوم: کیا اجماع کے لیے مستند کا ہونا ضروری ہے؟ ۲۱۹

مبحث سوم: کیا اجماع کرنے والوں کا مجتہد ہونا شرط ہے؟ ۲۲۲

مبحث چہارم: کیا اجماع میں شرط ہے کہ یہ حکم شرعی پر ہو؟ ۲۲۲

فصل سوم: حجیت اجماع پر دلائل ۲۲۴

مبحث اول: اجماع کی حجیت پر قرآن کی دلالت ۲۲۵

مبحث دوم: اجماع کی حجیت پر سنت دلالت ۲۲۸
مبحث سوم اجماع کی حجیت پر عقل کی دلالت ۲۲۹
مبحث چہارم: مسالک کی آراء ۲۳۰
فصل چہارم: متعلقہ مباحث ۲۳۵
مبحث اول: کیا اجماع صحابہ سے خاص تھا؟ ۲۳۶
مبحث دوم: کیا اجماع کی حجیت کا معیار عصمت ہے؟ ۲۳۷
مبحث سوم: کونسی مخالفت اجماع سے مانع ہے؟ ۲۳۹
مبحث چہارم: دور حاضر میں اجماع کا انعقاد، اعتراضات اور مشہور فقہی اجماعات ۲۴۰
مبحث پنجم: اجماع کی وہ اقسام جن کی حجیت میں اختلاف ہے ۲۴۶
تقابلی جائزہ: دلیلِ قیاس کے تناظر میں ۲۴۸
فصل اول: قیاس کا مفہوم ۲۴۹
قیاس کا مفہوم ۲۵۰
فصل دوم: ارکان قیاس ۲۵۴
مبحث اول: قیاس کے اراکین کی تعداد ۲۵۵
مبحث دوم: اصل ۲۵۶
مبحث دوم: فرع ۲۶۲
فصل سوم: علت قیاس ۲۶۶
مبحث اول: علت قیاس ۲۶۷
مبحث دوم: علت کی شرائط ۲۶۸
فصل چہارم: حجیت قیاس ۲۷۱

مبحث اول: قیاس کی حجیت پر قرآن سے ادلہ ۲۷۲
مبحث دوم: حجیت قیاس پر سنت سے ادلہ ۲۷۳
مبحث سوم: قیاس پر عقل، اجماع اور ضرورتِ قیاس کی دلالت ۲۷۴
فصل پنجم: قیاس کی نفی کرنے والوں کے دلائل ۲۷۶
مبحث اول: عدم حجیتِ قیاس پر قرآنی آیات کی دلالت ۲۷۷
مبحث دوم: عدم حجیتِ قیاس پر سنت کی دلالت ۲۷۸
باب ہفتم ۲۸۶
تقابلی جائزہ: دلیلِ استصحاب کے تناظر میں ۲۸۶
فصل اول: استصحاب مفہوم ۲۸۷
فصل دوم: شرائط استصحاب ۲۹۲
شرائط استصحاب ۲۹۳
فصل سوم: استصحاب کی اقسام ۲۹۶
فصل چہارم: حجیتِ استصحاب کے دلائل ۳۰۳
مبحث اول: اجماع کی استصحاب کی حجیت پر دلالت ۳۰۴
مبحث دوم: دیگر ادلہ ۳۰۵
مبحث سوم: مسالک کی آراء ۳۰۷
فصل پنجم: متعلقہ مباحث ۳۱۲
مبحث اول: استصحاب کی حجیت کے بارے میں دور حاضر کی محققین آراء ۳۱۳
مبحث دوم: وہ قواعد اور اصول جن کی بنیاد استصحاب پر ہوتی ہے ۳۱۵
مبحث سوم: وہ مسائل جہاں فقہانے استصحاب سے استفادہ کیا ہے ۳۱۶

خلاصہ ۳۱۷

نتائج ۳۲۰

تجاویز ۳۲۲

قرآنی آیات کی فہرست ۳۲۳

احادیث کی فہرست ۳۲۶

فہرست مصادر و مراجع ۳۲۸

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

موضوع کا نام

اصول فقہ میں مسالک فقہیہ کے مشترکات (تقابلی جائزہ ادلہ اجتہاد کے تناظر میں)

موضوع کا تعارف اور اہمیت

اسلام وہ عظیم دین ہے جو مکمل ضابطہ حیات ہے اسلام زندگی میں پیش آنے والے تمام مسائل کا حل دیتا ہے اسلام میں قرآن جیسی عظیم کتاب رکھتا ہے جس میں زندگی کے مسائل کو کلی طور پر بیان کر دیا گیا ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی سنت کی صورت میں اسلام کے احکام کا عملی نمونہ بھی موجود ہے قرآن و سنت شریعت اسلامی کے بنیادی مآخذ ہیں اور تمام مسلمان مسالک قرآن و سنت سنت سے استفادہ کرتے ہیں

فقہائے اسلام نے احکام اخذ کرنے کے لیے قرآن اور سنت کو بنیاد قرار دیا ہے اسی لیے جب انہیں کوئی مسئلہ در پیش ہوتا توسب سے پہلے قرآن و سنت سے ہی رجوع کرتے ہیں در پیش مسائل کی وسعت کے اعتبار سے فقہائے اسلام نے قرآن و سنت کی روشنی میں ان دلیلیں میں اضافہ کیا جن سے احکام کو اخذ کیا جاتا ہے جن دلیلوں کو اختیار کیا گیا وہ تمام فقہی مسالک میں ملتی جلتی ہیں اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ان دلیلوں کی بنیاد قرآن و سنت ہے جو تمام مسالک کے ہاں بنیادی دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں

علم اصول فقہ مسلمانوں کا ایجاد کردہ علم ہے اس میں عقل اور نقل دونوں سے برابر استفادہ کیا جاتا ہے یہی اس کی امتیازی خصوصیت بھی ہے کہ دیگر علوم میں یا تو صرف رویات اور آیات سے استفادہ کیا جارہا ہوتا ہے یا قرآن و سنت کی چھوڑ کر عقل پر ہی بھروسہ کیا جارہا ہوتا ہے اصول فقہ میں دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے اور دونوں کو وہ اہمیت دی گئی ہے جو ان کا حق تھا اسلام سے قبل کی

تہذیبوں میں زندگی گزارنے کے جزئی احکامات کی تفاصیل کا ذکر تو بہت ملتا ہے مگر احکام کے لیے قواعد وضوابط کو تشکیل دینا اور ان کی روشنی میں احکام کو اخذ کرنا اسے بطور علم مسلمان فقہا نے ایجاد کیا ہے

علم اصول فقہ میں ادلہ کو بنیادی مقام حاصل ہے پورا علم اصول فقہ انہی ادلہ کے ارد گرد گھومتا ہے اور فقہ کی بنیاد انہی ادلہ پر ہے۔میں نے تمام مسالک فقہیہ کے درمیان مشترکہ ادلہ کو بطور تحقیق اخذ کیا ہے تاکہ اسلامی مسالک کے درمیان موجود مشترکات کو اجاگر کیا سکے اس حوالے یہ کوشش کی ہے کہ تمام مسالک کی بنیادی کتب سے استفادہ کیا جائے۔

موجودہ دور میں اس موضوع کی اہمیت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے کیونکہ اختلافات کو اتنی ہوادی گئی ہے کہ معاشرہ انتشار کا شکار ہو چکا ہے مسلکی تعصبات جنم لے چکے ہیں ایسے میں اس بات کی شدید ضرورت ہے تمام مسالک میں پائے جانے والے مشترکات کو اجاگر کیا جائے اس کے نتیجے میں مسلمان ایک دوسرے کے قریب آئیں گے غلط فہمیاں دور ہوں گی ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملے گی

تحقیق کے مقاصد:

منتخب موضوع پر تحقیق کے درج ذیل مقاصد واہداف ہیں:

- سب سے پہلا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔
- بنیادی مقصد یہ ہے کہ فقہی مسالک میں موجود مشترکات کا اجاگر کیا جائے۔
- فقہی مسالک کی آراء کو ان کے بنیادی منابع سے بیان کر کے ان کو درست انداز میں سمجھا جائے۔
- اس تحقیق کے نتیجے میں باہم موجود بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گا۔
- فقہی مسالک مشترکات کی وجہ سے باہم قریب آئیں گے۔
- بہت سے علمی مباحث جو کہ فقط عربی جاننے والوں کے ساتھ خاص تھے اس تحقیق کے نتیجہ میں اردو میں منتقل ہوئے ہیں۔

اسلوب تحقیق:

- اس تحقیق میں بیانیہ اور تجزیاتی طریقے پر انحصار کیا گیا ہے۔
- مختلف کتاب خانوں سے استفادہ کیا گیا جن میں ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری، کتاب خانہ مجمع تقریب، المصطفی انٹر نیشنل یونیورسٹی قم اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی لائبریری شامل ہے
- یہ تحقیقی مقالہ سات ابواب پر مشتمل ہے ہر باب کو ایک خاص نام دیا گیا ہے۔ ہر باب کو مختلف فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔
- تمام مسالک کی بنیادی کتب اصول فقہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

تحقیق کا دائرہ کار:

کسی بھی موضوع پر کی جانے والی تحقیق بے شک اس میں انتہائی دقت سے کام لیا گیا ہو کبھی بھی حتمی نہیں ہوتی اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے بہتر تحقیق نہیں ہو سکتی۔ میں نے تحقیق کے لیے "اصول فقہ میں مسالک فقہیہ کے مشترکات ادلہ اجتہاد کے تناظر میں" کے عنوان کا انتخاب کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصول فقہ ایک بہت ہی وسیع مضمون ہے تمام کے تمام اصول فقہ کے مشترکات پر کام کرنا بہت مشکل تھا اس لیے اس لی ادلہ اجتہاد کے ساتھ تحدید کر دی ہے۔ میری تمام تر جستجو اور کوشش کے باوجود بہت سے پہلو ابھی بھی مزید تحقیق کے متقاضی ہیں اور ان پر مزید کام کرنے کی گنجائش باقی ہے۔

دوران تحقیق مشکلات

۱. کتاب خانوں میں رسائی مشکل ہے
۲. کتاب خانوں میں میرے موضوع سے متعلق بہت کم تھیں
۳. امن و امان کی صورت کے پیش نظر نجی کتاب خانوں کے مالکان کتاب خانوں تک رسائی نہیں دیتے

۴. مجھے حقیق کے لیے ایران کا سفر درپیش ہوا جس کی وجہ سے مالی بوجھ بھی ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ چار ماہ وہاں کتاب خانوں سے استفادہ لیے رہا۔

۵. اکثر لائبریریوں کا کیٹلاگ سسٹم بہتر نہیں ہے بڑی مشکل سے کتاب کا نمبر ملتا ہے اور اکثر وہ کتاب کوئی استاد ایشو کرا چکا ہوتا ہے۔

مشکلۃ البحث

ہمارے معاشرے میں مختلف اسلامی مسالک کے ماننے والے موجود ہیں اور ان کے درمیان بہت سی غلط فہمیاں موجود ہیں اسی طرح کچھ اختلافات بھی موجود ہیں ان اختلافات اور غلط فہمیوں کو استعمال کر کے معاشرے میں عدم استحکام پیدا کیا جاتا ہے اور نوبت قتل غارت تک پہنچ جاتی ہے ایسے میں اس بات کی ضرورت ہے کہ ان غلط فہمیوں کو دور کیا جائے اور اختلافات کی بجائے ان مسالک کے درمیان موجود مشترکات کو جاگر کیا جائے۔

مسئلہ تحقیق

۱. ۔قرآن کی بطور دلیل فقہی مسالک میں کیا حیثیت ہے؟

۲. ۔سنت کی بطور دلیل فقہی مسالک میں کیا حیثیت ہے؟

۳. ۔اجماع کی بطور دلیل فقہی مسالک میں کیا حیثیت ہے؟

۴. ۔قیاس کی بطور دلیل فقہی مسالک میں کیا حیثیت ہے؟

۵. ۔قیاس کی بطور دلیل فقہی مسالک میں کیا حیثیت ہے؟

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ:

اصول فقہ ایک بنیادی اسلامی علم ہونے باوجود اس میں اردو زبان میں اس پر بہت کم کام ہوا ہے۔ سید تقی الحکیم کی کتاب الاصول العامۃ فی فقہ المقارن اس بہت بنیادی اور اہم کتاب ہے اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عبدالکریم النملہ نے المھذب فی اصول

الفقه کے نام سے بہت اچھی حقیق ہے جس میں مختلف اسلامی مسالک آراء کو جمع کیا اسی طرح پنجاب یونیورسٹی میں ائمہ اربعہ کے اصول اجتہاد کے عنوان سے بھی ایک مقالہ ہوا ہے ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلون علم اصول فقہ ایک تعارف میں بھی اسلامی مسالک کی دلیلوں کو بیان کیا ہے سید تقی الحکیم اس فن کی ابتدائی کتاب ہے اس میں مبادایات کا ذکر ہے اور ڈاکٹر نملہ نے چار مذاہب کی آراء کو بیان کیا ہے کہیں کہیں وہ دوسرے فقہی مسالک کی آراء کا بھی تذکرہ کرتے ہیں میں نے کوشش کی ہے کہ پانچوں فقہی مسالک کی قرآن، سنت، اجماع، قیاس اور استصحاب کے بارے میں آراء کو نقل کروں اور پھر ان کے درمیاں باہمی مشترکات کو تلاش کرکے اجاگر کیا جائے یہ اس انداز میں ایک نیا کام ہے جو مذکورہ دونوں عربی تصانیف میں نہیں ہے۔

رموزواشارات:

تحقیق کے حوالے سے میں نے اس مقالے میں جن اشارات کا استعمال کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

- آیات قرآنی کو ذکر کرتے وقت ﴿﴾ کا استعمال کیا گیا ہے۔
- احادیث کے لیے (()) استعمال کی گئی ہے۔
- حوالہ دیتے وقت جلد اور صفحہ کو ایک ساتھ / کے فرق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔
- حوالہ دیتے وقت صفحہ نمبر کو "ص" سے تعبیر کیا گیا ہے۔
- ایک ہی حوالہ اگر ایک صفحہ میں متواتر استعمال ہوا ہے تو پہلی دفعہ استعمال کے بعد "ایضا" کا استعمال کیا گیا ہے۔

باب اول

تعارفی مباحث

فصل اول: اصول فقہ کا تعارف

فصل دوم: اجتہاد کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم اور اجتہاد کی اقسام

فصل سوم: دلیل لغوی اور اصطلاحی مفہوم

فصل چہارم: مسلک اور مشترکہ کا مفہوم اور مشترکات کی اہمیت

مبحث اول: اصول فقہ کا آغاز وارتقاء، موجد اور مفہوم

مبحث دوم: علم اصول فقہ کا موضوع، غرض وغایت

مبحث سوم: اصول فقہ میں ادلہ اجتہاد کا مقام، اجتہاد اور اجتہاد کی اقسام

علم اصول کا آغاز

علم اصول فقہ اسلامی علوم میں ایک بنیادی حیثیت کا حامل علم ہے مسلمان علما و محققین نے علم اصول فقہ کی بنیادیں رکھیں پھر اسے بامِ عروج تک پہنچایا اسی مسلسل کوشش اور محنت کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے پاس اسلامی قانون کی بنیادیں موجود ہیں

علم اصول فقہ کے آغاز کی بحث کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ اصول فقہ اسلام میں بعد والوں کی ایجاد ہے سلف اس سے بے نیاز تھے کیونکہ الفاظ سے معانی کے سمجھنے کے لیے اس زبانی ملکہ کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی جو ان میں فطری طور پر پایا جاتا تھا وہ قوانین جن کی احکام الہیہ کے سمجھنے کے سلسلے میں ضرورت پیش آتی ہے سب انہیں معلوم تھے اسناد کے مطالعہ کی انہیں ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ عہد نبوت کے قریب تھے جب سلف کا زمانہ ختم ہو گیا تو تمام علوم صنعتوں میں تبدیل ہونے لگے اور فقہاء اور ارباب اجتہاد کو ان اصول و قوانین کو حاصل کرنے کی ضرورت پڑی تاکہ دلائل سے احکام کا استفادہ کیا جاسکے چنانچہ انہوں نے اسے ایک مستقل فن بنا دیا جس میں قوانین کو مرتب کر کے اسے اصول الفقہ کا نام دے دیا۔[۱]

ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے علم اصول فقہ کو ایجاد کیا اس سے پہلے کسی بھی مذہب یا تہذیب میں اس قسم کا علم موجود نہ تھا اسلام سے پہلے دنیا پر مصری، یونانی، رومی، ہندی اور عراقی تہذیبیں تھیں ان تمام میں جزوی اور فروعی مسائل کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں مگر کسی بھی جگہ اصول فقہ ایک الگ مستقل اور جدا علم کے طور پر نہیں ملتا اس میں کوئی شک نہیں کہ افلاطون کی مشہور کتاب جمہوریہ اور ارسطو کی قوانین میں قانون کی حیثیت کے بارے میں بہت دقیق نکات ملتے ہیں لیکن یہ ابحاث کوئی جداگانہ حیثیت نہیں اختیار کر سکیں ان ابحاث کو فلسفہ، اخلاقیات یا سیاسیات کے ذیل میں ذکر کیا گیا ہے ان ابحاث کو فلسفہ، اخلاقیات اور سیاسیات سے الگ کرنا مشکل ہے یہودیوں اور ہندوں کے پاس قوانین کے قدیم مجموعے موجود ہیں لیکن ان کے ہاں اصول فقہ کے ابتدائی تصورات بھی بہت کم ہیں اسلامی تاریخ میں مسلمان فقہاء نے آغاز میں ہی اصول فقہ کو ایک الگ علم کے طور پر متعارف کرا دیا مسلمانوں نے پہلی بار دنیا کو اصول الفقہ جسے اصول قانون بھی کہا جاتا ہے کا علم دیا اور دنیا میں اس علم کی کمی کا احساس کیا جارہا تھا اس کو پورا کیا مسلمان فقہاء نے دوسری صدی ہجری کے آغاز میں اس علم کی بنیاد ڈالنے پر غور فکر شروع کیا۔[۲]

علم اصول فقہ کی اہمیت

علم اصول فقہ ایک بنیادی اسلامی علم ہے یہ اسلامی علوم میں اس حوالے سے بھی ممتاز ہے کہ اس میں عقل و نقل دونوں کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے بعد ان سے یکساں استفادہ کیا جاتا ہے اس کے ذریعے ہی اسلامی قانون معرض وجود میں آتا ہے اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسلامی مسالک کے تمام مدارس میں یہ علم بطور نصاب پڑھایا جاتا ہے کوئی مجتہد جب تک اس پر دسترس حاصل نہ کرلے اس وقت تک فتوی نہیں دے سکتا اس علم کی اہمیت درج ذیل علما کی آراء سے واضح ہوتی ہے۔

علامہ اسنوی

۱۔ابن خلدون، علامہ عبدالرحمن بن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، ط/۱۱، مترجم مولانا راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۱، ص:۲/۲۹۱

۲۔ڈاکٹر محمود غازی، علم اصول الفقہ ایک تعارف، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص:۱۰

غزالی

علامہ غزالی کہتے ہیں کہ سب سے بہترین علم وہ ہے جس میں عقل اور نقل دونوں موجود ہوں اور اصول فقہ عقل و سمع حسین امتزاج ہے اور اس میں عقل و نقل دونوں سے استفادہ کیا جاتا ہے عقل کی وجہ سے نقل سے ہاتھ نہیں اٹھایا جاتا اور اسی طرح نقل کی وجہ سے عقل کو بالکل ترک کر دیا جائے ایسا بھی نہیں ہوتا۔[۲]

علامہ قرافی

علامہ قرافی فرماتے ہیں اگر علم اصول الفقہ نہ ہو تو شریعت اسلامی کے مسائل میں سے کوئی چھوٹا بڑا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر حکم شرعی کا کوئی سبب یا دلیل ہوتی ہے اور جب اصول الفقہ کو ترک کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے اس حکم کی دلیل یا سبب کو ترک کیا جا رہا ہے اصول الفقہ کو ترک کرنا ایسے ہی ہے جیسے بغیر دلیل کے شریعت کو ثابت کیا رہا ہے۔[۳]

عبد اللہ محمد الخلیلی

مشہور محقق عبد اللہ محمد خلیلی اصول الشاشی کے مقدمہ میں اصول فقہ کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علم اصول علوم شرعیہ میں بہت عالی شان عظمت کا مالک علم ہے اس کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہے اس کے فوائد بھی زیادہ ہیں یہ اصول دین اور فروع دین دونوں کو شامل ہے۔[۴]

ان تمام علما کرام کی آراء سے علم اصول فقہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے یہ اسلامی فقہ کے لیے اساس کی حیثیت رکھتا ہے اسکے بغیر شریعت اسلامی کے احکامات کو اخذ کرنا انتہائی مشکل ہے اور ممکن ہے اس کے بغیر جس نتیجہ تک پہنچیں وہ درست ہی نہ ہو اس لیے علما کرام نے کسی بھی مجتہد کے لیے یہ ایک بنیادی شرط قرار دی ہے کہ وہ اصول الفقہ کا عالم ہو یہ اصول فقہ کی اہمیت کی دلیل ہے کہ اس کے بغیر کوئی مجتہد نہیں بن سکتا اور جو بھی شریعت سے احکام کا استنباط کرنا چاہتا ہے وہ اس کا محتاج ہے

علم اصول فقہ کا ارتقاء

علم اصول فقہ نے بتدریج ترقی کی ہے آپؐ نے صحابہ کرام کو اس فن کے کلیات کی تعلیم دی اس کے بعد صحابہ نے اس میں اضافے کیے اور یہ علم اسی طرح ترقی کرتا رہا اور امام شافعیؒ کے زمانے تک ایک الگ علم کی صورت اختیار کر گیا ہم ترتیب وار اس ارتقاء کا جائزہ لیتے ہیں۔

اصول فقہ نبی مکرم ﷺ کے زمانے میں:

آپؐ نے صحابہ کرام کو احکام کو ان کی ادلہ سے استنباط کرنے کی تربیت دی کیونکہ یہ تو ممکن نہ تھا کہ ہر صحابی ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر احکام اسلام کو دریافت کرے بالخصوص آپؐ کی زندگی کے آخری زمانے میں جب اسلام کی روشنی پوری عرب دنیا میں پھیل چکی تھی اور عرب کے تمام بڑے قبائل اسلام قبول کر چکے تھے لوگوں تک بات

۱۔ الاسنوی، جمال الدین ابی محمد عبد الرحیم بن الحسن، تحقیق دکتور محمد حسن ھیتو، التمھید فی تخریج الفروع علی الاصول، ط/۱، مؤسسہ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۱ء، ص:۴۳

۲۔ قرافی، شھاب الدین احمد بن ادریس بن عبد الرحمن مصری، تحقیق شیخ عادل احمد و شیخ علی محمد معوض، نفائس الاصول شرح المحصول، ط/۱، مکتبۃ نزار المصطفی الباز، ۱۹۹۵ء، ص:۱/۳۵

۳۔ ایضاً، ص:۱/۱۰۰

۴۔ الشاشی، انظام الدین ابی علی احمد بن محمد بن اسحق، اصول الشاشی، ط/۱، تحقیق عبد اللہ محمد الخلیلی، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء، ص:۷

لوگ اجتہاد سے کام لیتے ہوئے احکام کا استنباط کیا کرتے تھے۔

اس حوالے سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور آپؐ کے دوران ہونے والی یہ گفتگو انتہائی اہم ہے آپؐ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیج رہے تھے اس وقت آپؐ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والا مکالمہ یہ ہے۔

آپؐ نے پوچھا کہ کیسے فیصلہ کرو گے؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں اللہ کی کتاب کے ذریعے فیصلہ کروں گا آپ صلی اللہ و آلہ وسلم نے پھر دریافت کیا اگر کتاب خدا میں اسے نہ پاو تو کیا کرو گے؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں اللہ کے رسول کی سنت کے ذریعے فیصلہ کروں گا آپؐ نے پھر دریافت کیا اگر اللہ کے رسولؐ کی سنت میں بھی نہ پاؤ تو کیا کرو گے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں اپنی فہم اور رائے سے اجتہاد کروں گا تو آپؐ نے فرمایا شکرِ خدا جس نے اپنے رسولؐ کے رسول کی موفقیت فرمائی۔[۱]

اس طرح آپؐ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے طریقے کی تصویب فرمائی اور ان کے جواب پر مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا اس حدیث سے ایک بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ آپؐ نے احکام شریعت اور پیش آنے والے مسائل کو قرآن و سنت سے استنباط کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اس حدیث کے مطابق قرآن و سنت میں درپیش مسئلہ کی دلیل نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد کی اجازت بھی دے دی۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ و آلہ وسلم کی تربیت کے نتیجہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استدلال ،استحسان، استصحاب، اجتہاد اور قیاس سے استفادہ کیا اس کی مثالیں کتب حدیث میں ملتی ہیں آپؐ کے دور میں اجتہاد اور قیاس سے کام لیا گیا جب صحابہ کرام ان اصولوں سے کام لیتے تو فورا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں آتے اور اپنے اجتہاد کو پیش کرتے آپؐ درست عمل کی تائید فرمادیتے اور اگر درست نہ ہوتا تو تصحیح فرمادیتے اور غلطی کی نشاندہی فرمادیتے عہد نبوی میں اجماع کا کوئی تصور نہ تھا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اجماع کی تعریف یہ ہے کہ کسی ایسے معاملہ میں جہاں کتاب و سنت کی براہ راست راہنمائی دستیاب نہ ہو امت مسلمہ کے تمام مجتہدین مل کر کسی ایک اجتہاد پر اتفاق کر لیں اور یہ واضح ہے کہ آپؐ کی حیات مبارکہ میں اس کی ضرورت نہ تھی۔[۲]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور بنیادی طور پر وحی کا دور ہے اس میں احکامات براہ راست آپؐ پر نازل ہوتے تھے یہ اس دور کے خصائص میں ہے کہ اس میں احکامات وحی متلو یعنی قرآن یا وحی غیر متلو یعنی حدیث کی صورت میں ملتے تھے مگر اس کے باوجود اس دور میں بعض ایسے واقعات ہیں جن میں سے بعض کا ہم نے تذکرہ کیا نبی اکرم صحابہ کرام کی اجتہاد اور احکام کو قرآن و سنت کی روشنی میں تربیت کرتے نظر آتے ہیں۔ نبی اکرمؐ قواعد کو بیان کرتے ہیں ان سے اجتہاد کرنے والے صحابہ کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں یہ ایک طرح سے صحابہ کرام کو ایسے دور کے لیے تیار کیا جارہا ہے جب سلسلہ وحی بند ہو جائے گا تو اس وقت وہ کس طرح احکام کو اخذ کریں گے۔

علم اصول فقہ صحابہ کے زمانہ میں

جب ہم صحابہ کرام اور بالخصوص ان صحابہ کی زندگیوں پر نظر دوڑاتے ہیں جو فقاہت میں ید طولی رکھتے تھے تو ہمیں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے اصول الفقہ کے بہت سے قوانین کا پتہ چلتا ہے صحابہ کرام کے سامنے جب

۱۔ احمد بن حنبل، مسند امام احمد بن حنبل، باب حدیث معاذ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۲۲۰۶۱، مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، طبعہ ثانیہ ۲۰۰۸ء، ص:۳۶/ ۳۸۲ الترمذی، ابی عیسی محمد بن عیسی بن سودہ الترمذی، جامع الترمذی مع الشمائل النبوی، قرآن محل، کراچی سال اشاعت ندارد، ص:۱/ ۱۹۳ ابی یعلی، امام ابی یعلی احمد بن علی، مسند ابی یعلی الموصلی، حدیث نمبر:۱۰۱۷، ط/ ۱، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۸ء، ص:۲/ ۴۴۱

۲۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، علم اصول الفقہ کا ایک تعارف، ص:۲۷

صحابہ کرام نے اس دور میں احکام کو استنباط کرنے کے لیے کچھ قواعد وضوابط پر اتفاق کیا جن میں سے چند اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اگر قرآن وسنت میں کسی ایک موضوع کے متعلق دو حکم ملتے ہوں تو بعد والے حکم کو پہلے حکم کا ناسخ یا مخصص قرار دیا جائے گا یعنی پہلا حکم یا منسوخ قرار دیا جائے گا یا اس کے انطباق کو دوسرے حکم کی روشنی میں محدود یا مخصوص کر دیا جائے گا اس حوالے سے محدثین نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اگر کوئی بیوہ خاتون امید سے ہو تو اس کی عدت کیا ہوگی؟ اس سوال کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۴ میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن بیان ہوئی ہے اور سورہ طلاق کی آیت ۵ میں حاملہ کی عدت وضع حمل بیان ہوئی ہے اب اگر کوئی بیوہ بھی ہو اور حاملہ بھی ہو اس کی عدت کیا ہوگی؟ اس پر صحابہ کرام میں اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ چھوٹی سورۃ یعنی سورت طلاق بڑی سورۃ یعنی سورۃ بقرۃ کے بعد نازل ہوئی (۱) اس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ اصول بیان فرمادیا کہ بعد آنے والا حکم پہلے سے آئے ہوئے حکم کو یا تو نسخ کر رہا ہوگا یا اس کی تقیید کر رہا ہوگا یا اس کی تخصیص کر رہا ہوگا۔ (۲)

۲۔ کسی بھی معاملے کا فیصلہ کرتے وقت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس فیصلہ کے کیا نتائج برآمد ہوں گے اسی طرح کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس کے کیا نتائج نکلیں گے اگر کسی چیز کے نتائج غلط نکل رہے ہوں تو اس چیز کو ناجائز قرار دیا جائے گا احادیث میں بہت سے معاملات میں یہ اصول کار فرما نظر آتا ہے صحابہ کرام نے بھی اس اصول کی بنیاد پر بہت سے معاملات کا فیصلہ کیا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سزا کے تعین کی بابت مشورہ ہوا تو حضرت علیؓ نے اس کے لیے اسی کوڑوں کی سزا تجویز کی اور فرمایا کہ جو شراب پیتا ہے وہ نشہ میں آکر ہذیان بکتا ہے اور جو شخص ہذیان بکتا ہے وہ بہتان طرازی بھی کر گذرتا ہے جس کی سزا اسی کوڑے ہے (۳) لہذا شراب نوشی کی سزا بھی اسی کوڑے ہونی چاہیے قانون سازی کا یہ اصول اصطلاح میں حکم بالمآل کہلاتا ہے یعنی کسی چیز کی بابت فیصلہ کرنے میں اس کے انجام اور نتائج کو پیش نظر رکھنا۔ (۴)

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یمن میں ایک عورت نے اپنے آشنا اور اس کے ایک ملازم سے مل کر اپنے سوتیلے بیٹے کو قتل کر دیا یمن کے گورنر حضرت یعلی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف ریفرنس بھیجا اور پوچھا کہ اس صورت حال میں کیا حکم ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور فرمایا کہ اگر صنعاء کے تمام باشندے اس بچے کے قتل میں شریک ہوتے تو میں ان سب کو بچے کے قصاص میں قتل کرا دیتا۔ (۵)

۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ط/۴، کتاب التفسیر، باب قولہ والذین یتوفون منکم، حدیث نمبر: ۴۵۳۲، مکتبۃ عصریہ، بیروت، ۱۹۹۸ء، ص ۱۳۷۱

۲۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، علم اصول الفقہ کا ایک تعارف، ص: ۲۹

۳۔ مالک بن أنس أبو عبد اللہ الأصبحي، موطأ الإمام مالک، تحقیق: د. تقي الدين الندوي، کتاب الاشربہ، باب ماجاء فی حد الخمر، ط/۱، دار القلم، دمشق، ۱۴۱۳ھ، ص ۳/ ۸۰

۴۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، علم اصول الفقہ کا ایک تعارف، ص: ۲۹

۵۔ بھیقی، امام ابی بکر احمد بن حسن بن علی بن البھیقی، السنن الکبری، ط/۲، تحقیق محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۳ء، ص ۸/ ۷۳:

سے وہ عورت اس قدر خوف زدہ ہوئی کہ اس کا حمل ساقط ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ اس بچے کی دیت آپ پر واجب ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے قبول کی اور اپنی عاقلہ کے ذریعے مرنے والے بچے کی دیت ادا کرائی۔ (۱)

اس حکم کو قیاس سے اخذ کیا گیا ہے

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے قاضی القضاۃ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے نام امور قضاوت سے متعلق ایک تفصیلی خط تحریر کیا جس میں بہت سے اصولی مباحث کا تذکرہ بھی کیا تھا آپ اس خط میں تحریر کرتے ہیں جن معاملات میں قرآن و سنت کی کوئی ہدایت موجود نہ ہو اور یہ معاملات تمہادے دل میں کھٹکتے ہوں ان کے بارے میں خوب غور فکر اور سمجھ سے کام لو ایسے نئے نئے مسائل حل کرنے کے لیے تم پہلے قرآن و سنت میں موجود ملتے جلتے مسائل اور اصولوں سے واقفیت حاصل کرو پھر نئے معاملات کو ان اصولوں پر قیاس کر لو اس کے بعد جو حل تمہاری رائے میں اللہ کو زیادہ محبوب، اس کی مرضی کے زیادہ قریب اور حق سے زیادہ مشابہ معلوم ہو اس کو اختیار کر لو۔ (۲)

اس خط میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن و سنت سے حکم کے نہ ملنے کی صورت میں قرآن و سنت سے ایسے اصولوں کو تلاش کرنے ان کو ایک قانون کی حیثیت دینے اور پھر نئے درپیش مسائل کو ان اصولوں کے ذریعے حل کرنے کا حکم دے رہے ہیں قائلین قیاس بھی اس عبارت کے ذریعہ قیاس کی حجیت پر دلیل لاتے ہیں۔

صحابہ کرام کے زمانے کا تحقیقی مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت نے صحابہ کرام کے اندر ملکہ اجتہاد پیدا کر دیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جب فتوحات کا سلسلہ مشرق و مغرب تک پھیل گیا نئے نئے مسائل پیش آئے جن کے بارے میں کوئی واضح نص موجود نہیں تھی تو صحابہ کرام نے فقہ کی وسعت کے اعتبار سے ادلہ فقہ میں بھی قرآن و سنت کی روشنی میں وسعت پیدا کی اور انتہائی مؤثر انداز میں درپیش مسائل کا شرعی حل تلاش کیا اس دور میں بھی احکام کو حاصل کرنے کے بنیادی منابع تو قرآن و سنت ہی رہے مگر ان کے ساتھ ساتھ دیگر ادلہ سے بھی استفادہ کیا گیا۔

اصول الفقہ تابعین کے زمانہ میں

تابعین کا زمانہ علم کی وسعت اور ترقی کا زمانہ ہے اس میں اسلامی سلطنت کی حدود مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھیں اس لیے انہیں مختلف قسم کے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا اس لیے اس دور میں اصول الفقہ نے کافی ترقی کی مختلف مناہج وجود میں آئے جنہوں نے آگے چل کر مختلف مسالک کی صورت اختیار کی۔

احمد تیمور پاشا لکھتے ہیں کہ تابعین کے زمانہ میں اجتہاد نے ترقی کی اور مختلف مناہج اجتہاد وجود میں آئے ان مناہج کی مختلف خصوصیات تھیں ان تمام مناھج میں قرآن و سنت بنیادی دلیل کی حیثیت سے مشترک رہے اہل عراق کے ہاں نصوص میں اقوال صحابہ کے بعد قیاس کا غلبہ تھا اسی طرح اہل حجاز کے اجتہاد میں مصلحت غالب تھی۔ (۳)

ا۔ عبد الرزاق، أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني، مصنف عبد الرزاق، ط / ۲، کتاب العقول، باب من افزعه السلطان الكتاب، حدیث نمبر: ۱۸۰۱۰، تحقیق: حبيب الرحمن الأعظمي، المكتب الإسلامي، بیروت، ۱۴۰۳ھ، ص: ۹ / ۴۵۸

۲۔ البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي، السنن الکبری وفی ذیله الجوهر النقی، باب مایقضی به القاضی و یفتی به، حدیث نمبر: ۲۰۸۴۴، ط / ا، مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند بلدة حیدر آباد، ۱۳۴۴ھ، ص: ۲ / ۴۳۱

۳۔ باشا، علامہ احمد تیمور، المذاهب الفقهیه الاربعه، ط / ا، دار القاری، بیروت، ۱۹۹۰ء، ص: ۲۲

تک مدینہ کو بنیادی مقام حاصل رہا مگر تابعین کے دور میں ایک بنیادی تبدیلی یہ آئی کہ عراق اور حجاز میں دو ایسے مکاتب فکر کی بنیاد پڑی جنہوں نے اسلامی فقہ اور اصول فقہ پر انتہائی گہرے نقوش چھوڑے اور آج علماء میں ان دونوں مکاتب فکر کے اثرات موجود ہیں ان مکاتب کو اہل حدیث اور اہل الرائے کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس دور تک اصول فقہ کی الگ سے شناخت نہیں تھی کیونکہ لوگوں کے پاس احادیث بہت بڑی تعداد میں موجود تھیں فلسفہ ابھی تک امت مسلمہ میں داخل نہیں ہوا تھا مسائل کافی حد تک سادہ تھے مگر اس دور کے بعد مسائل نے بہت زیادہ وسعت اختیاد کرلی فلسفہ کی آمد اور مملکت اسلامی کی سرحدوں میں وسعت نے بہت سے نئے مسائل کو جنم دیا جن سے نمٹنے لیے ایک ایسے علم کی باقاعدہ ضرورت محسوس کی گئی جو ایسے قواعد فراہم کرے جن کی بنیاد پر شریعت کی روشنی میں ان مسائل کا حل نکالا جائے۔

علم اصول فقہ کا موجد کون؟

علم اصول فقہ کی بنیاد کس نے ڈالی اس کا موجد کون ہے اس بارے میں مندرجہ ذیل آراء موجود ہیں۔

ا- آیۃ اللہ حسن صدر فرماتے ہیں سب سے پہلے امام باقر علیہ السلام نے اور ان کے بعد ان کے فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام نے علم اصول فقہ کی بنیاد ڈالی انہوں نے اپنے شاگردوں کو قواعد اصول فقہ املاء کرائے بعد میں آنے والوں نے ان قواعد کی بنیاد پر علم اصول فقہ کو مرتب کیا ان کی اس بارے متصل روایات ہم تک پہنچی ہیں اس حوالے سے مفصل کتب موجود ہیں جن میں سے مشہور یہ ہیں۔

ا۔ اصول آل الرسول اسے سید شریف موسوی ہاشم بن زین العابدین الخوانساری الاصفہانی نے مرتب کیا ہے۔

۲۔ الاصول الاصلیہ اسے علامہ عبد اللہ بن محمد الرضا الغروی نے ترتیب دیا ہے یہ امام باقر علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام سے مروی اصول فقہ کی سب سے بہترین کتاب ہے۔

۳۔ الفصول المہمۃ فی اصول الائمۃ اسے شیخ محدث محمد بن حسن بن علی بن الحر العاملی نے ترتیب دیا ہے سید حسن صدر نے اسی موضوع پر ایک اور جہت سے بھی بات کی ہے کہ علم اصول الفقہ کی بنیاد تو ائمہ نے رکھی اور اس موضوع پر پہلی باضابطہ کتاب امام جعفر صادقؑ کے شاگرد ہشام بن حکم نے لکھی ان کی کتاب مباحث الفاظ اور ظواہر پر مشتمل تھی۔ (۱)

محمد بن اسماعیل شعبان نے بھی کہا ہے کہ شیعہ پہلے امام باقرؒ اور پھر امام جعفر صادقؒ کو علم اصول کا واضع کہتے ہیں۔ (۲)

۲۔ ابو الوفا افغانی نے کہا ہے اصول الفقہ میں سب سے پہلی تصنیف جسے میں جانتا ہوں وہ امام ابو حنیفہؒ کی مشہور کتاب الرای ہے جس میں طرق استنباط کو بیان کیا گیا ہے اس کے بعد صاحبان یعنی امام ابو یوسف اور امام حسن شیبانی نے علم اصول فقہ پر کام کیا اور اس کے بعد امام شافعیؒ آتے ہیں اور انہوں نے اس علم پر کام کیا۔ (۳)

ا۔ آیۃ اللہ سید حسن الصدر، تاسیس الشیعۃ لعلوم الاسلام، ط/ا، ذوی القربی، قم، ۱۴۳۴ھ، ص:۳۱۰ ابن ندیم، الفہرست، ط/۲، مترجم اسحق بھٹی، ادارۃ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص:۴۲۷ تلمسانی، نفائس الاصول، ص:ا/۴۳ لنکرانی، محمد فاضل موحدی، اصولفقہ شیعہ، ط/ا، مرکز فقہی ائمہ اطہار، قم، ص:ا/۴۵ القائینی، علم الاصول، تاریخا و تطورا، ط/ا، مکتب الاعلام الاسلامی، قم، ۱۴۰۵ھ، ص:۴۳

۲۔ شعبان، محمد بن اسماعیل شعبان، اصول الفقہ نشاتہ و تطورہ و الحاجۃ الیہ، مکتبۃ جعفر الحدیثیہ، قاہرہ، مصر، ص:۳۴

۳۔ السرخسی، ابو بکر محمد بن احمد السرخسی، اصول السرخسی، ط/ا، تحقیق ابو الوفا الافغانی، دار المعرفۃ، بیروت ۱۹۷۳ء، ص:ا/۳ تلسمانی، نفائس الاصول، ص ا/۴۴

الفروع کا ذکر بھی کیا ہے استاد احمد امین کہتے ہیں محمد بن حسن شیبانیؒ نے کتاب لکھی تھی مگر وہ کتاب ہم تک نہیں پہنچی اگر وہ کتاب ہم تک پہنچتی تو ہم اس کتاب اور امام شافعیؒ کی کتاب کا موازنہ کرتے اور دیکھتے امام شافعیؒ نے اس کتاب سے کتنا استفادہ کیا ہے اور خود سے علم اصول میں کتنی اختراعات کی ہیں۔[1]

۴-امام ابو یوسفؒ کی تحریروں میں اصول فقہ کا لفظ تو ملتا ہے اب اس سے معنی لقبی مراد ہو یا معنی اضافی مراد ہو یہ لفظ استعمال کرنا ان کے اصولی منہج پر دلالت کرتا ہے مناقب امام اعظم میں آیا ہے کہ ابو یوسف پہلے شخص ہیں جنہوں نے مذہب حنفیہ کے مطابق اصول فقہ لکھی شیخ مصطفی عبد الرزاق کہتے ہیں سب سے پہلے ابو یوسف نے مذہب حنفی کے اصول الفقہ پر بات کی ہے۔

۵۔ یہ بات علماء کے درمیان مشہور ہے کہ علم اصول فقہ کے واضع امام شافعیؒ ہیں انہیں اس علم پر دوسرے تمام علماء سے سبقت حاصل ہے۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ علم اصول فقہ میں سب سے پہلی تصنیف امام شافعیؒ کی ہے۔[2]

امام جوینی فرماتے ہیں امام شافعیؒ پر علم اصول الفقہ میں تصنیف کرنے پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ابن عباسؓ سے تخصیص العموم اور مفہوم کے موضوع پر کچھ نقل ہوا ہے میں کہتا ہوں جب ان سے نقل ہوا تو بعد والوں نے اس پر کام کیوں نہیں کیا اسی طرح جب ہم تابعین اور تبع تابعین کی کتب کو دیکھتے ہیں تو اس میں اسے نہیں پاتے۔

ابو زہرہ کہتے ہیں مجتہدین میں سے یہ بات امام شافعیؒ کے ساتھ خاص ہے کہ انہوں نے اصول استنباط کو معین کیا اس کے قواعد کلیہ کو بنایا اس سبقت کی بنیاد پر امام شافعیؒ واضع علم اصول ہیں۔[3]

ابی الاسلام مصطفی بن محمد سلامہ نے کہا ہے کہ امام شافعیؒ علم اصول فقہ میں ایک الگ مستقل فن کی حیثیت سے لکھنے والے پہلے مصنف ہیں۔[4]

جمہور کی رائے یہ ہے کہ علم اصول فقہ کے بانی امام شافعیؒ ہیں۔[5]

اصول فقہ کی بنیاد کس نے رکھی اس حوالے سے مندرجہ بالا آراء پائی جاتی ہیں بات درست ہے کہ امام باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ نے اصول فقہ کے بہت سے قواعد بیان فرمائے جن پر فقہ جعفری کی بنیاد ہے اور انہیں املا بھی کرایا اسی طرح امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کی تالیفات بھی ہیں مگر امام شافعیؒ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اصول فقہ پر جو کتاب لکھی وہ ہم تک پہنچی ہے ہشام بن حکمؒ اور دیگر کچھ علما کی جن کتب کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہم تک نہیں پہنچیں اگر وہ پہنچتیں

۱۔ ابن ندیم، الفہرست، ص۷۸۴ تلسمانی، نفائس الاصول، ص:۱/ ۴۴

۲۔ تلسمانی، عبد اللہ بن محمد بن علی شرف الدین ابو محمد الفہری المصری، شرح المعالم فی اصول الفقہ، ط/ ۱، عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، ص:۲۱

۳۔ شوکانی، الامام العلامہ محمد بن علی بن محمد، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من الاصول، ط/ ۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۲۰۰۳، ص:۱/ ۸۳

۴۔ ابی اسلام، مصطفی بن محمد بن سلامہ، التاسیس فی اصول الفقہ علی ضوء الکتاب و السنۃ، ط/ ۱، دار القبس للنشر والتوزیع، ۲۰۰۹ء، ص: ۲۵

۵۔ تلسمانی، نفائس الاصول، ص:۱/ ۴۳

علم اصول فقہ کی تعریف

علماء نے اصول الفقہ کی تعریف دو جہات سے کی ہے ہم دونوں طرح کی تعریفوں کو ذکر کریں گے۔

ا۔ تعریف اضافی

اصول الفقہ دو الفاظ یعنی اصول اور فقہ سے مل کر بنا ہے اس ترکیب کو عربی زبان میں مضاف اور مضاف الیہ کہا جاتا ہے تعریف اضافی کو سمجھنے کے لیے اصول اور فقہ کا معنی کیا ہے اسی طرح مضاف اور مضاف الیہ کی ترکیب کیا معنی دیتی ہے اسے سمجھنا ضروری ہے۔

اصول

اصول اصل کی جمع ہے اصل اس چیز کو کہتے ہیں جو اساس اور بنیاد ہو چاہے یہ بنیاد یا اساس ہونا حسی ہو جیسے دیوار چھت کے لیے اصل ہوتی ہے یا عقلی ہو جیسے معلول کی بنیاد علت پر ہوتی ہے۔

اصل

اصل کے چار معانی بیان کیے گئے ہیں۔

ا۔ المقیس علیھا: قیاس کے قضیہ میں وہ حصہ جسے مقیس علیھا کہا جاتا ہے مثلاً جب کہا جاتا ہے الخمر اصل النبیذ تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خمر مقیس علیھا ہے نبیذ کے لیے۔[1]

۲۔ القاعدہ المستمرۃ: مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے اباحۃ اکل لحم المیتۃ للمضطر علی خلاف الاصل مجبور شخص کے لیے مردار کھانا اصل کے خلاف ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ قاعدہ مستمرہ یعنی عام حالات میں اگر مجبوری نہ ہوتی تو جو قاعدہ جاری تھا یہ مردار کھانا اس قاعدہ کے خلاف ہے۔

۳۔ الرجحان: جیسے کہ ہم کہتے ہیں الاصل فی الکلام الحقیقۃ کلام میں اصل حقیقت ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جب کلام بولا جاتا ہے تو اگر قرینہ صارفہ نہ ہو تو کلام کو اس کے معنی حقیقی پر حمل کرنا رجحان رکھتا ہے۔

۴۔ الدلیل: جیسے کہ ہم کہتے ہیں اصل ھذہ المسالۃ من الکتاب و السنۃ کہ اس مسئلہ میں اصل قرآن و سنت ہے تو اس مراد یہ ہوتی ہے کہ اس مسئلہ میں دلیل قرآن و سنت ہیں۔[2]

جب اصل بطور مطلق استعمال ہو تو علامہ ابن نجار حنبلی کہتے کہ اس وقت معنی غالبی دلیل ہوتا ہے۔[3]

اصل مذکورہ بالا چار معانی میں سے کسی ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے جب اصل کا لفظ فقہ ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد اصل کا چوتھا معنی یعنی دلیل مراد ہو گا اس لیے جب کہا جاتا اصول فقہ تو اس سے مراد ادلہ فقہ ہوتا ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف

علمائے اصول نے فقہ نے اصول الفقہ کی اصطلاحی تعریف میں اختلاف کیا ہے علما کا فقہ کی تعریف میں اختلاف کرنا مسائل فقہ میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔

جعفری نقطہ نظر

ا۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص: ۱/ ۶۸

۲۔ النملہ، ڈاکٹر عبد الکریم بن علی بن محمد، المھذب فی علم اصول الفقہ المقارن، ط/ ا، مکتبہ الرشد للنشر و التوزیع، ریاض، ۱۹۹۹ء، ص ا/ ۱۴، ۱۳

۳۔ ابن النجار، علامہ شیخ محمد بن احمد بن عبد العزیز بن علی الفتوحی الحنبلی، تحقیق، دکتور محمد الزحیلی، شرح الکواکب المنیر المسمی بمختصر التحریر، مکتبہ العتیکان، ریاض، ۱۹۹۳ء، ص: ۴/ ۳۹

شریعت کے فروعی احکام کو ان کی تفصیلی دلیلوں سے جاننا فقہ کہلاتا ہے۔

حنفی نقطہ نظر

معرفة النفس مالها و ماعليها[2]

نفس کی معرفت حاصل کرنا کہ اس پر اور اس کے لیے کیا حکم ہے۔

مالکی نقطہ نظر

الفقه :هو العلم بالاحكام الشرعية العلمية المكتسب من ادلتها التفصيلية[3]

فقہ ان احکام شرعیہ عملیہ کو جاننے کا نام ہے جن کو ان کی تفصیلی ادلہ سے لیا جاتا ہے۔

الفقه هو معرفة الاحكام الشرعيه[4]

فقہ احکام شرعیہ کے جاننے کا نام ہے۔

ان باتوں کا جاننا جو انسان کے نفع میں ہیں اور ان باتوں کا جاننا جو اس کے ضرر و نقصان میں ہیں۔

الفقه: العلم بالاحكام الشرعية المكتسب من ادلتها التفصيلية[5]

فقہ احکام شرعیہ جن کو ان کی تفصیلی ادلہ سے لیا گیا ہو کے جاننے کو کہتے ہیں۔

الفقه: فهو معرفة الاحكام الشرعية[6]

احکام شرعیہ جاننے کو فقہ کہتے ہیں۔

شافعی نقطہ نظر

الفقه :هو العلم بالاحكام الشرعية العلمية المكتسب من ادلتها التفصيلية[7]

۱۔ جعفر سبحانی، الموجز فی اصول الفقه، ط/۱، مرکز المصطفی العالمیه للترجمه والنشر، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص:۱۱

۲۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص:۱/ ۲۷ مفتی عبد الواحد، اصول دین، مجلس نشر اسلام، کراچی، ۲۰۰۳، ص:۹۲

۳۔ ابراهیم اللقانی، المنار اصول الفتوی و قواعد الافتاء بالاقوی، تحقیق الدکتور عبد الله الهلالی، وزارت اوقاف وشئون اسلامی، تیونس، س ن، ص:۱۷۳

۴۔ الباجی، الامام الحافظ ابی الولید سلیمان بن خلف الباجی الاندلسی، الحدود، ط/۱، تحقیق، حماد، موئسسه الزعبی للطباعه والنشر، بیروت، ۱۹۷۳ء، ص:۳۵

۵۔ ابن حلولو، احمد بن عبد الرحمن بن موسی، تحقیق عبد الکریم النمله، ایضاء الامع شرح جمع الجوامع فی اصول الفقه، ط/۲، مکتبه الرشد للنشر والتوزیع، ریاض ۱۹۹۹ء، ص:۵/ ۱۱۳

۶۔ ابن العربی مالکی، قاضی ابی بکر بن العربی المعافر المالکی، المحصول فی اصول الفقه، ط/۱، دار البیاق، بیروت، ۱۹۹۹ء، ص:۲۱

۷۔ الاسنوی، التمهید فی تخریج الفروع، ص:۵۰

الفقه مخصوص بالعلم الحاصل بجملة من الاحكام الشرعية الفرعية بالنظر والاستدلال[1]

فقہ اس علم کے ساتھ خاص ہے جو فروعی احکام شرعیہ کے بارے میں استدلال و نظر سے حاصل ہوتا ہے۔

حنبلی نقطہ نظر

الفقه: معرفة الاحكام الشرعية الفرعية بالفعل او القوة القريبيه[2]

فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کو بالفعل (یعنی استدلال) یا بالقوۃ جاننے کا نام ہے۔

ترکیب اضافت

اصول فقہ میں ترکیب اضافت ہے یعنی اضافت نے ان دو کلمات کو جوڑ رکھا ہے لفظ اصول لفظ فقہ کی طرف منسوب ہو رہا ہے اضافت کا معنی یہ ہے کہ مضاف کو مصاف الیہ کے ساتھ خاص قرار دینا جیسے "غلام زید" زید کا غلام تو یہاں غلام کو زید کے ساتھ خاص قرار دیا جا رہا ہے اسی طرح جب کہا جائے گا اصول الفقہ تو اس کا معنی ادلۃ الفقہ ہو گا یعنی فقہ کی ادلہ جن کے متعلق اس علم میں بحث کی جاتی ہے۔[3]

۲۔ تعریف لقبی

علمائے اصول فقہ نے علم اصول فقہ کی دوسری تعریف بطور لقب کی ہے کہ علم اصول کی حیثیت سے اس کی تعریف یہ ہے۔

جعفری نقطہ نظر

هو علم يبحث فيه عن القوعد التى يتوصل بها الى استنباط الاحكام الشرعية عن الادلة[4]

علم اصول الفقہ وہ علم ہے جس میں ان قواعد کی بحث کی جاتی ہے جن کے ذریعے سے احکام شرعیہ کا ان کی ادلہ سے استنباط کیا جاتا ہے۔

حنفی نقطہ نظر

اصول الفقه هو القواعد التى يتوصل بها الى استنباط الاحكام الشرعية من الادلة التفصيلية[5]

اصول فقہ ان قواعد کو جاننے کا نام ہے جن کے ذریعے احکام شرعیہ کا ان کی ادلہ سے استنباط کیا جاتا ہے۔

مالکی نقطہ نظر

۱۔ آمدی، سیف الدین ابی الحسن علی بن ابی علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، دار لکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ، ص:۱/۷

۲۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۱/۴۱

۳۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص:۱/۴۳

۴۔ جعفر سبحانی، الموجز فی اصول الفقہ، ص:۱۱

۵۔ ابن قطلوبغا، علامہ زین الدین بن قطلوبغا الحنفی، شرح مختصر المنار المسمی خلاصۃ الافکار شرح المختصر المنار، ط/۱، تحقیق دکتور زہیر ناصر الناصر، دار بن کثیر، بیروت، ۱۹۹۳ء، ص:۸

اصول فقہ ان قواعد کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعے پتہ چلتا ہے کہ کیسے احکام کو ان کی دلیلوں سے لیا جاتا ہے۔

اصول الفقه عبارة عن مجموع طرق الفقه علی سبیل الاجمال و کیفیة الاستدلال بها، وکیفیة حال المستدل بها[۲]

علم اصول فقہ نام ہے فقہ کے دلائل کو عمومی طور پر جان لینے کا اور دلائل سے استفادہ کے طریقہ کار اور شرائط سے واقفیت کا

شافعی نقطہ نظر

اصول الفقه هو القواعد التی یتوصل بها الی استنباط الاحکام الشرعیة من الادلة[۳]

اصول الفقہ ان قواعد کا نام ہے جن کے ذریعے احکام شرعیہ کا ان کی ادلہ سے استنباط کیا جاتا ہے۔

مجموع طرق الفقه الاجمالیه ، و کیفیة الاستفادة منها ، حال المستفید[۴]

علم اصول نام ہے فقہ کے تمام اجمالی طرق کے جاننے کا اور ان طرق سے کیسے استفادہ کیا جائے اور استفادہ کرنے والا کیسا ہو۔

استاد عبدالکریم النملہ نے اس تعریف کو علم اصول الفقہ کی دقیق ترین تعریف قرار دیا ہے[۵]

حنبلی نقطہ نظر

اصول الفقه: القواعد التی یتوصل بها الی استنباط الاحکام الشرعیة الفرعیة[۶]

اصول فقہ وہ قواعد ہیں جن کے ذریعے احکام شرعیہ کو ان کی دلیلوں سے استنباط کیا جاتا ہے۔

اس تعریف کے تین حصے ہیں ہم باری باری ان تینوں کی وضاحت کرتے ہیں۔

۱۔ مجموع طرق الاجمالیه

یہاں پر مجموع طرق الاجمالیہ سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جو احکام شرعیہ عملیہ کو ان کی تفصیلی ادلہ سے اخذ کرنے کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں یہاں پر جو اجمالیہ کی قید لگائی اس سے مراد اجمال ہے اور اجمال تفصیل کی ضد ہے فقہ میں احکام کو ان کی تفصیلی ادلہ سے لیا جاتا ہے اس لیے مسائل فقہ کو خارج کرنے کے لیے اجمال کی قید لگائی ہے اصولی خود

۱۔ عبدالحمید بن بادیش، مبادی الاصول، طبع ثانیہ، تحقیق دکتور عمار طالبی، مؤسسہ الوطنیہ، الجزائر، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۱

۲ قرافی، نفائس الاصول، ص: ۱/ ۱۱۰

۳ خضری، شیخ محمد، اصول الفقہ، ط/ ۶، مکتبہ التجاریہ الکبری، قاہرہ، ۱۹۶۹ء، ص: ۱۴

۴ الرازی، فخر الدین محمد بن عمر بن حسین الرازی، تحقیق، دکتر طہ جابر فیاض علوانی، المحصول فی اصول الفقہ، مؤسسہ الرسالۃ بیروت، ص: ۱/ ۸۰ الجیزانی، معالم اصول الفقہ، ص: ۲۱

۵ النملہ، المہذب، ص: ۱/ ۲۴

۶ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص: ۱/ ۴۴

۲۔ وکیفیۃ الاستفادۃ منھا

ان ادلہ سے کس طرح استفادہ کیا جائے کہ ان کے ذریعے احکام کو حاصل کیا جائے یا کس طرح امارات کے ذریعہ سے احکام کو حاصل کیا جائے کیونکہ احکام کو حاصل کرنے کے دو ہی بنیادی ذرائع ہیں ادلہ اور امارات جن سے احکام کو حاصل کیا جاتا ہے یہ ادلہ لفظیہ اور عقلیہ کو بھی شامل ہے اور ہر اس دلیل کو شامل ہے جس کے ذریعے احکام کو حاصل کیا جاتا ہے اب یہ دلیل نص ہو جیسے قرآن مجید اور سنت نبی مکرمؐ یا یہ دلیل معقول ہو جیسے قیاس، استصلاح وغیرہ۔

۳حال المستفید

حال مستفید سے مراد استفادہ کرنے والے کی کیفیت ہے جو اس پورے عمل کو انجام دے رہا ہوتا ہے مستفید کی دو اقسام ہیں ۱ مجتہد ۲ مقلد مجتہد حکم کو اس دلیل سے حاصل کرتا ہے جس کو شارع مقدس نے معین کیا ہوتا ہے اور مقلد کسی بھی مجتہد سے سوال کرکے اس حکم کو معلوم کرتا ہے مجتہد اور مقلد کا حال جاننا اصول الفقہ میں داخل ہے شروط اجتہاد اقسام اجتہاد حکم اجتہاد اسی طرح حکم تقلید اسی طرح آداب استفتاء اصول الفقہ میں داخل ہیں۔[1]

العلم بالقواعد الکلیۃ التی یتوسل بھا الی استنباط الاحکام الشرعیۃ العملیۃ من ادلتھا التفصیلیۃ

اصول الفقہ ان کلی قواعد کو جاننے کا نام ہے جن کے ذریعے احکام شرعیہ عملیہ کو ان کی تفصیلی دلیلوں سے حاصل کیا جاتا ہے

ڈاکٹر احمد الحجی الکروی نے اس تعریف کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ علم اصول الفقہ کی یہ تعریف حنفی، مالکی اور حنبلی علما کی تعریف ہے یعنی حنفی مالکی اور حنبلی علماء نے علم اصول الفقہ کی اس تعریف کو قبول کیا ہے۔[2]

ان تمام تعریفوں سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ علم اصول الفقہ قواعد کا علم ہے یعنی اس میں عمومی اصولوں سے گفتگو کی جاتی ہے۔

۲۔ اس کے ذریعے احکام شرعیہ کو حاصل کیا جاتا ہے۔

۳۔ اس میں احکام حاصل کرنے والے مجتہد یا مفتی کے بارے میں بھی بات ہوتی ہے۔

۴۔ بنیادی طور پر یہ مددگار علم ہے جس کے ذریعے احکام کو ان کی دلیلوں سے لیا جاتا ہے۔

۵۔ یہ علم اس طریقہ کو بتاتا ہے جس کے ذریعے مفتی یا مجتہد کسی حکم کو اس کی دلیلوں سے اخذ کرے گا۔

مبحث دوم: علم اصول فقہ کا موضوع اور غرض وغایت

اصول فقہ کا موضوع

الموضوع: ھو الشئ الذی یبحث فی ذالک العلم عن احوالہ العارضۃ لذاتہ[3]

موضوع وہ چیز ہے جس میں ان احوال سے بات کی جاتی ہے جو خود ذات کو لاحق ہوتے ہیں۔

---

۱ ڈاکٹر عیاض بن نامی السلمی، اصول الفقہ الذی لایسع الفقیہ جھلہ، ط/۱، دارالتدمیریہ، الریاض، سعودی عرب ۲۰۰۵ء، ص:۱۶؛ الجیزانی، معالم اصول الفقہ، ص:۲۱

۲۔ ڈاکٹر احمد الحجی، بحوث فی علم اصول الفقہ، شرکۃ دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ۲۰۰۴، ص:۱۱

۳۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۸ عبدالعلی، علامہ محمد بن نظام الدین لکھنوی، فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ط/۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲ء، ص:۱/۷

ہر علم کا موضوع وہ ہے جس میں اس کے ذاتی عوارض پر بحث کی جاتی
ہے۔

علم اصول الفقہ کا موضوع کیا ہے اس حوالے سے اسلامی مسالک کی آرامندرجہ ذیل ہیں۔

جعفری نقطہ نظر

فقہ جعفری میں بھی ہر وہ چیز جو فقہ میں دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہو وہ اصول الفقہ کا موضوع ہے۔[۲]

حنفی نقطہ نظر

قاضی محب اللہ بہاری نے لکھا ہے کہ علم اصول فقہ کا موضوع اجمالی طور چاروں دلیلیں ہیں جو کہ اس بات میں مشترک ہیں کہ ان دلیلوں کے ذریعے حکم شرعی تک پہنچ جاتے ہیں۔[۳]

ابن قطلوبغا حنفی کے مطابق علم اصول الفقہ کا موضوع ادلہ سمعیہ ہیں۔[۴]

مالکی نقطہ نظر

علامہ تلمسانی مالکی لکھتے ہیں اصول الفقہ کا موضوع ادلہ سمعیہ ہیں اس حیثیت سے کہ ان ادلہ سے احکام کو کیسے ثابت کیا جاتا ہے۔[۵]

شافعی نقطہ نظر

علمائے شافعیہ کا موقف یہ ہے کہ احکام شرعیہ تک پہنچانے والی ادلہ کے احوال سے بحث کرنا علم اصول الفقہ کا موضوع ہے۔(٦)

حنبلی نقطہ نظر

ہر وہ چیز جو فقہ میں دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہو وہ اصول الفقہ کا موضوع ہے۔[۷]

ابن نجار حنبلی کہتے ہیں کہ علم اصول فقہ کا موضوع ادلہ ہیں جو فقہ تک پہنچاتی ہیں جیسے قرآن، سنت، اجماع اور قیاس وغیرہ۔[۸]

علم اصول الفقہ کا موضوع وہ دلیلیں ہیں جو شریعت کے عملی احکام تک پہنچاتی ہیں وہ ادلہ اجمالیہ علم اصول الفقہ کا موضوع ہیں اسی طرح ان ادلہ کے مراتب کیا ہیں ان سے استدلال کیسے کیا جائے گا یہ سب علم اصول الفقہ کا موضوع ہیں جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔[۹]

تمام مسالک کی آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ج۱، ص۳۳ قرافی، نفائس الاصول، ص:۱/ ۹۸

۲۔ سبحانی، الموجز فی اصول الفقہ، ص:۱۱

۳۔ عبد العلی، فواتح الرحموت، ص:۱/ ۱۵

۴۔ ابن قطلوبغا، شرح مختصر المنار، ص:۸

۵۔ تلمسانی، نفائس الاصول، ص:۱/ ۳۷

٦۔ آمدی، الاحکام فی الاصول الاحکام، ص:۱/ ۹ الاسنوی، التمہید فی تخریج الفروع، ص:٦ الجیزانی، محمد بن حسین بن حسن، معالم اصول الفقہ، ط/ ۱، دار ابن الجوزی للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹٦ء، ص:۲۳

۷۔ النملہ، عبد الکریم، اتحاف ذوی البصائر بشرح روضۃ الناظر فی اصول الفقہ للامام احمد بن حنبل، ط/ ۵، مکتبۃ الرشد ناشرون، ریاض ۲۰۰۸ء، ص:۱/ ۸۹

۸۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۱/ ۳٦

۹۔ عبد الکریم النملہ، المہذب، ص:۱/ ۳۸

۲۔مالکی اور علامہ قطلوبغا حنفی کی رائے میں اصول الفقہ کا موضوع تو ادلہ ہی ہیں مگر ان ادلہ سے مراد ادلہ سمعیہ ہیں۔

۳۔ قاضی محب اللہ کی رائے میں علم اصول فقہ کا موضوع ادلہ اربعہ ہیں۔

علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علم اصول الفقہ کا موضوع ادلہ ہیں بعض نے صرف اس میں اختلاف کیا ہے کہ اس سے مراد ادلہ سمعیہ ہیں یا ادلہ اربعہ ہیں یا ہر وہ چیز اصول فقہ کا موضوع ہے جو دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہو اس طرح تمام مسالک اس پر متفق ہے کہ موضوع فقط دلیل ہے اس کے علاوہ کوئی اور چیز موضوع بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

علم اصول فقہ کی غرض وغایت

کسی بھی علم کی اہمیت کا اندازہ اس کی غرض وغایت سے کیا جاتا ہے جس قدر اس کی غرض وغایت اہم ہو گی اسی قدر اس علم کی اہمیت بھی بڑھ جائے گی۔

جعفری نقطہ نظر

آغا جعفر سبحانی نے لکھا ہے کہ اصول الفقہ کی غرض وغایت احکام شرعیہ کو ان کے دلائل سے حاصل کرنے کی قدرت حاصل کرنا ہے۔[۱]

حنفی نقطہ نظر

علامہ محب اللہ بہاری کہتے ہیں کہ اصول فقہ کے ذریعے احکام شرعیہ کو ان دلائل کے ذریعے جانا جاتا ہے اور احکام کی معرفت اس بات کا ذریعہ بنتی ہے کہ انسان سعادت ابدی کو حاصل کر لیتا ہے۔[۲]

ابن قطلوبغا کے مطابق علم اصول فقہ کی غرض وغایت احکام شرعیہ کو ان کے دلائل سے استنباط کرنے کا ملکہ حاصل کرنا ہے۔[۳]

مالکی نقطہ نظر

علم اصول فقہ کے ذریعے احکام شرعیہ کو ان کی دلیلوں سے حاصل کیا جاتا ہے اسی کے ذریعے واجب، حرام ، مستحب اور جائز کا پتہ چلتا ہے۔[۴]

شافعی نقطہ نظر

علامہ آمدی نے کہا ہے کہ اصول الفقہ کی غرض وغایت احکام شرعیہ کو حاصل کرنا جو دنیوی اور اخروی سعادت کا باعث ہے۔[۵]

حنبلی نقطہ نظر

ابن النجار کہتے ہیں کہ علم اصل الفقہ کی غرض وغایت احکام شرعیہ کو ان کے دلائل سے حاصل کرنا ہے۔[۶]

۱۔ سبحانی، الموجز فی اصول الفقہ، ص:۱۲

۲۔عبد العلی، فواتح الرحموت، ص:۱/ ۱۶

۳۔ابن قطلوبغا، شرح مختصر المنار، ص:۸

۴۔ الولاتی، محمد بن یحیٰ بن المختار، ایصال السالک الی اصول مذھب الامام مالک، ط/۱، دار ابن حزم للطباعۃ و النشر والتوزیع، بیروت ، ۲۰۰۶ء، ص:۱۴

۵۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/ ۹

۶ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۴/ ۴۶

شریعت پر عمل کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ یہ احکام دلائل سے کیسے حاصل کیے جائیں گے اس کا طریقہ اصول فقہ بتاتا ہے۔

۲۔اس کے ذریعے دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کرنا ہے جو ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے۔

۳۔اصول فقہ کے ذریعے احکام کو ان کے دلائل سے حاصل کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ کس طرح استنباط کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر محمود غازی صاحب لکھتے ہیں علمائے اصول فقہ نے اس کی غرض وغایت کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اسے چند امور میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔رضائے الٰہی کا حصول، بایں طور کہ علمائے اصول فقہ کے قواعد و احکام سے کام لے کر اللہ رب العزت کی مرضی اور منشاء کو معلوم کیا جائے اور پھر اس کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔

۲۔روز مرہ کے فقہی احکام و مسائل کے شرعی مآخذ و دلائل سے واقفیت حاصل کر کے ان کی حقانیت کے بارے میں اطمینان قلبی حاصل کیا جائے اور پوری جمعیت خاطر کے ساتھ ان پر عملداری کی کوشش کی جائے۔

۳۔شرعی احکام کے استنباط و استدلال کے اسالیب کا علم حاصل کر کے اس خطرہ کا سدباب کیا جائے کہ معاملہ میں حکم الٰہی اور منشائے ربانی کے خلاف کوئی عمل سرزد ہو جائے۔

۴۔تحفظ دین و عقیدہ جو اسلامی شریعت کا سب سے بڑا اور اولین مقصد ہے اس کے لیے مضبوط عقلی اور عملی بنیاد فراہم کی جائے۔

۵۔بدعقیدہ، بددین اور گمراہ لوگوں کے شبہات سے دین اور احکام دین پر ایمان کو محفوظ رکھا جائے۔

۶۔ان تمام مقاصد اور غایات کے نتیجہ میں دنیا اور آخرت کی سعادتیں حاصل کی جائیں۔[1]

علماء نے مختلف الفاظ میں علم اصول فقہ کے جو بھی اغراض و مقاصد ذکر کیے ہیں وہ مذکورہ بالا نکات میں سے کسی کے تحت آجاتے ہیں بنیادی بات جو تمام اسلامی مسالک میں مشترک ہے کہ علم اصول فقہ کا بنیادی مقصد ان دلائل کو سمجھنا ان کی حدود قیود کو سمجھنا جن کے ذریعے ایک مفتی یا مجتہد احکام کو استنباط کر سکے اور ان احکامات حقیقیہ تک پہنچ سکے جو اللہ تعالی نے نازل فرمائے ہیں اور اس ذریعے سے اللہ تعالی کی خوشنودی حال کرنا ہے تاکہ اس سے دنیا میں اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق عمل کر سکے اور آخرت میں اس اطاعت و فرمانبرداری پر اللہ تعالی سے اجر پائے۔

الاصولی: من عرف القواعد التی یتوصل بها الی استنباط الاحکام الشرعیة الفرعیة[2]

اصولی اس شخص کو کہتے ہیں جو قواعد کو جانتا ہوتا ہے جن کے ذریعے احکام شرعیہ کو ان کی دلیلوں سے استنباط کیا جاتا ہے۔

اصولی: اصولی کی مثال اسلحہ بنانے والے کی سی ہوتی ہے ممکن ہے وہ بزدل ہو اور لڑ نہ سکتا ہو اور فقیہ کی مثال اس شخص کی ہوتی ہے جو اسلحہ اٹھائے ہوئے ہے مگر جب اسلحہ خراب ہو جائے تو وہ اسے ٹھیک نہیں کر سکتا۔[3]

۱غازی، علم اصول الفقہ ایک تعارف، ص:۲۶

۲۔ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۱/۴۴

۳۔تلسمانی، نفائس الاصول، ص:۱/۲۸

ہے جن کو مجتہد استعمال میں لا کر عمل اجتہاد کو انجام دیتا ہے۔

مبحث سوم: اصول فقہ میں ادلہ اجتہاد کا مقام، اجتہاد اور اجتہاد کی اقسام

علم اصول فقہ میں ادلہ اجتہاد کا مقام

علم اصول فقہ میں ادلہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ انہی دلائل کی بنیاد پر احکام شریعت کو حاصل کیا جاتا ہے کسی بھی مجتہد کے لیے شریعت کے احکام کو سمجھنے کے لیے ان دلائل کا جاننا انتہائی ضروری ہے یہ ادلہ ہی ہیں جن کو جاننے اور سمجھنے کے لیے اصول الفقہ کو وضع کیا گیا ہے کسی بھی علم کے لیے اس کا موضوع انتہائی اہم ہوتا ہے علم اصول الفقہ کا موضوع احکام کے شرعی دلائل ہیں کیونکہ اس میں شرعی دلائل کی بحث کی جاتی ہے جن کے ذریعے عمومی احکامات کو ثابت کیا جاتا ہے۔

اسی لیے بہت سے علماء نے اصول فقہ کو ادلہ فقہ کہا ہے اور ادلہ کو اصول الفقہ کی تعریف میں ایک لازم جزء کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔

ڈاکٹر عبد الکریم النملہ نے بہت اچھی جمع کی ہے علما کے اقوال کو ذکر کیا ہے جس میں علمانے اصول الفقہ کو ادلہ فقہ کہاہے علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں اصول الفقه ای ادلته الدالة علیه اصول الفقہ ان دلائل کا علم ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں امام غزالی نے فرمایا ہے علم اصول فقہ احکام کی ادلہ سے عبارت ہے امام الحرمین فرماتے ہیں اصول الفقه وهی ادلةفقه کہ اصول فقہ اصول کی دلیلوں سے عبارت ہے ابو اسحٰق شیرازی فرماتے ہیں کہ اصول الفقه ادلةفقه کہ اصول فقہ دلیلوں سے عبارت ہے تاج الدین السبکی فرتے ہیں اصول الفقہ فقہ کے دلائل اجمالیہ کو کہا جاتا ہے قاضی ناصر الدین البیضاوی نے کہا ہے دلائل فقہ کی اجمالی معرفت کو کہا جاتا ہے ان تمام علماء کے نظریات کو بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر عبد الکریم النملہ نے کہاہے کہ قول راجح یہ ہے کہ اصول الفقہ کو ادلہ فقہ کہا جائے۔[۱]

علامہ ابن حلولو مالکی کے نزدیک اصل کا اطلاق راجح اور دلیل پر ہوتا ہے مگر جب اصول فقہ کہا جاتا ہے تو اس سے مراد ادلہ فقہ ہوتی ہیں۔[۲]

اصول فقہ بطور علم ایک ایسا علم ہے جو دلیلوں کے گرد گھومتا ہے۔ اس میں ہونے والی تمام ابحاث کا بنیادی مقصد دلیلوں کو بہتر انداز میں سمجھنا ہے علماء کے تمام اقوال سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اصول الفقہ میں بنیادی بات ادلہ سے بحث کرنا ہی ہوتا ہے باقی تمام ابحاث کا مقصد انہی دلائل کو سمجھنے ان کے مراتب کو بیان کرنے اور ان سے استدلال کرنے کے طریقہ کار کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔

۱۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۱/ ۷۴ تا ۷۵

۲۔ ابن حلولو، الضیاء اللامع، ج ۱۲۹

مبحث اول: اجتہاد کا مفہوم

مبحث دوم: اجتہاد کے بند ہونے کی وجوہات اور موجودہ دور میں اجتہاد کی ضرورت

مبحث سوم: اجتہاد کی اقسام

اجتہاد کا مادہ اصلی جہد ہے یعنی کسی کام کے انجام دینے میں اپنی پوری قوت کو بروکار لانا۔

علامہ ابن اثیر کے نزدیک کسی فعل کی انجام دہی کے لیے جو سعی و کوشش کی جاتی ہے اجتہاد کہلاتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں جھد کا لفظ بہت زیادہ استعمال ہوا ہے جہد تمام قوت کو صرف کرنے کو کہتے ہیں اور اگر اسے جیم پر زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی مشقت اور سختی کے ہیں۔[1]

علامہ راغب اصفہانی نے فرمایا ہے اجتہاد جہد سے ہے اور جہد کو زبر اور پیش دونوں کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے اور اجتہاد کا معنی یہ ہوگا کہ کسی کام کے لیے اپنی پوری قوت کو لگا دینا اور مشقت برداشت کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔[2]

علامہ ابن منظور کے نزدیک جہد زبر اور پیش دونوں کے ساتھ طاقت اور قوت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے بعض علماء نے یہاں فرق کیا ہے کہ جب جہد زبر کے ساتھ ہوگا تو سختی اور مشقت کے معنی میں ہوگا اور جب پیش کے ساتھ ہوگا تو طاقت اور قوت کے معنی میں ہوگا[3] جیسے قرآن کی اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ﴾[4]

وہ اُس کے سوا کچھ نہیں پائیں گے جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے دیتے ہیں۔

یہاں جہد طاقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اجتہاد کا معنی قوت و طاقت صرف کرنے کا ہے۔[5]

علامہ الطریحی نے لکھا ہے

الاجتهاد هو المبالغة فى الجهد[6]

اجتہاد بھرپور کوشش کرنا ہے۔

علامہ آمدی، علامہ غزالی نے بھی اجتہاد کے معانی کسی کام کو انجام دینے کے لیے انتہائی کوشش، محنت اور مشقت برداشت کرنا کیے ہیں۔[7]

ان تمام معانی کے بغور جائزے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ لغت میں اجتہاد کے معنی کسی بھی عمل کو انجام دینے کے لیے اپنی ساری قوت صرف کرنا، اپنی طرف سے اس عمل کو انجام دینے کی انتہائی کوشش کرنا اور اس دوران محنت اور مشقت کو برداشت کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ علم اصول کی مختلف کتابوں میں اجتہاد کا یہی معنی بیان ہوا ہے۔

اجتہاد کی اصطلاحی تعریف

۱۔ ابن اثیر، الامام مجد الدین ابی السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری، النهاية فى غريب الحديث و الاثر، دار لکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲ء طبع الثانیہ، ص:۱/۳۰۸

۲۔ اصفہانی، علامہ راغب، مفردات القرآن، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص:۱۰۸

۳۔ ابن مظور، علامہ ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی امصری، لسان العرب، دار صادر للطباعہ وللنشر، بیروت، ۲۰۰۰ء ص:۳/۲۲۳

۴۔ سورۃ التوبہ:۹/۷۹

۵۔ ابن مظور، لسان العرب، ص:۳/۳۲۵

۶۔ الطریحی، شیخ فخر الدین، مجمع البحرین، ط/۳، انتشارات مرتضوی، ۱۳۷۵ سال ایرانی، ص:۳/۳۳

۷۔ غزالی، ابی حامد محمد، المستصفى من علم الاصول، دار صادر، بیروت، ۱۹۹۵ء، ص:۲/۳۵۰، آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۴/۳۹۶

هو استفراغ الفقيه الوسع لتحصيل ظن بحكم شرعي

فقیہ کی وہ انتہائی کوشش جو حکم شرعی کے کے بارے میں (کم از کم) ظن کے حصول کے لیے ہو۔

ملكة تحصيل الحجج على الحكم الشرعي او الوظيفة العملية [۲]

یہ وہ ملکہ ہے جس کے ذریعے سے حکم شرعی یا عملی وظیفہ کی دلیلیں حاصل کرتے ہیں۔

هو في الاصطلاح تحصيل الحجة على الاحكام الشرعية الفرعية عن ملكة و استعداد [۳]

شریعت کے فروعی احکامات پر اپنی خداداد صلاحیت کی بنیاد پر دلیل تک رسائی حاصل کرنے کو اصطلاح میں اجتہاد کہا جاتا ہے۔

الاجتهاد: ملكة استنباط الاحكام الشرعية الفرعية الكلية او وظائف العملية من مصادرها [۴]

شریعت کے فروعی احکامات کلی احکام یا وظائف عملیہ کو ان کے مصادر سے استنباط کرنے کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔

حنفی نقطہ نظر

الاجتهاد: بذل الطاقة من الفقيه في تحصيل حكم شرعي ظني [۵]

فقیہ کا ظنی حکم شرعی کو حاصل کرنے کے لیے اپنی تمام تر طاقت کو استعمال میں لانا اجتہاد کہلاتا ہے۔

مالکی نقطہ نظر

هي بذل الجهد و استفراغ الوسع في طلب الصواب [۶]

حق کی تلاش میں تمام تر کوشش کرنا تاکہ وسعت پیدا ہو سکے اجتہاد کہلاتا ہے۔

بذل الوسع في طلب صواب الحكم [۷]

صحیح حکم کی تلاش میں طاقت لگا دینا اجتہاد کہلاتا ہے۔

۱۔ علامہ حسن بن یوسف حلی، تہذیب الوصول الی علم الاصول، ط/۱، مؤسسہ امام علیؑ، لندن، ۱۳۸۰ھ، ص: ۲۸۳

۲۔ تحسین بدری، معجم مفردات اصول الفقه المقارن، ط/۱، المشرق للثقافه والنشر، قم، ۲۰۰۷ء، ص: ۱/ ۱۱۵

۳۔ المشکینی، مرزا علی، اصطلاحات الاصول و معظم ابحاثها، مطبع الهادی، قم، ۱۴۱۳ھ، ص: ۱۸

۴۔ بحر العلوم، محمد، الاجتهاد اصوله و احکامه، ط/۳، دار الزاهراء للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، ۱۹۹۱ء، ص: ۳۷

۵۔ عبد العلی، فواتح الرحموت، ص: ۲/ ۴۰۴

۶۔ ابن العربی، المحصول فی اصول الفقه، ص: ۱۵۲

۷۔ الباجی، الحدود، ص: ۶۴

فقیہ کی وہ انتہائی کوشش جو حکم شرعی کے بارے میں (کم از کم) ظنی کے حصول کے لیے ہو۔

بذل الطاقه من الفقيه فى تحصيل حكم شرعى ظنى[2]

مجتہد کا ظنی شرعی احکام کی تلاش میں اپنی بھرپور کوشش کرنا۔

الاجتهاد استفراغ الوسع فى طلب الظن بشئ من الاحكام الشرعية على وجه يحس من النفس العجزعن المزيد[3]

شرعی احکام میں کسی مسئلہ پر ظنی علم کے حصول کے لیے اتنا غور و فکر کرنا کہ مزید کوشش کے لئے انسان خود کو عاجز پائے۔

الاجتهاد استفراغ الفقيه الوسع لتحصيل ظن بحكم[4]

فقیہ کا اپنی پوری کوشش صرف کرنا تاکہ حکم شرعی پر ظن حاصل کیا جا سکے۔

الاجتهاد: فهو بذل الوسع فى بلوغ الغرض[5]

غرض تک پہنچنے کے لیے اپنی تمام کوشش کو خرچ کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔

حنبلی نقطہ نظر

الاجتهاد: استفراغ الفقيه وسعه لدرك حكم شرعى[6]

فقیہ کا حکم شرعی کو حاصل کرنے کے لیے اپنی تمام کوشش کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔

بذل الجهد فى فعل شاق[7]

درپیش مشکل کام پر تمام قوت لگا دینا اجتہاد کہلاتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی علمائے اصول نے اجتہاد کی تعریفیں بیان کی ہیں مگر ان کی بازگشت انہیں تعریفوں میں سے کسی ایک کی طرف ہوتی ہے ان تعریفوں کی روشنی میں اجتہاد عقلیات اور نقلیات دونوں کو شامل ہے۔ اسی طرح اجتہاد قطعیات اور ظنیات کو بھی شامل ہے ان تعریفوں کے بغور ملاحظہ سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۲۴۔ السبکی، قاضی القضاۃ تاج الدین عبدالوہاب بن علی السبکی، جمع الجوامع فی اصول الفقه، ط/۲، دارالکتب العلمیة، بیروت، ۲۰۰۳ء، ص:۱۱۷

۲۔ الغزالی، ابی حامد محمد بن غزالی، المستصفی من علم الاصول، مطبعہ الامیریة بولاق، قاہرہ ۱۳۲۴ھ، ج، ص ۲۶۲

۳۔ آمدی، سیف الدین آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، دارالکتاب العربی، ۱۹۸۶ء، بیروت، ص:۴/ ۱۶۹

۴۔ السبکی، تاج الدین عبدالوہاب بن علی، جمع الجوامع فی اصول الفقه، ط/ ۲، دار کتب العلمیه، بیروت ۲۰۰۳ء، ص:۱۱۸

۵۔ امام جوینی، عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد بن عبداللہ بن حیویة، الورقات، ط/ ۱، دارالصمیعی للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۶ء، ص:۱۸

۶۔ ابن النجار، شرح الکوکب المنیر، ص:۴/ ۴۵۸

۷۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقه، ص:۱۶۳

شرعی ہے۔

۲۔ اجتہاد کے لیے کی جانے والی کوشش شرعی دلائل کی روشنی میں ہونی چاہیے اور اس کو استنباط کے طریقے کے مطابق ہونا چاہیے۔

۳۔ اجتہاد ہر شخص کی کوشش کا نام نہیں ہے بلکہ جامع شرائط فقیہ جو احکام کو ان کی ادلہ سے حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے کوشش کا نام اجتہاد ہے۔

۴۔ کسی بھی حکم شرعی کی تلاش کے لیے کی جانے والی کوشش کا نام اجتہاد ہے اگر اس جستجو کا تعلق دیگر مسائل مثلاً طب سائنس وغیرہ سے ہو تو اسے لغوی لحاظ سے تو اجتہاد کہہ سکتے ہیں اصطلاحی معنوں میں نہیں۔

مجتہد

المجتهد فکل من اتصف بصفة الاجتهاد [۱]

ہر وہ شخص جو اجتہاد کی صفت سے متصف ہوتا ہے مجتہد کہلاتا ہے۔

المجتهد: الذی یجتهد و یبذل وسعه لتحصیل الاحکام الشرعیه من مصادرها ویمارس عملیة الاستنباط لا بد ان یکون حاملا لملکة الاجتهاد [۲]

مجتہد وہ ہے جو احکام شرعیہ کو ان کے مصادر سے حاصل کرنے کے لیے اپنی بساط کے مطابق کوشش کرتا ہے اسے استنباط کے طریقہ کا پتہ اور اجتہاد کا ملکہ بھی رکھتا ہو۔

تمام تعریفوں کی روشنی میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں

۱۔ علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مجتہد بننے کے لیے انسان کو اپنی پوری کوشش اور پوری طاقت خرچ کرنا پڑتی ہے۔

۲۔ اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ہر کوشش کرنے والے کو مجتہد نہیں کہا جاتا بلکہ اس کوشش کرنے والے کو مجتہد کہا جائے گا جو کسی شرعی حکم کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے۔

۳۔ مجتہد میں ملکہ اجتہاد کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اس ملکہ کی مدد سے اجتہاد کرے۔

مبحث دوم: اجتہاد کے بند ہونے کی وجوہات اور موجودہ دور میں اجتہاد کی ضرورت

اجتہاد کے بند ہونے کی وجوہات

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علماء نے اجتہاد کے لیے ایسی شرائط کیوں رکھیں جن کے نتیجے میں سرے سے اجتہاد کا دروازہ ہی بند ہو گیا مختلف علماء نے اس کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔

۱۔ علامہ ابن خلدون

یہ لکھتے ہیں چاروں مذاہب کے مدون ہونے سے ان کی تقلید عام ہو گئی ان کی اصطلاحات بکثرت قائم ہو گئیں جن کی وجہ سے اجتہاد تک پہنچنا بہت مشکل ہو گیا اس وقت یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی نااہل شخص فقہ میں کانٹ چھانٹ یا

۱۔ آمدی، الاحکام، ص:۴/۲۱۹

۲۔ آمدی، الاحکام، ص:۴/۳۹۷ تحسین البدری، معجم مفردات اصول الفقه المقارن، ص:۲۵۶

۲۔ علامہ اقبال

علامہ اقبال نے مسلم امہ پر جمود طاری ہونے اور اجتہاد کے نہ ہونے کی درج ذیل تین وجوہات بیان کی ہیں:

ا۔ معتزلہ کی عقل پرست تحریک نے امت مسلمہ کے ذہنوں میں جو انتشار پیدا کیا اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لیے قدیم طرز فکر کے علماء نے یہ قدم اٹھایا کہ شریعت کے قوانین کے اندر سختی پیدا کرلی جائے تاکہ ان علما کی رائے میں عقلیت کی انتشار انگیز تحریک کے مقابلے میں اجتہاد کا اجتماعی وجود باقی رہے۔

۲۔ فقہائے متقدمین کی لفظی حیلہ تراشیوں کے رد عمل میں رہبانی تصوف پیدا ہوا بہت سے بہترین قانونی استعداد رکھنے والے افراد ان میں شامل ہوگئے۔ اسلامی ریاست کی باگ ڈور کم پڑھے لکھے افراد کے ہاتھ میں آگئی۔ اسلام کا مدنیت والا پہلو لوگوں کی نظر سے اوجھل ہوگیا انہوں عافیت اسی میں سمجھی کہ کسی ایک مذہب کے مقلد ہو جائیں اور یوں اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔

۳۔ اسلامی دنیا کا فکری مرکز یعنی بغداد تباہ ہوگیا مسلمانوں نے فقہائے متقدمین کی قانونی تعبیرات کو برقرار رکھ کر اسلام کی اجتماعی ہئیت کو بچانے کی کوشش کی۔ وہ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تقلید فروغ پاگئی اور اجتہاد بند ہو گیا۔(۲)

۳۔ مولانا ابوالحسن ندوی

تاتاریوں کے حملے کے بعد مسلمان علماء نے اجتہاد کی راہ میں رکاوٹیں محسوس کیں جس میں حکام کی سختی، سیاسی وانفرادی مصلحتیں اور نفع سے زیادہ نقصان کا ہونا بعض اوقات اجتہاد دین میں تحریف اور اور امت کے جماعتی انحراف کا باعث بنا یہ سب وقتی تھا تاکہ فائدے کے حصول کی بجائے نقصان کو دور کیا جائے۔(۳)

اس پوری بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دین اسلام میں تحریف، حکام کی مداخلت اور دیگر کئی وجوہات کی بنا پر اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا تاکہ دین کو ہر قسم کی تحریف سے محفوظ کیا جائے جن لوگوں نے ائمہ اربعہ کی ہی تقلید کا کہا ان کا مقصد فقط دین کو تحریف سے بچانا تھا۔

موجودہ دور میں اجتہاد کی ضرورت

اب اس دور میں اس قسم کا کوئی مسئلہ باقی نہیں رہا جس کی وجہ سے اجتہاد کا سلسلہ روکا گیا تھا اب حکام علماء کے دینی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے اس لیے ضروری ہے کہ نئے پیش آنے والے مسائل کا حل نکالنے کے لیے اجتہاد کیا جائے۔ اب اسلامی معاشرے میں اجتہاد کی اشد ضرورت ہے لوگ اسلام پر عمل کرنا چاہتے ہیں اور اپنے ہر قسم کے مسئلہ کا حل دین سے پوچھتے ہیں مختلف درپیش مسائل کا شرعی حل پیش کرنا انتہائی ضروری ہے کچھ شرعی مسائل کو نئی تعبیر کے ساتھ جدید تقاضوں کے مطابق بہتر انداز میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ سب اسی صورت میں ممکن ہو گا جب اجتہاد کا دروازہ کھولیں گے اور ان مسائل کو نئے انداز میں حل کیا جائے گا ہم اجتہاد کی اہمیت کے حوالے سے چند علما کی آراء ملاحظہ کیجئے۔

ا۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، ص: ۳۹۰ عرفان خالد ڈھلوں، اسلام کا نظریہ اجتہاد، شریعہ اکیڈمی، شریعہ اکیڈمی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۸

۲۔ محمد سہیل عمر، خطبات اقبال نئے تناظر میں، ط/۳، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۴۲-۱۴۳

۳۔ فکر و نظر، اپریل جون ۱۹۸۷ء، مقالہ اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقاء از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص: ۸۰

ان کے نزدیک اجتہاد کو اس زمانے میں ترک کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں ہر نقصان عقل کے مہمل ہونے کی طرف جاتا ہے علم کے راستے کو بند کرنے کی طرف جاتا ہے فکری جمود کی طرف جاتا ہے اجتہاد کے ترک کرنے سے مسلمان ہر علم سے دور ہو گئے ہیں اور آج ان کی جو حالت ہو گئی ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔(۱)

۲۔ مولانا ابوالحسن ندوی

انہوں نے اجتہاد کی اس دور میں اہمیت کے پیش نظر لکھا ہے کہ اب اجتہاد کے دروازے کا کھولنا لازم ہو چکا ہے اور اصول فقہ میں درج شرائط کے ساتھ اجتہاد کا دروازہ کھل سکتا ہے۔(۲)

ان آراء کی روشنی میں ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت امت مسلمہ کے اجتہاد کی ضرورت ہے مخصوص حالات میں دین میں دخل اندازی کو روکنے کے لیے فقہائے کرام نے اجتہاد کے دروازے کو بند کر دیا تھا انہوں نے اسے ہمیشہ کے لیے بند نہیں کیا تھا مجتہدین کرام نے اپنے اپنے وقت کی ضرورتوں کے پیش نظر اجتہاد کیا اور ان کے یہ اجتہادات ان کو درپیش حالات وواقعات کے مطابق تھے آج ہمیں جن حالات کا سامنا ہے جس طرح سے ہر روز نئے مسائل سامنے آتے رہے ہیں اس کے پیش نظر یہ بات بہت ضروری ہے کہ اجتہاد کے دروازے کو پوری قوت کے ساتھ دوبارہ انہی شرائط کے ساتھ کھولا جائے تاکہ اسلام کی تعبیرات کو نئے تقاضوں اور حالات کے مطابق پیش کیا جائے۔

مبحث سوم: اجتہاد کی اقسام

اجتہاد کی اقسام

علمائے علم اصول نے مختلف اعتبار سے اجتہاد کو مختلف بنیادوں پر تقسیم کیا ہے۔

۱۔ موضوع اور دائرہ کار کے اعتبار سے اجتہاد کی اقسام۔

۲۔ مجتہد کے اعتبار سے اجتہاد کی اقسام۔

۳۔ حکم تکلیفی کے اعتبار سے اجتہاد کی اقسام۔

ان اقسام کی مختصر تفصیل ملاحظہ کیجئے

۱۔ موضوع اور دائرہ کار کے اعتبار سے اجتہاد کی اقسام۔

موضوع اور دائرہ کار کے لحاظ سے اجتہاد کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ اجتہاد مطلق

اس اجتہاد میں مجتہد کا دائرہ کار تمام ابواب فقہ تک پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ وہ تمام ابواب فقہ میں اجتہاد کر کے ادلہ شرعیہ سے مسئلہ کا شرعی حل پیش کرتا ہے اس کے اجتہاد کا دائرہ دین کے تمام مسائل کا احاطہ کیے ہوئے ہوتا ہے مجتہد انفرادی اور اجتماعی تمام قسم کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ ان مسائل کا تعلق ایمانیات، معاملات، عبادات، عقائد وغیرہ سے ہو سکتا ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا اجتہاد اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔(۳)

اجتہاد کا یہ انداز اجتہاد کے ابتدائی دور میں رائج تھا مجتہدین تمام ابواب فقہ میں ماہر ہوا کرتے تھے۔(۴)

۱۔ اسد حیدر، الامام الصادق و المذاہب الاربعۃ، ط/۴، مجمع جہانی اہلبیتؑ، قم، ۲۰۱۰ء، ص:۲/۱۶۲

۲۔ فکر و نظر، اپریل جون ۱۹۸۷ء، مقالہ اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقاء از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص:۸۰

۳۔ اللقانی، منار اصول الفتوی، ص:۱۹۳

۴۔ ابو زھرہ، محمد، ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ آراؤہ وفقھہ، دارالفکر العربی، قاہرہ، ۱۹۹۱ء، ص ۲۸۴

کے کچھ خاص ابواب کو منتخب کرتا ہے اور انہی مخصوص ابواب میں اجتہاد کرتا ہے موجودہ دور میں اجتہاد کی یہی قسم رائج ہے۔[1]

مجتہد کے اعتبار سے اجتہاد کی اقسام

مجتہد کے اعتبار سے اجتہاد کی درج ذیل اقسام بیان کی گئی ہیں

۱۔ اجتہاد مطلق

اجتہاد کی اس قسم میں اصول اور فروع میں اجتہاد کیا جاتا ہے یعنی مجتہد اپنے قواعد کی بنیاد پر اجتہاد کرتا ہے۔[2]
فقہ جعفری میں اجتہاد کی فقط یہ قسم اعتبار رکھتی ہے جس میں مجتہد اپنے استنباط کردہ قواعد کی روشنی میں اجتہاد کرتا ہے۔[3]

۲۔ اجتہاد منتسب

یہ اجتہاد فقط فروع میں ہوتا ہے اس میں مجتہد اپنے امام کے اصولی منہج کی پیروی کرتا ہے اس کا عمل اجتہاد امام کے قائم کردہ قواعد کی بنیاد پر انجام پاتا ہے۔

یہاں ایک بحث ہوتی ہے کیا امام کے قواعد کو بنیاد بنا کر کیے جانے والے اجتہاد کو اجتہاد کہا جائے گا یا اجتہاد نہیں کہا جائے گا وہ اس مسئلہ میں تین آراء ہیں اسے مجتہد منتسب بھی کہا جاتا ہے۔

پہلی رائے

حقیقت میں اس کا یہ عمل اجتہاد کہلائے گا بعض علمائے شافعیہ اس کے قائل ہیں۔

دوسری رائے

یہ اجتہاد و تقلید کا مجموعہ ہے یہ ایسا اجتہاد ہے جو تقلید کے مشابہ ہے کئی سے علمائے اصول کی یہی رائے ہے۔

تیسری رائے

یہ اجتہاد نہیں بلکہ تقلید محض ہے تمام حنبلی، اکثر حنفی اور بعض مالکی علمانے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

۳۔ اجتہاد تخریجی

اس میں عالم مجتہد کے دو اقوال میں سے ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے کیونکہ جس قول کو ترجیح دے رہا ہوتا ہے اس کی دلیل دوسرے قول سے قوی ہوتی ہے جیسا کہ تعریف سے ظاہر ہے اس قسم میں عالم کوئی استنباط نہیں کر رہا ہوتا اس لیے اس کو فی الواقع میں اجتہاد نہیں کہ سکتے ہیں اس کو تسامحا اجتہاد کہا جاتا ہے۔[4]

علامہ ابن کمال پاشانے دائرہ کار کے اعتبار سے مجتہد کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کی ہیں۔

۱۔ مجتہد مطلق مستقل

یہ وہ مجتہد ہوتا ہے جس کے اپنے اصول اجتہاد ہوتے ہیں یہ اپنے مقرر کردہ اصول و قواعد پر دلائل شرعیہ سے مسائل کے احکام کا استنباط کرتا ہے یہ مجتہد کسی فقہی مذہب کا بانی ہوتا ہے اور اصول و فروع میں کسی کی تقلید نہیں کرتا امام

۱۔ تحسین البدری، موسوعہ، ص:۱۳۰ شہزاد اقبال شام، اجتہاد ایک تعارف، ص:۱۵

۲۔ ابوزھرہ، ابوحنیفہ، ص:۲۸۴

۳۔ رضوانی، علی اصغر، اصول فقہ مقارن، ط/۱، انتشارات ذوی القربی، قم، ۱۳۷۸ سال ایرانی، ص:۳۳۸

۴۔ تحسین البدری، موسوعہ، ص:۱۳۲

ان پانچ فقہائے کرام کی فقہ ابھی باقی ہے ان کے علاوہ بھی بہت سے امام پیدا ہوئے مگر ان کا مذہب مرور زمانہ کے ساتھ متروک ہو گیا اور اب ان پر عمل کرنے والے موجود نہیں ہیں۔

۲۔ مجتہد فی المذہب

اسے مجتہد منتسب بھی کہا جاتا ہے یہ کوئی نیا مذہب تشکیل نہیں دیتا اور نہ ہی اپنے اصول و قواعد وضع کرتا ہے بلکہ اپنے امام کے وضع کردہ اصول و قواعد پر مسائل کا استنباط کرتا ہے اصول و قواعد میں اس کا اپنے امام سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا البتہ فروعی مسائل میں یہ کسی کا مقلد نہیں ہوتا بلکہ ذاتی رائے سے فروعی مسائل کا استخراج کرتا ہے مثلاً حنفی مذہب میں امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ مالکی مذہب میں امام ابن عبد البر اس کی مثالیں ہیں حنبلی مذہب میں کوئی مجتہد فی المذہب نہیں گذرا۔

۳۔ مجتہد فی المسائل

یہ مجتہد فقط ان مسائل میں اجتہاد سے کام لیتا ہے جس میں اسے امام صاحب کی کوئی رائے نہیں ملتی۔ اس میں مجتہد اصول و فروع میں اپنے امام کی پیروی کرتا ہے اور اس کی مخالفت نہیں کرتا اپنے مذہب کے قائم کردہ قوعد واصول کی روشنی میں نئے پیش آنے والے مسائل میں اجتہاد کرتا ہے مثلاً امام طحاوی امام سرخسی۔

۴۔ مجتہد مقید

یہ اپنے امام کے اصول و آراء کے پابند ہوتے ہیں ان میں اجتہاد والی صلاحیت نہیں ہوتی البتہ اپنے مذہب کے اصول، احکام کی حقیقت اور ان کی منشا کو اچھی طرح سمجھتے ہیں ان کا کام مجمل قول کی تفصیل کرنا مختلف جہات والے قول کی تعیین کرنا ہوتا ہے انہیں صاحب تخریج بھی کہا جاتا ہے امام جصاص امام ابن ھمام اس کی مثالیں ہیں۔

ان چار قسم کے افراد کا تعلق مجتہدین سے ہے علامہ ابن کمال پاشا نے مزید تین اقسام بھی بیان کی ہیں۔

۵۔ مجتہد ترجیح

ان فقہائے کرام کا کام فقط یہ ہوتا ہے کہ ان کے امام سے جو مختلف اقوال مروی ہیں دلائل کی بنا پر ان تمام اقوال میں سے افضل کی تعیین کرتے ہیں مثلاً علامہ قدوری کو اصحاب ترجیح میں شمار کیا گیا ہے۔

۶۔ اصحاب تمیز

یہ فقہاء قوی اور ضعیف روایت کے ظاہر اور نادر روایات کے فرق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور ان کو الگ کر لیتے ہیں ان کا فقط یہی کام ہوتا ہے۔

۷۔ مقلدین محض

یہ وہ لوگ ہیں جن میں مندرجہ بالا امور میں سے کسی بات کی صلاحیت نہیں ہوتی بلکہ جس قول کو جس طرح پاتے ہیں اسے اسی طرح نقل کر دیتے ہیں۔

ابن کمال پاشا کی اس درجہ بندی پر اعتراضات کیے گئے ہیں مثلاً اس درجہ بندی میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو دوسری قسم میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ صاحبین نے امام ابو حنیفہؒ کے اصول کی کثرت سے مخالفت کی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صاحبین نے دو تہائی مذہب میں امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے مگر احترام استاد میں ان کے اصولوں کے تابع رہے یہ اشکال بھی کیا گیا ہے کہ بعض علماء کو جن طبقات میں ذکر کیا گیا ہے وہ ان سے بلند مقام رکھتے ہیں علامہ طحاوی اور

حکم تکلیفی کے اعتبار سے اجتہاد کی پانچ اقسام ہیں

ا۔ اجتہاد واجب

کسی عالم میں وہ تمام خصوصیات موجود ہوں جن کا کسی مجتہد میں ہونا ضروری ہے وہ اجتہاد کی تمام شرائط بھی رکھتا ہو شرعی مسائل درپیش ہوں اور ان کے حل کے لیے اس مجتہد کے علاوہ کوئی اور مجتہد بھی موجود نہ ہو تو اس عالم پر اجتہاد کر کے ان شرعی مسائل کا شریعت کی روشنی میں حل بتانا واجب ہے اگر یہ مجتہد اجتہاد نہیں کرتا اور مسائل کا حل نہیں بتاتا تو ایسا مجتہد گناہگار ہے۔(۲)

امام غزالی نے کہا ہے اجتہاد اس وقت واجب عینی ہوتا ہے جب کسی سے مسئلہ پوچھا جائے اور سائل کسی اور سے مسئلہ پوچھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو اور اس کا وقت ختم ہونے کا خوف ہو تو اجتہاد واجب عینی ہوگا۔(۳)

ب۔ اجتہاد کفایہ

معاشرے میں اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے بہت سے افراد موجود ہیں جو اجتہاد کے اہل ہیں تو ہر شخص پر فردا فردا اجتہاد کرنا واجب ہے اور اگر ان مجتہدین میں سے کوئی ایک اجتہاد کو انجام دے دیتا ہے تو باقی تمام سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا اور اگر ان مجتہدین میں سے کوئی بھی اس فریضہ کو ادا نہ کرے تو سب گناہگار ہوں گے۔(۴)

امام غزالی نے کہا ہے جب حادثہ کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو دوسرا مجتہد موجود ہو جس سے سوال کر کے مسئلہ کو حل کیا جا سکتا ہو تو یہ واجب کفائی ہے۔(۵)

ج۔ اجتہاد مندوب

مستقبل میں پیش آنے والے مسائل کے حل کے لیے ان مسائل کے پیش آنے سے پہلے ان کے حل کے لیے کیا جانے والا اجتہاد اسی طرح مستقبل میں درپیش علمی و تحقیقی مسائل کے حل کے لیے عرق ریزی کرنا اجتہاد مندوب کہلاتا ہے کسی ایسے واقعہ کے بارے میں اجتہاد کرنا جو ابھی پیش نہیں آیا۔(۶)

د۔ اجتہاد مکروہ

ایسے مسائل جن کا ابھی وقوع پذیر ہونا ناممکن ہے اور مستقبل میں بھی ایسا کوئی احتمال موجود نہیں کہ ملت اسلامیہ ان مسائل سے دوچار ہوگی ان مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کرنا اور اپنی صلاحیتوں کو اس میں خرچ کرنا مکروہ ہے مثلاً مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یقین رکھنا ایمان کا حصہ ہے اس وقت زندہ ہونے کی کیفیت کیا ہوگی اس کا وقت کیا ہوگا یہ جسمانی زندگی ہوگی یا روحانی زندگی ہوگی یہ اجتہاد وقت کا ضیاع اور انسانی صلاحیت کے لیے زہر قاتل ہے۔

اجتہاد حرام

ا۔ ابوزہرہ، محمد، ابن تیمیہ حیاتہ و عصرہ و آرائہ، دارالفکر العربی، قاہرہ، ۱۹۹۱ء، ص:۶۶۳ عرفان خالد ڈھلوں، اسلام کا نظریہ اجتہاد، ص:۴۳-۴۵ محققین کی جماعت، فرہنگ نامہ اصول الفقہ، پژوهشگاه علوم و فرہنگ اسلامی، قم، ۲۰۱۲ء، ص:۶۷ المشکینی، اصطلاحات الاصول، ص:۱۹ الحفناوی، محمد ابراہیم، مصطلحات الفقهاء و الاصولیین، ط/۳، دارالسلام للطباعة و النشر والتوزیع والترجمہ، قاہرہ، ۲۰۰۹ء، ص:۱۳-۱۶

۲۔ شہزاد اقبال شام، اجتہاد ایک تعارف، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص:۱۶

۳۔ غزالی، المستصفی من علم الاصول، ص:۱/ ۳۶۲

۴۔ شہزاد اقبال شام، اجتہاد ایک تعارف، ص:۱۶

۵۔ غزالی، المستصفی من علم الاصول، ص:۱/ ۳۶۲

۶۔ غزالی، المستصفی، ص:۱/ ۳۶۳ شہزاد اقبال شام، اجتہاد ایک تعارف، ص:۱۷

انجام دینے والا گناگار ہے اجتہاد کی یہ قسم آج کل بہت زیادہ ہو چکی ہے جو امور قرآن و سنت میں بالکل طے ہوں ان سے انحراف یا اس کو نئے انداز میں مسائل بنا کر پیش کرنا پھر خود ساختہ حل نکال کر اسے اجتہادی کوشش کا نام دینا یہ حرام ہے دلیل قطعی کے مقابلے میں کیا جانے والا اجتہاد اجتہاد حرام کہلاتا ہے۔[1]

ا۔ غزالی، المستصفی، ص:۱/ ۳۶۳شہزاد اقبال شام، اجتہاد ایک تعارف، ص:۱۶-۱۷

مبحث اول: دلیل کا مفہوم

مبحث دوم: دلیل کی اقسام

دلیل کا لغوی مفہوم

الدلیل ما یستدل به[1]

وہ چیز جس کے ذریعے استدلال کیا جاتا ہے اسے دلیل کہتے ہیں۔

دلیل فی اللغة هو المرشد الی المطلوب [2]

وہ چیز جو مطلوب تک پہنچادے دلیل کہلاتی ہے۔

دلیل وہ چیز ہے جو کسی حسی یا معنوی چیز کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ حسی کی مثال جیسے کہا جاتا ہے هذا الرجل دلیل الرکب ای هادیهم الی الطریق یہ مرد یہ شخص دلیل الرکب ہے یعنی راستے کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے معنوی کی مثال جیسے کہا جاتا ہے هذا الرجل دلیل الخیر ای المرشد الیه یہ شخص خیر کی نشانی ہے یعنی خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے[3]

دلیل کا اصطلاحی مفہوم

جعفری نقطہ نظر

ما یمکن ان یوصل بصحیح النظر فیه الی العلم بمطلوب خبری[4]

جس میں صحیح طرح سے غور کرنے پر آدمی خبر کے مطلوب تک پہنچ سکے

حنفی نقطہ نظر

وهو ما یمکن ان یتوصل به الی العلم بمطلوب خبری[5]

وہ جس کے ذریعے مطلوب خبری کا علم حاصل ہو سکے۔

مالکی نقطہ نظر

ما یمکن التوصل بصحیح النظر فیه الی مطلوب خبری[6]

جس میں صحیح طرح سے غور کرنے پر آدمی خبر کے مطلوب تک پہنچ سکے۔

الباجی مالکی کے مطابق دلیل حواس کی مدد سے غائب مطلوب تک رہنمائی کرے۔ صحیح دلیل وہ ہوتی ہے جس کے ذریعے استدلال کیا جائے تو وہ مطلوب تک پہنچا دیتی ہے استدلال نہ کیا جائے تو نہیں پہنچاتی کائنات کا محدث ہونا اس بات کی دلیل

۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ص:۵/ ۲۹۱

۲۔ ایضاص:۵/ ۲۶۴ تاج العروس، ص:۱/ ۳۳۱

۳۔ احمد محمود الشافعی، اصول الفقه الاسلامی، ط/ ا، موسسة الثقافیة لجامعیة الاسکندریه، ۱۹۸۳ء، ص:۲۵

۴۔ السنان، الشیخ الحلمی، اسس الاستنباط نظریة التوسعه والتضییق، ط/ ا، مطبع العلمیه، قم، ۱۴۱۸ھ، ص:۱۲

۵۔ هیثم هلال، معجم مصطلح الاصول، ط/ ا، دار الجبل للنشر والطباعة والتوزیع، بیروت، ۲۰۰۳ء، ص:۱۵۰

۶۔ اللقانی، المنار اصول الفتوی، ص:۱۳۵ دکتور فادیغا موسی، اصول الفقه الامام المالك و ادلته العقلیه، دار التدمیریه الریاض، ۲۰۰۷ء، ص:۱/ ۵۲

شافعی نقطہ نظر

مایمکن التوصل بصحیح النظرفیه الی مطلوب خبری[2]
جس میں صحیح طرح سے غور کرنے پر آدمی خبر کے مطلوب تک پہنچ سکے۔

الدلیل : الذی یمکن ان یتوصل بصحیح النظر الی بمطلوب الخبری[3]

جس میں صحیح طرح سے غور کرنے پر آدمی خبر کے مطلوب تک پہنچ سکے۔

حنبلی نقطہ نظر

الدلیل : مایمکن التوصل النظرفیه الی مطلوب خبری[4]

یعنی دلیل وہ چیز ہے جس کے ذریعے خبر کے مطلوب کا علم ہو سکتا ہے۔
یہاں پر ہم فقط اس تعریف کی تشریح کرتے ہیں جسے جمہور علمانے اختیار کیا ہے۔
ما: تعریف میں لفظ ما سے مراد شئ ہے
یمکن التوصل به: تعریف میں یمکن التوصل بہ سے مراد یمکن الوصول یعنی جس کے ذریعے سے پہنچنا ممکن ہے
بصحیح النظر: اس سے مراد یہ ہے کہ جب درست انداز میں صحیح طریقے سے دیکھا جائے گا تو انسان کا ذہن اس مطلوب تک پہنچ جائے گا۔
مطلوب خبری: اس سے مراد وہ معنی ہے جسکی طرف دلیل لیکر جائے گی اس قید کے ذریعے مطلوب تصوری سے بھی احتراز کیا گیا۔
ان تمام تعریفوں کی روشنی میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔
۱۔ دلیل وہ چیز ہے جسے اگر درست انداز میں استعمال کیا جائے تو وہ مطلوبہ مقام تک پہنچا دیتی ہے اور دلیل کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ مدعا کو ثابت کر دے اور دلیل ہوتی ہی وہ ہے جو مدعا کو ثابت کر دے۔
۲۔ حنفی فقہا کی تعریف میں یہاں مطلوب خبری سے پہلے علم کی قید ہے اس کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ دلیل فقط وہ کہلائے گی جس کا نتیجہ علم ہو جو علم تک پہنچا دے جو ظن تک پہنچائے وہ دلیل نہیں ہو گی بلکہ اسے امارہ کہا جائے گا۔

مبحث دوم: دلیل کی اقسام

علمائے اصول الفقہ نے شرعی دلائل کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ۱۔ منقول دلائل ۲۔ عقلی دلائل
۱۔ منقول دلائل

۱۔ الباجی، الحدود، ص:۳۸
۲۔ آمدی، الاحکام، ص:۱/ ۱۱ ابراھیم اللقانی، المنار اصول الفتوی، ص:۱۳۵
۳۔ آمدی، الاحکام، ص:۱/ ۹
۴۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۱/ ۵۲

ہوتا ہے جیسے قرآن، سنت، قول صحابی، شرع ماقبلنا اور عمل اہل مدینہ اس کی مثالیں ہیں۔

۲۔ عقلی دلائل

ان ادلہ کو عقل سے حاصل کیا جاتا ہے مجتہد کی کوشش سے یہ ادلہ وجود میں آتی ہیں جیسے قیاس، استحسان، مصالح مرسلة، عرف، استصحاب اور استقراء اس کی مثالیں ہیں۔

یہ دونوں اقسام اپنے حکم پر دلالت کے لیے ایک دوسرے کی محتاج ہیں منقولات سے حکم کو اخذ کرنے کے لیے عقل کی ضرورت پڑتی ہے عقل کی مدد سے درست منقول کا پتہ چلتا ہے اسی طرح ادلہ عقلیہ کے ذریعے اس وقت تک صحیح استدلال نہیں کیا جاسکتا جب تک ان کا استناد منقول کی طرف نہ کیا گیا ہو کیونکہ عقل محض کو تشریع کا حق حاصل نہیں ہے پس ضروری ہے کہ احکام شرعیہ تک پہنچنے کے لیے نقل عقل کی رہنمائی کرے۔[1]

علم اصول الفقہ میں ادلة نقلية اور عقلية سے بحث کی جاتی ہے ہر قسم کی دلیل علم اصول فقہ میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے عقل کے ذریعے ہی نقلی دلیلوں سے استفادہ ممکن ہوتا ہے اور نقلی دلیلوں کی رہنمائی میں عقل کام کرتی ہے۔

امام غزالی نے اس کو بہترین الفاظ میں بیان کیا ہے عقل منقول سے بے نیاز نہیں ہوسکتی اسی طرح منقول عقل سے بے نیاز نہیں ہوسکتی عقل کو مکمل طور پر ترک کرکے تقلید محض کرنا جہالت ہے اور قرآن و سنت کے نور کو چھوڑ کر فقط عقل سے استفادہ کرنا غرور ہے۔[2]

علمائے کرام نے شرعی دلائل کو قابل قبول ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے یوں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ وہ دلیلیں جن پر آئمہِ مسلمین نے اتفاق کیا ہے وہ قرآن و سنت ہیں۔

۲۔ وہ دلائل جن پر جمہور علما نے اتفاق کیا ہے وہ اجماع اور قیاس ہیں۔

۳۔ وہ دلیلیں جن پر مسلمان علما نے اختلاف کیا ہے قول صحابی، شرع من قبلنا، استصحاب العدم، استصحاب الحکم السابق، استصلاح، عرف، الحیله، سدذرائع، العدم الاصلی، البراة الاصلية، الاباحة العقلية[3]

علامہ آمدی نے دلیل شرعی کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

دلیل شرعی یا تو رسولؐ سے وارد ہوئی ہوگی یا وارد نہیں ہوئی گی اگر وارد ہوئی ہوگی تو اس کی دو قسمیں ہیں یا تو اس کی تلاوت کی جاتی ہوگی یا تلاوت نہیں کی جاتی ہوگی۔

۱۔ اگر اس دلیل کی جو نبی اکرمؐ سے وارد ہوئی تلاوت کی جاتی ہو تو وہ قرآن ہے۔

۲۔ اور اگر اس نبی اکرمؐ سے وارد اس دلیل کی تلاوت نہیں کی جاتی تو وہ سنت ہے۔

جو دلیل نبی اکرمؐ سے وارد نہیں ہوئی۔

۳۔ اب اگر اس دلیل میں از جہت صدور عصمت شرط ہے تو یہ اجماع ہوگا۔

۴۔ اگر از جہت صدور عصمت شرط نہیں ہے تو بلکہ ایک معلوم کو دوسرے معلوم پر قدر جامع کی وجہ سے حمل کیا جارہا ہے تو قیاس ہے۔

۱۔ فادیغا، اصول الفقہ، ص:۱/ ۵۳

۲۔ غزالی، احیاء علوم الدین، مطبع کریاطہ فوترا، سمارغ، انڈونیشیا، سال اشاعت ندارد، ص:۳/ ۱۶

۳۔ ابی اسلام، التاسیس فی اصول الفقہ، ص:۴۲۸

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کیا جو چیز ظن آور ہے وہ دلیل ہو گی یا نہیں گی کیونکہ علامہ آمدی نے دلیل کی تعریف میں علم کی قید لگا دی ہے اور جہاں ظن ہوتا ہے وہاں علم نہیں ہوتا ہے علمائے علم اصول کا کہنا ہے جو چیز علم کا فائدہ دے یا ظن کا فائدہ دے دلیل ان دونوں کو شامل ہے یہاں علما اصول کی آراء کو ذکر کرتے ہیں۔

علامہ الباجی المالکی

علامہ الباجی کہتے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ جو علم تک پہنچائے وہ دلیل ہے اور جو ظن تک پہنچائے وہ امارہ ہے۔ یہ تقسیم درست نہیں ہے اس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

علامہ عفیفی

علامہ عفیفی کہتے ہیں کہ یہ تقسیم فقط ایک رائے ہے اس کا اعتناء کسی نے نہیں کیا جب عملی طور پر مقام تطبیق میں آتے ہیں تو شبھہ کے لیے بھی لفظ دلیل کا استعمال کرتے ہیں۔(۲)

علامہ حافظ ابن الصلاح

یہ کہتے ہیں کہ فقہاء مطلوب ظنی پر اسی طرح دلیل کا اطلاق کرتے ہیں جس طرح بطور قطع حاصل ہونے والے مطلوب پر دلیل کا اطلاق کرتے ہیں۔(۳)

علامہ ابن حلولو مالکی

انہوں نے اس مطلب کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ متکلمین کی نظر میں دلیل وہ ہے جو علم تک پہنچائے مگر فقہا کے ہاں دلیل صرف وہ نہیں جو علم تک پہنچائے بلکہ فقہا کہ وہ بھی دلیل ہے جو ظن کا تک پہنچائے فقہا اس پر بھی عمل کرتے ہیں اور اسے دلیل میں شامل کرتے ہیں۔(۴)

ابن العربی

انہوں دلیل کی تعریف ہی ان الفاظ میں کی کہ جو واقعی طور پر مطلوب تک پہنچا دے۔(۵)

اب یہ مطلوب تک بطریق قطع پہنچائے بہت اچھی بات ہے اور اگر بطور قطع نہ پہنچائے بطور ظن پہنچائے تو بھی مطلوب حاصل ہو جاتا ہے جب مطلوب حاصل ہو جاتا ہے تو جو مطلوب تک پہنچائے وہی دلیل کہلاتی ہے۔

شیخ تلمسانی

یہ دلیل کی بحث میں فرماتے ہیں کہ دلیل اسے کہتے ہیں جسے صحیح استعمال کرنے سے انسان خبر کے مطلوب تک قطعی یا ظنی طور پر پہنچ جاتا ہے آمارہ، اخبار آحاد، قیاس، استحسان اور قول صحابی کو دلیل بطور ظن شامل ہے اس کے علاوہ دلیل ان تمام موارد کو بھی شامل ہے چاہے ان پر علما متفق ہوں یا ان میں ان کی حیثیت میں اختلاف پایا جاتا ہو۔(۶)

ڈاکٹر فادیغا موسی

انہوں نے بہت اچھا تجزیہ کیا ہے فرماتے ہیں یہ قول کہ استصحاب، ذرائع اور عرف میں سے کوئی بھی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ قواعد فقھیہ ہیں تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کو دلیل نہ ماننا جمہور علمائے اصول کی رائے کے خلاف ہے فقھاء

۱۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/ ۲۲۷،۲۲۶

۲۔ دکتور فادیغا موسی، اصول فقه، ص:۱/ ۵۲

۳۔ ابن الصلاح، حافظ ابی عمر عثمان بن عبد الرحمن، شرح الورقات، ط/ ۲، مکتبۃ نزار مصطفی الباز، مصر، ۲۰۰۷ء، ص:۱۳۵

۴۔ ابن حلولو، الضیاء الامع، ص:۱/ ۲۵۹

۵۔ ابن العربی مالکی، المحصول فی اصول الفقه، ص:۲۱

۶۔ تلمسانی، نفائس الاصول، ص:۱/ ۲۴

[illegible]
دلیل، مصدر اور اصل کہہ سکتے ہیں مصدر اس اعتبار سے کہ فقیہ ان سے حکم حاصل کرتا ہے اصل اس اعتبار سے کہ فقیہ حکم کی بنیاد ان پر رکھتا ہے اور دلیل اس اعتبار سے کہ یہ اصولی کے لیے دلیل ہیں ان کے ذریعے اصولی اس حکم تک پہنچ جاتا ہے جس کا استنباط کرنا چاہ رہا ہوتا ہے۔[1]

ان تمام اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علمائے علم اصول جس طرح یقین آور چیز پر دلیل کا اطلاق کرتے ہیں بالکل اسی طرح ظن آور پر بھی دلیل کا اطلاق کرتے ہیں اس لیے دونوں کو دلیل کہا جائے گا اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ چیز ظن کا فائدہ دیتی ہے یا قطع کا فائدہ دیتی ہے بعض علمائے اصول نے یہ فرق کیا ہے کہ جو یقین تک پہنچا دے وہ دلیل ہے اور جو ظن تک پہنچائے وہ دلیل نہیں ہے حقیقت کے قریب رائے یہی ہے کہ دلیل کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے اور یہ درست ہے۔

۱۔ دکتور فادیغا موسی، اصول فقہ، ص:۱/ ۵۸

فصل چہارم: مسلک اور مشترکہ کا مفہوم اور مشترکات کی اہمیت

مبحث اول: مسلک

مبحث دوم: مشترکات کا مفہوم اور اہمیت

مسلک کا لغوی مفہوم

مسلک عربی زبان کا لفظ ہے اسے کلمہ "سلک" سے اخذ کیا گیا ہے یعنی اس کے بنیادی حروف جن کی تصریف سے یہ کلمہ وجود میں آیا ہے وہ "سلک" ہے اور مسلک اسم مکان ہے۔

مشہور لغت دان ابن منظور افریقی اور خلیل فراہیدی مسلک کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا معنی طریق یعنی راستہ ہے وہ راستہ جس پر چلا جاتا ہے۔(۱)

مسلك من مرادفات المذهب(۲)

مسلک مذہب کے مترادفات میں سے ہے۔

المسلك: الطريق - جمع: مسالك(۳)

مسلک راستے کو کہتے ہیں اور اس کی جمع مسالک ہے۔

اردو لغات میں

مشہور اردو لغت فرہنگ آصفیہ میں مولوی سید احمد دہلوی اور مہذب اللغات میں مہذب لکھنوی نے مسلک کے جو معانی بیان کیے گئے ہیں ہم ان کو دو گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا گروہ: مسلک کے معنی راستہ، راہ، چلنے کی جگہ بیان کیا گیا ہے بقول شاعر

ہے یہ مسلک تسلیم و رضا
ہیں اسی راہ پہ سب اہل صفا

دوسرا گروہ: مسلک کے معنی طریقہ، قاعدہ اور دستور بیان کیا گیا ہے جیسے شاعر کا یہ شعر

کرتا ہے مثل چرخ زمانہ پائمال
مسلک جو پیر کا وہ چلن ہے مرید کا(۴)

ظفر اللغات اور فیروز اللغات میں ہے کہ مسلک کا قاعدہ، طریقہ اور دستور کے معنی میں استعمال ہونا عام ہے جیسے کہا جاتا ہے گوتم بدھ کا مسلک یعنی گوتم بدھ کا طریقہ، قاعدہ اور دستور جس کی اس نے تعلیم دی جس پر وہ چلا۔(۵)

ان تمام لغوی معانی کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں کہ:

۱۔ عربی لغت دانوں نے مسلک کے معنی راستے اور طریقے کے بیان کیے ہیں جن پر چلا جاتا ہے۔ بعض نے یہ کہا کہ یہ مذہب کے مترادفات میں سے ہے۔

۱۔ خلیل الفراہیدی، ترتیب کتاب العین، ط/۱، تحقیق الدکتور ابراہیم، انتشارات اسوہ مطبع باقری، قم، ۱۴۱۴ھ، ص:۲/۴۵۷

۲۔ تحسین البدری، معجم مفردات اصول الفقه المقارن، ص:۲۶۹

۳۔ ڈاکٹر امیل بدیع یعقوب، المعجم المفصل فی الجموع، ط/۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۴ء، ص:۴۲۰

۴۔ مہذب لکھنوی، مہذب اللغات، محافظ اردو بک ڈپو، لکھنو ۱۹۸۱ء، ص:۱۲/۱۷۵ مولوی سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ط/۲، ترقی اردو بیورو نئی دہلی ۱۹۸۷ء، ص:۳/۲۱۰۷

۵۔ فیروز اللغات، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ص:۲۳۴ میاں بہادر شاہ کاکا خیل، ظفر اللغات، یونیورسٹی بک ایجنسی، پیشاور، ص:۵

اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ طریقہ، وہ قاعدہ یا وہ دستور جو امام جعفر صادقؒ نے قرآن و سنت سے اخذ کر کیا ہے اسی طرح مسلک حنفی ہماری مراد ان کے طریقے، قواعد اور دستور ہیں۔

یہاں مسلک سے مراد وہی ہے جو ان معانی میں بیان کر دی گئی ہے مگر عربی میں جو مسلک کا معنی مذہب کا مترادف بیان کیا گیا یہ ہمارے نقطہ نظر کو زیادہ بہتر انداز میں واضح کرتا ہے کیونکہ ہم کسی زمینی راستے کی بات نہیں کرتے بلکہ ہماری اس مراد مذہب ہوتا ہے البتہ یہ بات درست ہے کہ مذہب بھی وہ راستہ ہوتا ہے جس پر چلا جاتا ہے اور مسلک کی بھی وہی راستہ ہے جس پر چلا جاتا ہے اردو معانی میں بھی دوسرا معنی ہماری مراد کو بہتر انداز میں بیان کر رہا ہے جو طریقہ اور دستور ہے جب ہم کہتے ہیں اسلامی مسلک تو اس سے مراد اسلامی دستور ہوتا ہے اسلامی طریقہ ہوتا ہے۔

مبحث دوم: مشترکات کا مفہوم اور اہمیت

یہ کلمہ عربی الاصل ہے اسے کلمہ "شرک" سے اخذ کیا گیا ہے یہ باب افتعال سے اسم مفعول ہے۔

یہ کلمہ اردو زبان میں بھی مستعمل ہے، اردو لغات میں اس کے مندرجہ ذیل معانی ذکر کیے گئے ہیں شریک کی گئی، شریک، مشمولہ، شرکت کیا ہوا، ساجھے کا، شرکت والا، ملا ہوا اور مخلوط۔[1]

اور اسی طرح بعض لغات نے یہ معانی بھی ذکر کیے ہیں اشتراک کیا گیا، شریک کیا گیا، ایسی چیز جس میں دو یا دو سے زیادہ شریک ہوں جیسے کہا جاتا ہے طریق مشترک کہ مشترکہ راستہ جس پر سب چلتے ہوں[2]

جیسے مشترکہ گھر مشترکہ سواری اور اسی طرح مُشْتَرَکُ الْخَیال ہم خیال لوگوں کو کہا جاتا ہے یعنی جن لوگوں کے خیالات باہم ملتے ہوں سانجھا، شامِل، اِکَٹھّا یہ مشترک کے مترادفات ہیں۔

اس وضاحت سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مشترک وہ چیز جس میں کچھ لوگ باہم شریک ہوں اس سے مل کر استفادہ کرتے ہوں یہ چیز ان دونوں میں ایک قدر جامع کی حیثیت رکھتی ہو یہاں پر جو مثال ذکر ہوئی کہ ہماری جھگیاں تو دو تھیں مگر ان دونوں کے باہر جانے کا راستہ مشترک تھا یہ بہت اعلی مثال ہے کیونکہ تمام اسلامی مسالک کی الگ الگ شناخت ہے مگر تمام کے تمام جن دلیلوں کی بنیاد پر اپنے مسالک کی بنیاد رکھتے ہیں وہ سب میں مشترک ہیں سب قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں سب سنت کو منبع قرار دیتے ہیں مگر ان سے استفادے کا طریقہ کار الگ الگ ہوتا ہے بالکل اسی طرح جیسے دروازہ تو مشترک ہوتا ہے مگر ضروری نہیں کہ جیسے ایک فریق استعمال کرتا ہے دوسرا بھی اسی طرح کرے مگر دروازہ تو مشترک ہے ان ادلہ کی مثال بھی بالکل یہی ہے ہر مسلک اپنے اپنے قواعد کے مطابق ان سے استفادہ کرتا ہے مگر سب استفادہ انہی سے کرتے ہیں۔

انسانی معاشرے میں بہت سے مذاہب اور نظریات پائے جاتے ہیں ایک شہر، گاوں، محلے حتی ایک گھر میں مختلف عقائد اور نظریات کے حامل لوگ موجود ہوتے ہیں ایک پیمانہ تو یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کا تعارف اس اختلاف کی بنیاد پر کرائیں جو کہ ایک حقیقت بھی ہے اس کا نتیجہ بھی اختلاف کی صورت میں ہی سامنے آئے گا اس طرح معاشرہ عدم استحکام کا شکار ہو جائے گا آج دنیا میں ہونے والی لڑائیوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو ان میں سے اکثر لڑائیاں انہی اختلافات کا نتیجہ ہیں کہیں قبائلی تعصب کی بنیاد پر انسانیت کا خون بہایا جارہا ہے کہیں اہل مذہب صرف مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے

۱۔ مہذب لکھنوی، مہذب اللغات، ص:۱۲/ ۱۹۰ فیروز اللغات، ص:۲۳۵

۲ ابو الفضل، مولانا عبد الحفیظ بلیلاوی، مصباح اللغات، سعید کمپنی، کراچی ۱۹۸۱ء، ص:۴۳۰

یہ جنگیں یہ لڑائیاں ان اختلافات کو ابھارنے اور ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے نتیجہ میں جنم لیتی ہیں اختلافات کی بجائے مشترکات کی بات کی جاتی اور انہیں معاشرے میں عام کیا جاتا تو آج انسانی معاشرہ اس بد امنی کا شکار نہ ہوتا قبائل کے نام پر جنگ و جدال کا بازار گرم کرنے والوں کو بتایا جاتا کہ اصل قبیلہ تو حضرت آدم علیہ السلام کا ہے ہم سب اس کے افراد ہیں۔

الناس بنو آدم و آدم من تراب (۱)

تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا۔

یا أیھا الناس: إن ربکم واحد، وإن أباکم واحد، ألا لا فضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی علی عربی، ولا لأحمر علی أسود، ولا لأسود علی أحمر إلا بالتقوی (۲)

اے لوگو تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے آگاہ رہو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اسی طرح کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوی کی (وجہ سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔

﴿یا أَیُّھَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِندَ اللّٰہِ أَتْقَاکُمْ إِنَّ اللّٰہَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ﴾ (۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک یقیناوہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے، اللہ یقیناخوب جاننے والا، باخبر ہے۔

یعنی قبائل میں تقسیم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے تم پہچانے جاو پہچان تعارف کا ذریعہ ہوتی ہے لڑائی کی وجہ نہیں ہوتی قرآن مجید اسی وحدت کی طرف دعوت دیتے ہوئے غیر مسلموں سے کہتا ہے۔

﴿قُلْ یا أَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ﴾ (۴)

کہدیجیے: اے اہل کتاب! اس کلمے کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔

اسلام نے انسانی معاشرے کی وحدت اور ترقی کے لیے اس میں امن و آشتی کے لیے اس میں پائے جانے والے مشترکات کی بنیاد پر تین قسم کے بھائی چارے کا تصور پیش کیا ہے۔

۱۔ امام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، ط/۲، تحقیق شعیب الارنوط، موسسہ الرسالہ، بیروت، طبع الثانیہ ۲۰۰۸ء، ص: ۱۴/ ۳۴۹

۲۔ ابن حنبل، مسند، ص: ۳۸/ ۴۷۴

۳۔ سورۃ احزاب: ۴۹/ ۱۳

۴۔ سورۃ آل عمران ۳/ ۶۴

اسلام نے تمام انسانوں کو حضرت آدم اور حوا کی اولاد ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔ رنگ نسل زبان کی بنیاد پر اختلاف کی نفی کی ہر انسان کو زندہ رہنے حق دیا ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے اپنے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حق دیا اسلام میں ریاست مدینہ کے نام سے جو پہلی ریاست قائم ہوئی اس میں یہودی، ہندو اور عیسائی موجود تھے ان کو اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے شادی بیاہ کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی یہ تمام حقوق بطور انسانی بھائی چارہ کے تمام لوگوں کو حاصل ہیں اسلام نے ڈوبتے کی جان بچانا فرض قرار دیا ہے اس میں یہ نہیں کہا وہ ڈوبنے والا مسلمان ہو تو بچاو ورنہ نہ بچاو حضرت علیؑ، حضرت مالک اشترؓ کے نام لکھے گئے، مشہور خط میں ارشاد فرماتے ہیں لوگوں کی دو قسمیں ہیں یا تو تجھ جیسی مخلوق ہیں یا تیرے دینی بھائی ہیں اس فرمان سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ہر انسان کو بطور انسان اسلام نے عزت و تکریم دی ہے[1]۔

۲۔ علاقائی بھائی چارہ

اسلام نے علاقائی تعصبات کی نفی کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے لیکن اسلام علاقائی حیثیت سے انسانی معاشرے کو آپس میں جوڑتا ہے اسی لیے آپؐ کا ارشاد ہے جس کا ہمسایہ بھوکا ہو اور وہ سیر ہو کر رات گزارے وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا جس بستی میں کوئی شخص بھوکا ہو کر رات گزارے خداوند عالم قیامت کے دن تمام بستی والوں کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔[2]

یہ علاقائی بھائی چارے کی ایک اعلی مثال ہے اسی طرح انفاق کرنے کے بارے میں حکم دیا تو یہ کہا کہ پہلے اپنے پڑوسیوں سے آغاز کرو مستحق نہ ملے تو محلے میں دیکھو محلے میں نہ ملے تو شہر میں دیکھو یہ کہیں نہیں کہا کہ پڑوسی مسلمان ہو تو اس کا خیال رکھو کافر ہو تو چھوڑ دو یا انفاق کرتے وقت کافر کو نہ دو۔

۳۔ اسلامی بھائی چارہ

اسلام تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیتا ہے اور تمام مسلمانوں کو مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کا ساتھ دینے کی تلقین کرتا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہوتا ہے۔

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾[3]

مومنین تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اس کے پر عمل کے نتیجہ میں ہی مسلمانوں کو بہترین امت قرار دیا گیا ہے مسلمانوں کی مثال جسد واحد کی ہے جب کسی ایک حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے اسی طرح اسلام نے علاقہ، مذہب اور انسانیت جیسے مشترکات کو بنیاد بناتے ہوئے تمام بنی نوع انسان کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا ہے۔

ہمارا موضوع بھی انہیں مشترکات کو معاشرے میں عام کرنا ہے جیسا کہ مشترک کے معنی میں بیان کیا گیا جس میں دو یا دو سے زیادہ لوگ شریک ہوں ہمارا موضوع ایسی مشترکہ ادلہ کے متعلق ہے جن کو استعمال کر کے تمام اسلامی مسالک شریعت اسلامی کے احکام کو اخذ کرتے ہیں ہم نے ان ادلہ کو تفصیل سے بیان کرنا ہے جن میں تمام مسالک میں اشتراک پایا جاتا ہے مشترک کے معنی کو بیان کرتے ہوئے بہت اچھی مثال دی کہ دونوں کے گھر الگ الگ تھے مگر ان کا

۱۔ نہج البلاغہ، تحقیق ڈاکٹر صبحی الصالح، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، طبع ثالثہ ۱۹۸۳ء، ص:۴۲۷

۲۔ محمدی رے شہری، مترجم محمد علی فاضل، میزان الحکمۃ، ط/۲،، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص:۲/۳۱۰

۳۔ سورۃ الحجرات:۴۹/۱۰

حاصل کرتی ہے۔

اسلامی مسالک میں باہمی اختلافات کی تعداد بہت کم ہے اس کے مقابل مشترکات کی تعداد بہت زیادہ ہے ان اختلافات کو اتنا زیادہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسا لگتا ہے اسلامی مسالک میں بہت زیادہ باہمی اختلافات پائے جاتے ہیں اس حوالے سے مشترکات کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے ایسے حالات میں کہ جب اسلام دشمن قوتیں ان اختلافات کو بڑھاوا دے رہی ہیں مشترکات کو بیان کرنے کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے ان مشترکات کو معاشرے میں زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے تاکہ معاشرے میں بڑھتی ہوئی مسلکی تفریق کو ختم کیا جاسکے مشترکات کی بنیاد پر وحدت امت کی فضا کو قائم کیا جائے۔

ادلہ مشترکہ سے مراد وہ دلائل ہیں جن سے تمام مسالک اسلامی احکام کو اخذ کرتے ہیں کیونکہ شرعی دلائل کی تعداد تمام مسالک اسلامی میں مختلف ہے بعض اسلامی مسالک بعض دلائل کو مانتے ہیں تو بعض دوسرے اس کا انکار کر دیتے ہیں کچھ دلائل ایسے ہیں جن کو تمام اسلامی مسالک تسلیم کرتے ہیں ان کی روشنی میں احکام کو اخذ کرتے ہیں ہم فقط انہی دلائل کو بیان کریں گے اس کے ذریعے یہ واضح کریں گے کہ جس چشمہ ہدایت سے تمام مسلمان سیراب ہو رہے ہیں وہ ایک ہی ہے جس آفتاب کی کرنوں سے خود کو منور کرتے ہیں وہ سب کے درمیان مشترک ہے۔

مسالک فقہیہ کا تعارف

فصل اول: فقہ جعفری کا تعارف

فصل دوم: فقہ حنفی کا تعارف

فصل سوم: فقہ مالکی کا تعارف

فصل چہارم: فقہ شافعی کا تعارف

فصل پنجم: فقہ حنبلی کا تعارف

مبحث اول: فقہ جعفری کا مختصر تعارف

مبحث دوم: فقہ جعفری کی ادلہ اجتہاد

مبحث سوم: فقہ جعفری کے اصولی امتیازات

مبحث چہارم: فقہ جعفری کی علم اصول سے متعلق کتب

مبحث پنجم: فقہ جعفری کے مشہور علمائے اصول

صادقؒ نے نمایاں کردار ادا کیا ہے آپ کا نام جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علیؑ ہے۔ امام جعفر صادقؒ خاندان پیغمبر کے عظیم فرد تھے۔ آپ کی ولادت ۸۰ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی آپ حدیث، فقہ، تفسیر کے امام تھے بہت بڑی تعداد میں علمانے آپ سے کسب فیض کیا آپ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار تک بیان کی گئی ہے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ بہت سخی انسان تھے ھیاج بن بسطام کہتے ہیں کہ جعفرؑ بن محمدؑ لوگوں کو کھلاتے رہتے تھے یہاں تک کہ ان کے اپنے گھر والوں کے لیے کوئی چیز باقی نہ رہتی تھی۔[۱]

امام جعفر صادقؒ کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے آپ سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا[۲]

امام حدیث پیغمبر ﷺ کی بہت ترویج کرتے تھے خود بھی حدیث کے بہت بڑے عالم تھے اسے لیے آپ نے فرمایا:

کان یقول سلونی سلونی قبل ان تفقدونی فانه لا یحدثکم بعدی بمثل حدیثی[۳]

آپؑ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے پوچھ لو پوچھ لو قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان نہ رہوں جس طرح میں حدیث بیان کرتا ہوں میرے بعد اس طرح کوئی حدیث بیان نہیں کرے گا۔

عمرو بن ابی مقدام کہتے ہیں کہ میں جب جعفر بن محمدؑ کو دیکھتا ہوں تو جان لیتا ہوں کہ آپ انبیاء کی نسل میں سے ہیں میں نے دیکھا ہے آپ جمرۃ کے پاس کھڑے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ مجھ سے پوچھ لو پوچھ لو قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان نہ رہوں صالح بن ابی الاسود اسی حدیث کو نقل کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ مجھ جیسا حدیث بیان کرنے والا میرے بعد کوئی نہ گا۔[۴]

مبحث دوم: فقہ جعفری کی ادلہ اجتہاد

علامہ حلی اور شیخ جعفر سبحانی کہتے فرماتے ہیں کہ احکام کا پتہ ان چار طریقوں سے چلتا ہے ا۔ قرآن ۲۔ سنت ۳۔ اجماع ۴۔ عقل۔[۵]

ا۔ قرآن

احکام شریعت کو حاصل کرنے کے لیے پہلا مصدر قرآن ہے۔ اسی کے ذریعے حکم شرعی کو حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کا یہ ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تمام آیات قرآنی احکام شریعت کو لیے ہوئے ہیں بلکہ آیات احکام کی تعداد پانچ سو ہے علمائے کرام نے ان کی تفسیر میں بہت محنت کی ہے اور ان آیات احکام کو سمجھنے کے لیے الگ سے کتابیں لکھی ہیں ان کو آیات احکام کہا جاتا ہے۔[۶]

ا۔ الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام البنلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع الحادی عشر ۲۰۰۱ء، ص:۶/ ۲۶۲

۲۔ الصفدی، صلاح الدین خلیل بن ایبک، وافی بالوفیات، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، اولی ۲۰۰۵ء ص:۷/ ۴۰۵ الذھبی، سیر اعلام النبلاء، ص:۶/ ۲۵۷

۳۔ الصفدی، وافی بالوفیات، ص:۷/ ۴۰۵ الذھبی، سیر اعلام البنلاء، ج۶، ص:۶/ ۲۵۷

۴۔ الذھبی، سیر اعلام البنلاء، ص:۶/ ۲۵۷

۵۔ سبحانی، الموجز فی اصول الفقه، ص:۱۶۰ رضوانی، اصول فقہ مقارن، ص:۱۷۸

۶۔ القائینی، علم الاصول، ص:۲۰

جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ کسی بات کا حکم معصوم نے دیا ہے یا یہ کہ اس بات کا علم ہو جائے کہ معصوم نے کسی فعل کو انجام دیا ہے یا معصوم کے سامنے کسی صحابی نے اسے انجام دیا ہے معصوم دیکھ رہے تھے یا سن رہے تھے اور معصوم نے انہیں اس کام سے منع نہیں کیا اور روکا نہیں ہے تو معصوم کا منع نہ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ معصوم اس بات پر راضی تھے۔ یہ بات درست ہے اس کو معصوم کی تائید حاصل ہو جاتی ہے سنت کے حجت ہونے میں مسلمانوں میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے سب مسلمان سنت کی حجیت پر متفق ہیں بلکہ یہ ضروریات دین میں داخل ہے۔[1]

۳۔ اجماع

فقہ جعفری میں اجماع علما کے اس اتفاق کو کہتے ہیں جس کے نتیجے میں امام معصوم کی رائے کا پتہ چل جائے۔ ان اتفاق کرنے والوں کی تعداد کم ہو یا زیادہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے اجماع میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے ایک یہ کہ کسی حکم پر فقہا کا اتفاق کرنا اگرچہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو اور دوسرا یہ کہ ان کا اتفاق امام معصوم کی رائے کو منکشف کرے سید مرتضی علم الھدی کہتے ہیں جس گروہ میں امام کی معنوی تائید شامل نہ ہو اس کے اتفاق کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔[2]

۴۔ عقل

دلیل عقل: حکم عقلی یوصل بہ الی الحکم الشرعی و ینتقل من العلم بالحکم العقلی الی العلم بالحکم الشرعی[3]

حکم عقلی کے ذریعے حکم شرعی تک پہنچا جاتا ہے حکم عقلی کے علم سے حکم شرعی کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

ان چار دلیلوں کے موجود نہ ہونے کی صورت میں فقہ جعفری میں استنباط احکام کے لیے درج ذیل چار اصول سے استفادہ کیا جاتا ہے ۱۔ اصل برات ۲۔ اصل اشتغال ۳۔ اصل تخییر ۴۔ استصحاب۔[4]

مبحث سوم: فقہ جعفری کے اصولی امتیازات

فقہ جعفری کے اصول فقہ میں مندرجہ ذیل امتیازات ہیں۔

۱۔ اقوال ائمہ سنت میں داخل ہیں

۱۔ صدر الدین، فضل اللہ، التمہید فی اصول الفقہ، ط/۱، دار الھادی للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۲۰۰۲ء، ص: ۱۵۱ القائینی، علم الاصول، ص: ۲۳

۲۔ صدر الدین، التمہید فی اصول الفقہ، ص: ۲۹۲

۳۔ رضوانی، اصول فقہ مقارن، ص: ۱۸۰

۴۔ رضوانی، اصول فقہ مقارن، ص: ۱۸۸

اور ان سے احکام کو استنباط کیا جاتا ہے۔[1]

۲۔ قول صحابی

فقہ جعفری میں قول صحابی کی حیثیت سنت کی نہیں ہے بلکہ جب صحابہ کرام کسی بھی بات کو نبی اکرم ﷺ سے نقل فرمائیں تو ان کی حیثیت ایک راوی جیسی ہے جو نبی اکرم ﷺ سے کوئی بات نقل کر رہا ہے اس لیے راوی میں جن صفات کا ہونا صحت حدیث کے لیے شرط ہے وہ تمام یہاں بھی ضروری ہوں گی[2] علامہ بحر العلوم لکھتے ہیں کہ قول صحابی فقہ جعفری کے مصادر تشریع میں سے نہیں ہے۔[3]

علامہ حلی اسی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ہمارے نزدیک قول صحابی یا مذہب صحابی بذاتہ حجت نہیں ہے۔[4]

۲۔ قیاس

فقہ جعفری میں قیاس کی شدت سے نفی کی جاتی ہے اور قیاس کی بحث میں واضح ہو جائے گا کہ وہ کونسی قسم ہے کہ جس کی فقہ جعفری میں مخالفت کی جاتی ہے اور وہ کونسی کونسی اقسام ہیں جن کو قبول کیا جاتا ہے۔

۱۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ

ان دین اللہ لا یصاب بالقیاس[5]

بے شک اللہ کا دین قیاس سے حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔ اسی طرح امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہیں

ان السنۃ اذا قیست محق الدین[6]

اگر سنت میں قیاس ہو تو دین مٹ جائے۔

۳۔ امام موسی کاظمؑ سے جب قیاس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

مالکم والقیاس ان اللہ لا یسال کیف احل و کیف حرم[7]

تمہیں قیاس سے کیا کام۔ اللہ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ کسی چیز کو کیسے حلال کیا اور کیسے حرام کیا۔

۳۔ عقل

الدلیل العقلی: انہ حکم یتوصل بہ الی حکم شرعی[8]

۱۔ القائینی، علم الاصول، ص:۲۳

۲۔ رضوانی، اصول فقہ مقارن، ص:۱۴۷

۳۔ بحر العلوم، اجتہاد اصولہ و احکامہ، ص:۸۰

۴۔ علامہ حسن بن یوسف حلی، تہذیب الوصول الی علم الاصول، ص:۲۹۴

۵۔ کلینی، ابی جعفر محمد بن یعقوب، اصول الکافی، کتاب فضل العلم، باب البدع والرای والمقاییس، ط/۱، دار الاضواء للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۱۹۹۲ء، ص:۱/۱۰۹

۶۔ الکافی، ایضا

۷۔ الکافی، ایضا

۸۔ سبحانی، الموجز فی اصول الفقہ، ص:۱۷۶

بالحکم العقلی الی العلم بالحکم الشرعی[1]
حکم عقلی کے ذریعے حکم شرعی تک پہنچا جاتا ہے حکم عقلی کے علم سے حکم شرعی کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

العقل: عبارۃ عن قوۃ فی النفس معدۃ لقبول العلم والادراک[2]
عقل نفس کی وہ قوت ہے جو علم وادراک کو قبول کرتی ہے۔

العقل: الجوهر اللطیف یفصل بین حقائق المعلومات[3]
عقل وہ جوہر لطیف ہے جو معلومات کی حقیقت کو واضح کرتا ہے۔

العقل: آلۃ التمییز والادراك
عقل وہ آلہ جس کے ذریعے سے درست اور غلط میں فرق کیا جاتا ہے۔

العقل: العقل غریزۃ یتوصل بها الی المعرفۃ[4]
عقل وہ قوت ہے جس کے ذریعے معرفت حاصل ہوتی ہے۔

العقل: بعض العلوم الضروریۃ[5]
بعض ضروری علوم کو عقل کہتے ہیں۔

الذهن: الذهن قوۃ النفس المستعدۃ لاکتساب العلوم والآراء[6]
ذہن وہ قوت نفسانی ہے جسے علوم اور آراء کو اخذ کرنے کے لیے دیا گیا ہے۔

علامہ القائینی حجیت عقل پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں جب مجتہد کو قرآن وسنت سے کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی دلیل نہ ملے اور اس مسئلہ میں کوئی اجماع بھی نہ ہو تو اس وقت دلیل عقل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جیسے سگریٹ نوشی کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس بارے میں قرآن وسنت میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی اور نہ اس پر کوئی اجماع موجود ہے اس لیے اس مسئلہ کا حکم دلیل عقل کے ذریعے جانا جائے گا عقاب بلا بیان شارع کی نسبت قبیح اس لیے سگریٹ نوشی مباح ہے اگر حرام ہوتی تو اس کا بیان ہونا چاہیے تھا۔[7]

علامہ حلی فرماتے ہیں کہ ہم حکم شرعیہ کو صرف چار طریقوں سے جان سکتے ہیں ۱۔ اللہ تعالی کی نازل کردہ کتاب کے ذریعے ۲۔ رسول اکرم ﷺ کی سنت کے ذریعے ۳۔ اس اجماع کے ذریعے جس میں قول معصوم داخل ہو ۴۔ جب یہ تینوں نہ ہوں تو اس وقت عقل کے ذریعے حکم شرعی کو حاصل کیا جائے گا۔[8]

۱۔ رضوانی، اصول فقہ مقارن، ص:۱۸۰

۲۔ القائینی، علم الاصول، ص:۲۵

۳۔ عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی، صدف پبلشرز، کراچی، ص:۲/۳۹۴

۴۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر بشرح روضۃ الناظر فی اصول الفقہ علی مذهب الامام احمد بن حنبل، مکتبۃ الرشد، ریاض، طبع الخامسہ ۲۰۰۷ء، ص:۱/۱۰۷

۵۔ فادیغا، اصول فقہ الامام مالك، ص:۱/۶۰

۶۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۴/۴۰

۷۔ القائینی، علی الفاضل، علم الاصول، ص:۱۸

۸۔ بناری، علی ہمت، ابن ادریس الحلی رائد مدرسۃ النقد فی الفقہ الاسلامی، ط/۱، الغدیر للطباعۃ والنشر و التوزیع، بیروت، ۲۰۰۵ء، ص:۳۰۷

ا۔ قرآن ۲۔ سنت ۳۔ اجماع ۴۔ عقل (۱)

اگرچہ عقل کی حجیت کس حد تک ہے اس کی حدود قیود کیا ہیں اس کی تفصیل میں اختلاف پایا جاتا ہے اس میں فقہ جعفری میں بھی اختلاف ہے کہ عقل کی حجیت کس درجے کی ہے اس حوالے سے فقہ جعفری میں بھی اختلاف ہے۔

مبحث چہارم: فقہ جعفری کی علم اصول سے متعلق کتب

ا۔ الذریعہ الی اصول الشریعۃ

الذریعہ فقہ جعفریہ کے بنیادی منابع اصول الفقہ میں سے ہے اس سے پہلے اصول الفقہ پر اتنا زیادہ کام نہیں ہوا تھا اور اس میں سید مرتضی نے دیگر مسالک کی آراء کو بھی ذکر کیا ہے تمام بنیادی اصولی ابحاث کو تحریر کیا ہے اس کا منہج بہت اعلی ہے۔

اس کے چودہ ابواب ہیں پہلا باب کلام اور اس کی اقسام سے متعلق ہے دوسرا باب امر اور اس سے متعلق ابحاث کا احاطہ کرتا ہے اس میں امر کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے تیسرا باب نہی سے متعلق ہے چھوتھے باب میں عام اور خاص کی ابحاث ہیں ترتیب کے ساتھ مجمل مبین، ناسخ و منسوخ، اخبار، راوی کی خصوصیات، افعال نبی اکرم ﷺ، اجماع قیاس اجتہاد، حظر و اباحہ اور آخری باب استصحاب سے متعلق ابحاث ہے۔

شیخ طوسی تحریر کرتے ہیں کہ الذریعہ الی اصول الشریعۃ ایک اچھی کتاب ہے اس میں اتنی طوالت بھی نہیں ہے کہ مطلب گم ہو جائے اور اتنا اختصار بھی نہیں کہ مطلب مبہم رہ جائے۔ (۲)

اس کتاب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس سے پہلے اصول الدین اور اصول الفقہ کے مسائل کو ایک دوسرے میں خلط کر دیا جاتا تھا مگر سید مرتضی نے اس کتاب میں صرف اصول الفقہ کے مسائل کو بیان کیا ہے ہر مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے مختلف نظریات کو ذکر کیا ہے اور پھر جو نظریات درست نہیں تھے ان پر تنقید کی ہے اور اپنے نظریے کو دلیلوں کے ساتھ ثابت کیا ہے یہ کتاب ابو القاسم گرجی کے مقدمہ اور تصحیح کے ساتھ دانشگاہ تہران اور دیگر کئی مقامات سے چھپ چکی ہے۔ (۳)

سید حسن صدر لکھتے ہیں کہ سید مرتضی نے علم اصول میں کافی تصانیف چھوڑی کافی ہیں مگر الذریعۃ دو جلدوں پر مشتمل کتاب ہے اس جیسی کوئی اور کتاب اس فن میں نہ جمع کی گئی ہے اور نہ تصنیف کی گئی ہے اس میں تمام ضروری ابحاث کو شامل کیا گیا ہے اور قول حق کو بیان کیا گیا ہے یہ کتاب اس علم میں مصدر اور مرجع ہے۔ (۴)

۲۔ العدۃ فی اصول الفقہ

کتاب العدۃ بارہ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب کی چند فصول ہیں۔ ابواب کی وسعت سے ان فصول کی تعداد میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے پہلا تعارفی باب ہے اس میں چھ فصول ہیں دوسرا باب خبر واحد سے متعلق ابحاث پر مشتمل ہے یہ کافی لمبا باب ہے کتاب العدۃ کا سب سے بڑا باب پانچواں باب ہے جس میں عموم و خصوص کی بات بحث ہے اس کی بائیس فصلیں ہیں کتاب العدۃ کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں دوسرے مسالک کی آراء کو نہ صرف جگہ دی گئی بلکہ ان پر مناسب بحث بھی کی گئی ہے۔

ا۔ غزالی، المستصفی، ص: ۱/ ۱۱۹

۲۔ القائینی، علم الاصول، ص: ۱۰۲

۳۔ ضمیری، کتابشناسی، ص: ۱۳۸

۴۔ القائینی، علم الاصول، ص: ۱۰۱

ذکر کیا ہے جو اس دور میں کسی اور نے ذکر نہیں کیے علما کا کہنا ہے کہ اصول الفقہ میں اس وقت تک جتنا لکھا گیا ہے وہ شیخ طوسی نے جو تحریر فرمایا اس میں کسی حد تک آگیا ہے۔[1]

مشہور کتاب شناس آقائے بزرگ تہرانی فرماتے ہیں کہ العدۃ شیخ الطائفہ ابی جعفر محمد بن حسن بن علی الطوسی متوفی ۴۶۰ھ کی تالیف ہے شیخ طوسی نے اسے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے یہ اصول فقہ کی بنیادی کتاب ہے پہلی بار بمبئی سے ۱۳۱۲ھ میں چھپی تھی پھر حواشی کے ساتھ ۱۳۱۴ھ میں تہران سے طبع ہوئی۔(۲)

۳۔فرائد الاصول

فرائد اصول جو رسائل کے نام سے معروف ہے اسے شیخ مرتضی انصاری نے تحریر کیا اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب جب سے لکھی گئی ہے اس وقت سے اب تک فقہ جعفری کے تمام مدارس میں داخل نصاب ہے اس میں مباحث الفاظ کی بحث نہیں ہے اس کتاب کے تین مقاصد ہیں پہلا مقصد مباحث قطع پر مشتمل ہے شیخ انصاری نے اس میں قطع سے متعلق دقیق ترین ابحاث ذکر کی ہیں اس پر شیخ انصاری نے کافی تفصیل سے بات کی ہے دوسرا مقصد ظن سے متعلق ہے اس میں ظن سے متعلق تمام مسائل کو انتہائی مناسب ترتیب کے ساتھ ذکر کیا ہے تیسرا مقصد شک کے بارے میں ہے اس مقصد کو مزید تین مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے ا۔حکم میں شک ۲۔خود تکلیف میں شک ۳۔مکلف بہ میں شک۔

اس کتاب پر بہت سی شروح لکھی گئی ہیں جن میں سے زیادہ معروف بحر الفوائد اسے مرزا محمد حسن نے تحریر کیا مرزا محمد حسین کاشف الغطانے اس پر حاشیہ لکھا اسی طرح آخوند خراسانی اور سید عبد الحسین جو شرف الدین عاملی کے نام سے معروف ہیں انہوں نے بھی اس پر حاشیے لکھے ہیں۔[3]

۴۔اصول الفقہ

اسے شیخ مظفر نے تالیف کیا یہ بنیادی طور پر ایک نصابی کتاب کے طور پر تالیف ہوئی اسے لکھتے وقت مؤلف نے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کی ضروریات کو مد نظر رکھ کر اس کتاب کو تالیف کیا تھا یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب مدارس کے نصاب کا ایک لازمی حصہ ہے اس کا اسلوب انتہائی دلکش ہے اس میں عبارات کی پیچیدگیاں بہت کم ہیں مطلب الفاظ میں چھپانے کی بجائے طلبہ کو سمجھانے کے لیے سادہ پیرائے میں لکھا گیا ہے اس میں تمام ابحاث ایک دوسری سے مربوط نظر آتی ہیں شیخ مظفر اصول الفقہ میں مرزا نائینی کے مکتب کی نمائندگی کرتے ہیں اسی لیے اس مکتب کی یہ خصوصیت ان کی تحریروں میں بھی پائی جاتی ہے کہ تحریر اپنی سادگی کے باوجود معانی سے بھرپور ہوتی ہے۔

یہ کتاب چار مقاصد پر مشتمل ہے پہلا مقصد مباحث الفاظ پر مشتمل ہے جس میں امر، نہی، مفاہیم، عام و خاص، مطلق و مقید اور مجمل و مبین کی تفاصیل ہیں دوسرے مقصد میں ملازمات عقلیہ کی بات کی گئی ہے عقل سے متعلقہ تمام مباحث اس میں جمع کر دیے گئے ہیں تیسرا مقصد مباحث حجت پر مشتمل ہے جس میں قرآن، سنت، اجماع، عقل، حجیت ظواہر، شہرت، سیرت، قیاس کی بات کی گئی ہے چوتھا اور آخری مقصد اصول عملیہ پر مشتمل ہے جس میں استصحاب اور برائت وغیرہ کی بات کی گئی ہے اس میں مباحث الفاظ میں غیر ضروری الجھاو نہیں ہے ضروری ابحاث کو مناسب انداز میں جمع کر دیا گیا ہے اس کی ایک اور خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں اپنے موقف کے ساتھ ساتھ دوسرے علمائے کرام کے موقف کو بھی بیان کر دیا گیا ہے جہاں ضروی سمجھا گیا ہے وہاں مخالف نظریہ کی ادلہ کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے اور پھر

ا۔القائینی،علم الاصول،ص:۱۵۵

۲۔تہرانی، آقائے بزرگ،الذریعہ الی تصانیف الشیعہ،دارالاضواء،بیروت، طبع الثانیہ سن،ص:۱۵/۲۲۷

۳۔ضمیری،کتابشناسی،ص:۱۴۶

مبحث پنجم: فقہ جعفری کے مشہور علمائے اصول

۱۔ سید مرتضی علم الھدی

آپ کا نام علی بن حسین بن موسی الموسوی اور لقب علم الھدی ہے آپ ۳۵۵ھ کو پیدا ہوئے۔ بہت بڑے فقیہ تھے علم بلاغت کے ماہر تھے امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ آپ عظیم شاعر، علم کلام پر مکمل دسترس رکھنے والے بہت سے علوم کے ماہر اور بہت زیادہ ذہین تھے۔(۱)

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ آپ کا لقب مرتضی تھا آپ کی مذہب شیعہ پر بہت سی تصانیف ہیں۔(۲)

علم رجال پر امام ذہبی کی مشہور تصنیف میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ آپ علوی تھے اور آپ کے دور میں علویوں کی قیادت آپ کے ہاتھ میں تھی(۳)

علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ صاحب تقوی اور بہت ذہانت کے مالک تھے آپ علم کلام کے بہت بڑے عالم تھے اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک بلند پایہ ادیب بھی تھے آپ کی تصانیف کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جن میں مشہور ۱۔ الشافی فی الامامۃ ۲۔ الذخیرۃ فی الاصول ۳۔ کتاب التنزیۃ ۴۔ ابطال القیاس ۵۔ کتاب الاختلاف ۶۔ آپ بہت بڑے شاعر بھی تھے آپ کا دیوان چار جلدوں میں چھپا ہے(۴)

سید مرتضی کی علمی حیثیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے استاد شیخ مفید جن کے علم کا شہرہ تھا جب سید درس دیتے تھے تو وہ بھی آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے سید مرتضی نے معاشرے کے علمی اور ثقافتی ارتقا میں اہم کردار ادا کیا آپ کی محفل میں ہر وقت علم کلام، فقہ اور ادب پر مباحثے جاری رہتے تھے۔(۵)

۲۔ شیخ طوسی

آپ کا نام محمد بن حسن بن علی اور کنیت ابو جعفر تھی آپ بہت بڑے عالم صاحب فضل شخصیت تھے تفسیر، حدیث، علم کلام، لغت، تاریخ، فقہ اور اصول فقہ کے ماہر تھے اس کا اندازہ آپ کی تصانیف سے لگایا جا سکتا ہے آپ نے ہر فن میں ایک بیش قیمت ذخیرہ علمی میراث میں چھوڑا ہے کتب اربعہ میں سے دو بنیادی کتب آپ کی جمع کردہ ہیں قرآن کی بہت اعلی تفسیر آپ نے کی ہے اسی طرح فقہ میں آپ کی بہت سی کتب ہیں جن پر فقہ جعفری کی بنیاد استوار کی گئی ہے اصول فقہ میں العدۃ فی اصول الفقہ ایک بنیادی ماخذ ہے ابن حجر عسقلانی آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ابو جعفر نے شیخ مفید سے تعلیم حاصل کی آپ نے مذہب امامیہ پر بہت سی کتب تحریر کی ہیں آپ نے قرآن کی تفسیر لکھی ہے اسی طرح آپ نے ان واقعات اور حکایات کو بھی جمع کیا ہے جو آپ کے استاد شیخ مفید کی مجلس درس میں پیش آتے تھے۔(۶)

علامہ الخوانساری صاحب روضات الجنات لکھتے ہیں کہ شیخ طوسی جلیل القدر عالم ہیں شیخ الطائفہ کے لقب سے معروف ہیں بہت بڑی شان کے مالک ہیں ثقہ اور صدوق ہیں احادیث اور علم رجال کے ماہر ہیں فقہ، اصول الفقہ، کلام

۱۔ الذھبی، تاریخ الاسلام، ۴۳۶ ھجری کے حالات میں، ص:۴۳۲

۲۔ بغدادی، تاریخ بغداد، ابی بکر احمد بن علی الخطیب، مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ، سن، ص:۱۱/۴۰۲

۳۔ الذھبی، سیر اعلام النبلاء، ج۳، ص ۱۲۴

۴۔ ایضاً، ص:۱۷/۵۸۹

۵۔ القائینی، علم الاصول، ص:۱۰۷

۶۔ ابن حجر، امام شہاب الدین ابی الفضل احمد بن علی عقلانی، لسان المیزان، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، طبع ثالثہ ۱۹۸۶ء، ص:۵/۱۳۵

تاج الدین السبکی نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ شیعوں کے فقیہ تھے اور آپ نے مذہب شیعہ پر بہت سے کتب بھی لکھی ہیں آپ کی ایک تفسیر ہے جس میں آپ نے احادیث اور حکایات کو جمع کیا ہے آپ ہلال الحفار سے روایت کرتے ہیں اور آپ سے آپ کا بیٹا ابو علی الحسن روایت کرتا ہے آپ کے کتب خانے کو کئی بار جلایا گیا۔[۲]

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ بغداد کے معروف محلہ کرخ میں رہتے تھے پھر وہاں سے امیر المومنین حضرت علیؑ کے روضہ کے پاس منتقل ہو گئے اور آپ کا انتقال یہی محرم ۴۶۰ ہجری میں ہوا۔[۳]

۳۔ شیخ مرتضی انصاری

آپ ۱۲۱۴ھ کو ایک علمی اور ادبی خاندان میں پیدا ہوئے آپ بہت ہی ذہین تھے بچپن میں ہی آپ کی ذہانت اور لیاقت کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے شیخ انصاری نے قرآن کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اس کے بعد علم دین کے ابتدائی سطوح اور مقدمات کی کتابیں اپنے چچا شیخ حسین انصاری ایسے پڑھیں آپ ۱۲۳۲ھ میں اعلی تعلیم کے لیے عازم عراق ہوئے وہاں آپ کی کربلا مشہور عالم سید مجاہد سے ملاقات ہوئی آپ نے انہیں وہیں رہ کر آگے پڑھنے کی دعوت دی آپ کافی عرصہ کربلا میں اعلی تعلیم حاصل کرتے ہیں اس کے بعد آپ نے اصفہان اور کاشان کا سفر کیا جس میں چھ سال لگے اس کے بعد آپ ۱۲۴۹ھ کو نجف اشرف آئے اور وہیں پر آپ نے اصول الفقہ کا اکثر کام کیا۔[۴]

۴۔ محمد رضا مظفر

آپ ۵ شعبان ۱۳۲۲ھ کو ایک علمی خاندان میں شہر علم نجف اشرف میں پیدا ہوئے آپ کو بچپن ہی میں آپ کے بھائی نے مقدماتی علوم پڑھنے پر لگا دیا اساتذہ میں شیخ محمد طہ، خود آپ کے بھائی اور شیخ عبد النبی شامل ہیں فقہ کی اعلی تعلیم آقا ضیاء الدین عراقی سے حاصل کی آپ نے فلسفہ شیخ محمد حسن سے پڑھا آپ کی خاص بات یہ ہے کہ علم ریاضی، علم ہیئت بھی پڑھا آپ نے نجف اشرف میں تحقیق و تالیف کے لیے مدرسے کے طلبا اور علما پر مشتمل ایک انجمن تشکیل دی اسی طرح آپ نے نجف اشرف میں اعلی تعلیم کے ایک بہت بڑے ادارے کی بنیاد رکھی اس مدرسہ میں چار علم پڑھائے جاتے تھے جن میں فقہ استدلالی، تفسیر، علم اصول اور فلسفہ شامل ہیں۔[۵]

۱۔ خوانساری، علامہ مرزا محمد باقر موسوی، روضات الجنات فی احوال العلما و السادات، الدار الاسلامیہ للنشر و التوزیع، بیروت، ۱۹۹۱ء، ص: ۶/ ۲۰۱

۲۔ السبکی، تاج الدین ابی نصر عبد الوهاب بن علی بن عبد الکافی، طبقات الشافعیه الکبری، تحقیق، عبدالفتاح، دار احیاء الکتب العربیہ، قاہرہ، ص: ۴/ ۱۲۶

۳۔ الذہبی، تاریخ الاسلام، ۴۶۰ ہجری، ص: ۴۹۱، ۴۹۰

۴۔ ضمیری، کتابشناسی، ص: ۱۴۵

۵۔ ضمیری، کتابشناسی، ص: ۱۵۱

مبحث اول: فقہ حنفی کا مختصر تعارف

مبحث دوم: فقہ حنفی کی علم اصول سے متعلق کتب

مبحث سوم: فقہ حنفی کے ادلہ اجتہاد

مبحث چہارم: فقہ حنفی کے اصولی امتیازات

مبحث پنجم: فقہ جعفری کے مشہور علمائے اصول

فقہ حنفی کی بنیاد امام ابو حنیفہؒ نے کوفہ میں رکھی اس کو سب سے پہلے اہل کوفہ نے قبول کیا۔ احناف کو اہل رائے کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل عراق کے پاس احادیث بہت کم مقدار میں پہنچیں تھیں اس لیے انہوں نے استنباط احکام کے لیے قیاس سے زیادہ استفادہ کیا۔ فقہ حنفی بہت تیزی سے پھیلی کوفہ، بغداد مصر، فارس، بلخ، بخارا، ہند، پاکستان غرض جگہ جگہ پھیل گئی ہے تمام اسلامی فقہوں میں سے سب سے زیادہ فقہ حنفی کے ماننے والے ہیں۔[۱]

طبقات حنفیہ میں ہے کہ چالیس لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کو تدوین کیا اس میں امام ابو یوسفؒ اور امام زفر بہت مشہور ہیں سب سے پہلے اسد بن عمرو نے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق کتاب لکھی۔[۲]

امام ابو حنیفہؒ

ابن ندیم کے مطابق امام ابو حنیفہؒ کا نام نعمان بن ثابت ہے کوفہ میں پیدا ہوئے آپ کے آباء و اجداد کا تعلق کابل سے تھا۔[۳]

فضیل بن عیاض کہتے ہیں ابو حنیفہؒ معروف فقیہ ہیں۔ تقوی میں معروف ہیں صاحب مال ہیں۔ رات دن علم کی تحصیل کرتے ہیں خاموش رہتے ہیں یہاں تک کہ حلال و حرام کا کوئی مسئلہ در پیش ہو۔[۴]

امام ابو حنیفہؒ کا علمی مقام بہت بلند ہے احمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بتایا کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے جتنے سوالات دریافت کیے انہوں نے ان سب کے جوابات دیے اور انہوں نے ایسے سوالات کے جوابات بھی دیے جن کے جواب میرے پاس نہیں تھے۔[۵]

امام ابو حنیفہؒ اپنے اساتذہ کا بہت احترام کیا کرتے تھے ابراھیم بن سماعہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کو یہ کہتے ہو سنا میں ہر نماز کے بعد جب سے میرے استاد حماد کا انتقال ہوا ہے ان کے لیے استغفار کرتا ہوں اور ہر اس شخص کے لیے بھی دعا کرتا ہوں جس نے مجھے پڑھایا یا جس نے مجھ سے پڑھا۔[۶]

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بہت زیادہ غلط فہمیاں پھیل چکی تھی اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا کہ عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں میں امام اوزاعی کے پاس شام آیا انہوں نے مجھ سے دریافت کیا اے خراسانی یہ ابو حنیفہؒ نامی بدعتی کون ہے جو کوفہ میں آیا ہے اور ابو حنیفہؒ کنیت کرتا ہے وہ کہتے ہیں میں گھر آیا ابو حنیفہؒ کی کتابوں کو کھولا بہترین مسائل نکالے اس کام پر مجھے تین دن لگ گئے تیسرے دن امام اوزاعی کے پاس آیا وہ مسجد کے مؤذن اور امام بھی تھے میرے ہاتھوں میں کتاب دیکھ کر کہا یہ کیا ہے؟ میں نے وہ کتاب انہیں دے دی اور ہر مسئلہ کے بارے میں لکھا کہ نعمان اس بارے میں یہ کہتے ہیں اوزاعی نے کتاب پڑھنا شروع کی اذان کے وقت اٹھے اذان دی اور پھر کتاب پڑھنا شروع کر دی اور پھر نماز پڑھائی اور پھر کتاب پڑھنا شروع کر دی پھر مجھ سے پوچھا اے خراسانی یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ تو میں نے جواب دیا یہ

۱۔ ابا شا، المذاہب الفقهیه الاربعه، ص:۵۱

۲۔ ایضاً، ص:۵۱

۳۔ ابن ندیم، الفهرست، ص:۴۸۳

۴۔ البغدادی، حافظ احمد بن علی الخطیب، تاریخ بغداد، دار الکتاب العربی، بیروت، سن، ص:۱۳/ ۳۴۰

۵۔ ایضاً، ص:۱۳/ ۳۳۳

۶۔ بغدادی، تاریخ بغداد، ص:۱۳/ ۳۳۴

آپ متقی انسان تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے منصور بن ہاشم کہتے ہیں کہ ہم ابن مبارک کے پاس بیٹھے تھے اتنے میں کوفہ کا ایک شخص آیا اور امام ابو حنیفہؒ کے خلاف بولنے لگا تو ابن مبارک نے اس کہا وائے ہو تم پر تم ایسے شخص کے بارے میں یہ باتیں کر رہے ہو جس نے پنتالیس سال ایک ہی وضو سے پانچ نمازیں ادا کی ہیں۔(۲)

آپ کثرت سے قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے تھے یحیی بن نصر کہتے ہیں آپ ماہ رمضان میں ساٹھ بار قرآن ختم کیا کرتے تھے۔(۳)

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہ نے بہت بڑا فقہی مجموعہ چھوڑا یہاں تک کہ امام شافعیؒ نے فرمایا تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں فقہ حنفی کو قاضی القضاۃ ابو یوسفؒ اور محمد بن حسن الشیبانیؒ نے پھیلایا ہے۔(۴)

حسین بن عثمان کہتے ہیں کہ عراق و حجاز کا علم تین افراد میں ہے علم فقہ ابو حنیفہؒ، مغازی محمد بن اسحق اور تفسیر قلبی میں ان تین علوم میں یہ تینوں شخصیات معروف ہیں۔(۵)

آپ سے مندرجہ ذیل کتب منسوب ہیں۔

الفقہ الاکبر: یہ کتاب امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب ہے یہ عقائد کی بہت تھوڑے صفات پر مشتمل کتاب ہے۔

مسند امام ابو حنیفہؒ: اس کی نسبت بھی امام ابو حنیفہؒ کی طرف دی جاتی ہے یہ ان کی تالیف کردہ کتاب نہیں ہے بلکہ اسے محمد بن حسن نے تالیف کی ہے۔(۶)

ابن ندیم نے ان کتابوں کے ساتھ ان تین کتابوں کا بھی تذکرہ کیا ہے ۱۔کتاب رسالتہ الی البتی ۲۔کتاب العالم و المتعلم ۳۔کتاب الرد علی القدریہ۔(۷)

مبحث دوم: فقہ حنفی کی علم اصول سے متعلق کتب

۱۔المنار

یہ کتاب ابو البرکات حافظ عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی متوفی ۷۱۰ھ نے تصنیف کی ان کی فقہ و اصول میں گراں قدر تصانیف ہیں ابو البرکات نسفی نے مدارک التنزیل و حقائق التاویل کے نام سے تفسیر تحریر کی جسے شہرت عامہ حاصل ہوئی۔ ان کی کتاب عقائد نسفیہ معروف ہے القند فی ذکر علمائے سمرقند ان کی یہ کتاب علماء کے حالات پر مشتمل ہے۔

کتاب المنار کا متن فخر اسلام بزدوی اور شمس الائمہ سرخسی کے اصول الفقہ سے ملخص ہے اس میں انہوں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ اصول بزدوی کی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے۔

یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے اور اس کا کامل نسخہ ۱۳۲۶ھ کو ترکی سے ۳۴صفحات میں چھپا تھا۔(۸)

المنار کی بہت زیادہ شروح لکھی گئی ہیں یہ اس کی مقبولیت کی دلیل ہے مشہور شروح مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ایضاً، ص:۱۳/ ۳۳۸

۲۔ایضاً، ص:۱۳/ ۳۳۵

۳۔ایضاً، ص:۱۳/ ۳۵۷

۴۔منان القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، مکتبہ المعارف للنشر والتوزیع، ریاض، طبع ثالثۃ ۱۹۹۶ء، ص:۳۴۰

۵۔ایضاً، ص:۱۳/ ۳۴۸

۶۔ایضاً، ص:۱۳/ ۳۴۶ منان القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۲۴۰

۷۔ابن ندیم الفہرست، ص:۴۸۳

۸۔عبد العزیز بن ابراھیم بن قاسم، الدلیل الی المتون العلمیۃ، ط/ ا، دار العلمی للنشر والتوزیع، ریاض، ۲۰۰۰ء، ص:۲۸۲

جلدوں میں شائع کیا۔

۲. جامع الاسرار فی شرح المنار: یہ شرح شیخ محمد بن محمد بن احمد الکاکی نے تحریر کی اسے مکتبہ مصطفی الباز مکہ مکرمہ نے ۱۴۱۸ھ ڈاکٹر فضل الرحمن افغانی کی تحقیق کے ساتھ پانچ جلدوں میں شائع کیا۔

۳. شرح المنار و حواشیہ من علم اصول: اسے شیخ عبد اللطیف بن عبد العزیز امین الدین فرشتا نے لکھا دار الطباعۃ ترکی نے ۱۳۰۶ سے ھ میں چھاپا۔

۴. شرح شیخ زین الدین عبد الرحمن بن ابی بکر ابن عینی یہ مختصر شرح ہے۔

۵. مشکاۃ الانوار فی اصول المنار: اسے علامہ ابن نجیم نے تحریر کیا اسے فتح الغفار بھی کہتے ہیں مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر سے ۱۳۵۵ھ میں چھپی۔

۶. افاضۃ الانوار علی اصول المنار: یہ شیخ عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری نے لکھی۔

اس پر بہت سی مختصرات بھی لکھی گئی ہیں[1]

۲۔ مسلم الثبوت

یہ علامہ محب اللہ بن عبد الشکور بہاری ہندی متوفی ۱۱۱۹ھ کی تصنیف ہے اصول فقہ کی تعریف، موضوع، غرض وغایت، اقسام احکام، مباحث الفاظ اور ادلہ اربعہ پر بہت تفصیل سے انتہائی عالمانہ انداز میں بہت منظم گفتگو کی گئی ہے اس میں خاص بات یہ ہے کہ الفاظ بہت کم ہیں جبکہ معانی بہت زیادہ ہیں اور انتہائی دقت کے ساتھ معانی کو سمجھنا پڑتا ہے یہ خود مؤلف کی تعلیقات کے ساتھ مطبع حسینیہ مصر سے ۱۳۲۶ھ میں دو جلدوں میں چھپی اس کے ساتھ مختصر ابن الحاجب اور منہاج للبیضاوی بھی چھپی۔

شروح

ا۔فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت اسے علامہ شیخ عبد العلی محمد بن نظام الدین الانصاری ہندی متوفی ۱۲۲۵ھ نے لکھا یہ مطبع بولاق مصر سے ۱۳۲۲ھ سے دو جلدوں میں چھپی اور دار الکتب العلمیہ نے بیروت سے ۱۴۰۳ھ میں سے شائع کیا یہ شرح کئی بار چھپ چکی ہے۔

ا۔ ۱۳۱۵ھ میں مطبع الانتظار سے شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ۱۳۲۲ھ میں مطبع بولاق مصر سے دو جلدیں میں چھپی پھر اس کا فوٹو مکتبہ علمیہ نے ۱۴۰۳ھ میں بیروت سے شائع کیا۔

۳۔ ۱۳۲۶ھ میں مکتبہ کردستان العلمیہ سے چھپی اور اس کے ذیل میں مختصر ابن الحاجب اور المنہاج للبیضاوی کو چھاپا گیا ہے۔

۲۔التسہیلات الالہیۃ فی اصول فقہ الشافعیۃ و الحنفیۃ شرح مسلم الثبوت اسے قاضی احمد بن محمد بن درویش نے تالیف کیا ہے یہ مطبع محمد علی صبیح قاہرہ سے ۱۳۴۰ھ میں چھپ چکی ہے۔[2]

۳۔ متن تنقیح

تنقیح الاصول یہ مشہور فقیہ امام علامہ عبید اللہ اصغر بن مسعود بن تاج الشریعۃ محمود بن صدر الشریعۃ احمد بن جمال الدین عبید اللہ المحبوبی البخاری الحنفی المتوفی ۷۴۸ھ کی تالیف ہے یہ اصول الفقہ کا مشہور متن ہے اس میں اصول البزدوی

ا۔ ایضاً، ص: ۲۸۴

۲۔ عبد العزیز، الدلیل الی المتون العلمیۃ، ص: ۲۹۳، ۲۹۴

میں نے علما کو دیکھا جب وہ فخر الاسلام بزدوی کی کتاب کا متن پڑھاتے ہیں تو دقت نظر کم ہونے کی وجہ سے اس پر تنقید کرتے ہیں اس لیے میں نے فخر الاسلام کی اس مشہور زمانہ اصولی کتاب کی تنقیح کا فیصلہ کیا ہے فخر الاسلام کی اس متن سے مراد کیا ہے اور اس کو قواعد عقلی کے مطابق کیسے سمجھا جاسکتا ہے ان اس میں مذکور قواعد کی بنیادیں کیا ہیں اس میں تقسیم بندی کیسے کی گئی ہے اس کے ساتھ ساتھ امام رازی کی محصول اور علامہ ابن حاجب کے افکار کا خلاصہ بھی لایا ہوں اور کچھ دقیق ترین تحقیق کو بھی شامل کیا ہے اور کچھ معاملات میں بہت زیادہ دقت کی ہے جن سے یہ تمام کتب خالی تھیں میں نے اس کتاب کو کم الفاظ اور زیادہ معانی کے علما کے معروف طریقے پر لکھا ہے۔

طبعات

۱۔ یہ ترکی کے مکتب صنایع سے ۱۳۱۰ھ میں چھپ چکی ہے۔

۲۔ اسے مکتبہ کریمیہ قزان نے ۱۳۳۱ھ میں طبع کیا اور پھر اس کا عکس ۱۴۰۰ھ کو کراچی سے چھپا۔

۳۔ اس کے بعد یہ کتاب مکتبہ محمد علی صبیح واولادہ نے مصر سے طبع کرائی اس پر تاریخ طبع نہیں ہے۔

۴۔ مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت نے ۱۴۱۶ھ میں دو جلدوں میں طبع کی۔

شروح

۱۔ خود مؤلف نے اس کتاب کی شرح بنام التوضیح فی حل غوامص التنقیح لکھی یہ شرح حواشی کے ساتھ کئی بار چھپ چکی ہے۔

ا۔ التلویح الی کشف الحقائق التنقیح للتفتازانی مکتبہ صنایع ترکی نے ۱۳۱۰ھ میں طبع کیا۔

ب۔ اسی کو مکتبہ الکریمیہ قزان نے ۱۳۳۱ھ میں طبع کیا۔

ج۔ ۱۴۰۰ھ میں اسی کو کراچی سے چھاپا گیا۔

د۔ دار الکتب العلمیہ نے اسے تفتازانی کی شرح کے ساتھ ۱۴۱۶ھ میں شائع کیا تھا۔[1]

۴۔ متن التحریر

اسے کمال الدین محمد بن ہمام الدین عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود السیواسی السکندری القاہری الحنفی جو ابن ہمام کے نام سے معروف ہیں متوفی ۸۶۱ھ نے تحریر کیا۔

اس میں ابن ہمام نے اصول الفقہ میں تصنیف کے دو معروف طریقوں طریقہ احناف اور طریقہ متکلمین کو جمع کیا ہے انہوں نے کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ عمر کے جس حصہ میں میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں اس میں احناف اور شوافع کے طریقہ تالیف کو بہت زیادہ مطالعہ کیا ہے اس سے استفادہ کیا ہے اب جب میں اس علم کو تصنیف کروں گا تو میری اس علم میں پرواز ان دونوں طریقہ ہائے تالیف سے ہوگی اس طرح ان دونوں طریقوں کا حق تو ادا نہیں ہو سکے گا مگر پھر بھی بھلائی کی ایک دعوت ہوگی مگر جب میں یہ کام شروع کر دیا تو معلوم ہوا یہ آسان کام نہیں ہے یہ ایک لمبا سفر ہے اور موجودہ حالات میں لوگ مطولات سے بھاگتے ہیں اور ان کا رجوع مختصرات کی طرف زیادہ ہوتا ہے اس لیے میں بھی مختصر لکھوں گا جو دونوں اغراض کو شامل ہوگی اور اللہ کے فضل سے دونوں ارادوں کو پورا کرے گی میں نے اس کا مقدمہ اور تین مقالات لکھنے کے بعد اس کا نام تحریر رکھا ہے۔

۱۔ اعبد العزیز، الدلیل الی المتون العلمیة، ص:۲۸۷ تا ۲۸۹

ساتھ جمع کیا ہے اور دونوں کی تحقیقات کو انتہائی اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔

شیخ محمد امین نے کہا ہے کہ تحریر کا متن واضح ہے اور یہ کتاب اس فن پر لکھی گئی بہت سی کتب کے مطالب و معانی کو شامل ہے اور کچھ تحقیقات ایسی ہیں جو صرف اسی کتاب کا خاصہ ہیں۔

اسے سب سے پہلے مکتبہ مصطفی البابی مصر نے ۱۳۵۱ھ میں طبع کیا۔

شروح

۱۔التقریر و التحبیر فی شرح کتاب التحریر اسے ابن ھمام کے شاگرد شیخ محمد بن محمد امیر الحاج الحلبی متوفی ۸۷۹ھ نے لکھا اسے مطبہ امیریہ الکبری بولاق مصر نے تین جلدوں میں ۱۳۱۶ھ میں طبع کیا اس کو دوبارہ مکتبہ علمیہ بیروت نے ۱۴۰۳ھ میں طبع کیا ہے۔

۲۔تیسیر التحریر اسے شیخ محمد امین جو امیر بادشاہ حسینی کے نام سے معروف ہیں انہوں نے لکھا ہے اسے مکتبہ مصطفی البابی الحلبی نے ۱۳۵۰ھ میں چار اجزاء اور دو جلدوں میں طبع کیا ہے۔[۱]

مبحث سوم: فقہ حنفی کی ادلۃ اجتہاد

امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے جب کو مسئلہ در پیش ہو تا ہے تو میں کتاب خدا کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر اس میں مل جائے تو ٹھیک نہ ملے تو میں سنت نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع کرتا ہوں ان صحیح آثار کو لے لیتا ہوں جو ثقات کے ذریعے آئے ہیں اگر قرآن و سنت سے نہ ملے تو صحابہ میں سے جس کا چاہتا ہوں قول لے لیتا ہوں ان کے اقوال سے کسی اور کے قول کی طرف نہیں جاتا جب بات ابراھیم شعبی ابن سیرین تک پہنچے تو میں بھی اجتہاد کرتا ہوں جیسے وہ اجتہاد کرتے ہیں۔[۲]

۱۔ قرآن

اللہ تعالی نے قرآن کو احکام کو بیان کرنے کے لیے نازل فرمایا یہ بلاشک و شبہ حجت ہے جب قرآن کو پڑھا جائے تو اس کے پڑھنے پر ثواب ہے یہ مومنین کے لیے موعظہ ہے نبی اکرم ﷺ کے سچا نبی ہونے کی دلیل ہے اللہ تعالی فرماتا ہے۔

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾[۳]

اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو اُن کے لیے اتاری گئی ہے۔

قرآن کبھی بذات خود حکم پر دلالت کرتا ہے اور کبھی قرآن کی اس حکم پر معنوی دلالت ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ قرآن پر غور و فکر کیا جائے تاکہ احکام کو قرآن سے اخذ کیا جائے۔[۴]

۲۔ سنت

۱۔اعبد العزیز، الدلیل الی المتون العلمیۃ، ص:۱۹۰ تا ۱۹۲

۲۔منان القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۳۲

۳۔سورۃ النحل/۴۴

۴۔البزدوی، قاضی امام صدر الاسلام ابی الیسر محمد بن محمد بن حسین، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ط/۱، تحقیق: عبد القادر بن یسین بن ناصر الخطیب، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع اولی ۲۰۰۰ء، ص:۵۲

ہوتا ہے احکام میں متواتر احادیث وارد نہیں ہوئیں احکام کے علاوہ کچھ موارد میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔[1]

۳۔ اجماع

اجماع اصول فقہ میں ایک مستقل دلیل ہے امام ابو حنیفہؒ نے اجماع پر اپنے اجتہاد کی بنیاد رکھی ہے امام ابو حنیفہؒ جس طرح قرآن، سنت، قیاس اور فتاوی صحابہ سے احکام کو حاصل کرتے ہیں بالکل اسی طرح اجماع سے بھی احکام کو حاصل کرتے ہیں علمائے احناف اجماع کے ذریعے سوالات کے جوابات دیتے ہیں اس کے ذریعے مسائل کو حل کرتے ہیں احناف کے ہاں اجماع سکوتی بھی حجت ہے وہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔[2]

۴۔ قیاس

امام ابو حنیفہؒ کو جب کتاب و سنت سے کوئی نص نہیں ملتی تھی اور اسی طرح فتاوی صحابہ میں سے بھی کوئی فتوی نہیں ملتا تھا تو ایسی صورت میں امام ابو حنیفہؒ قیاس کی طرف رجوع فرماتے تھے اور امام ابو حنیفہؒ کثرت سے قیاس کیا کرتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ عراق میں حدیثیں کم پہنچی تھیں وہ رسولؐ کی طرف کسی حدیث کی غلط نسبت دینے کی بجائے یہ بہتر سمجھتے تھے کہ قیاس سے کام لیا جائے اور جو نصوص ان کے پاس موجود تھیں ان سے علتوں کو استنباط کرتے تھے اور پھر اس سے حکم کو تعمیم دیتے تھے۔[3]

۵۔ الاستحسان

الاستحسان: ان الاستحسان عبارة عن دلیل یقابل القیاس الجلی الذی تسبق الیه الافهام[4]

استحسان قیاس جلی کے مقابل دلیل ہے جس کی طرف فہم انسانی سبقت کرتی ہے

الاستحسان: العدول بالمسئلة عن حکم نظائرها الی حکم آخر لوجه اقوی یقتضی هذا العدول[5]

کسی مسئلہ میں حکم کو تبدیل کر دینا اس جیسے مسئلے میں موجود دوسرے حکم سے ایک ایسی وجہ کی بنیاد پر جو پہلے والے حکم سے قوی ہے۔

۶۔ مراسیل

امام بزدوی لکھتے ہیں کہ مراسیل ہمارے نزدیک حجت ہیں[6] احناف کے ہاں تابعین کی مراسیل بھی قبول ہیں[7]

۷۔ الحیل الشرعیة

۱۔ البزدوی، معرفة الحجج الشرعیة، ص:۱۱۸
۲۔ ابوزھرہ، ابوحنیفہ، ص:۲۷۱
۳۔ ایضاً، ص:۲۸۶، ۲۸۵
۴۔ مناع القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۳۲
۵۔ النقیب، احمد بن محمد بن نصیر، المذھب الحنفی، مکتبہ الرشد، ریاض ۱۹۹۸ء، ص:۱/ ۴۰۲
۶۔ البزدوی، معرفة الحجج الشرعیة، ص:۱۳۸
۷۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۱۲۶

کہ نماز قصر ہو جائے یا اس لیے سفر کرنا کہ ماہ رمضان المبارک میں دن کے وقت کھا پی سکیں احناف اس میں بہت زیادہ کرتے ہیں۔(۱)

۸۔ عرف

ابو زھرہ نے عرف کو فقہ حنفی کی ادلہ میں شمار کیا ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں الثابت بالعرف کالثابت بالنص کہ عرف سے ثابت ہونا ایسے ہی ہے جیسے نص سے ثابت ہو عرف کو دلیل شرعی ثابت کرنے کی بنیاد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ مارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن یہ اس بات پر دلیل ہے کہ مسلمانوں کا عرف حسن ہے عرف کی مخالفت حرج اور تنگی کا باعث ہے اسی لیے علمانے اسے اصول استنباط میں سے قرار دیا ہے اور جب کوئی دلیل نہ ہو تو اسے دلیل قرار دیا ہے جب عرف قرآن و سنت سے مخالف ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے عرف کے ذریعے قیاس کو ترک کرنا بہتر ہے (۲)

مبحث چہارم: فقہ حنفی کے اصولی امتیازات

محققین نے فقہ حنفی کے مندرجہ ذیل اصولی امتیازات کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ قبول حدیث کی سخت شرائط

امام ابو حنیفہؒ قبول حدیث میں سخت شرائط رکھتے تھے صرف اس روایت کو قبول کرتے جو ایک جماعت کی ایک جماعت سے روایت ہوتی تھی یا جس پر مختلف علاقوں کے فقہائے کرام اتفاق کر چکے ہوتے تھے اور وہ مشہور ہو چکی ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں حدیث پر عمل کا دائرہ کار بہت تنگ ہے (۳)

۲۔ قیاس میں وسعت

یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام فقہی مذاہب قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ قیاس نص شرعی کے فقدان کی صورت میں دلیل شرعی ہے آخر وہ کیا اسباب تھے کہ احناف نے قیاس میں وسعت پیدا کی؟ اس کی سب سے بڑی وجہ خبر واحد کے قبول نہ کرنے میں بہت زیادہ شرائط کا لگانا ہے اس وجہ سے بہت زیادہ روایات قابل قبول ہی نہیں رہتیں۔ خبر واحد کا دائرہ عمل محدود کرنے کی وجہ سے قیاس کی طرف زیادہ محتاج ہو گئے (۴)

مشہور محقق مناں القطان نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب امام حنیفہؒ نے حدیث کے دائرے کو تنگ کر دیا تو اس کے نتیجہ میں مسائل کو حل کرنے کے لیے قیاس کو بہت زیادہ وسعت دے دی آپ استنباط احکام کے لیے اجتہاد کرتے تھے اور اس کے لیے پہلے سے موجود اقوال صحابہ اور اقوال تابعین کی تقلید نہیں کرتے تھے (۵)

۳۔ استحسان

۱۔ النقیب، المذھب الحنفی، ص:۱/ ۴۰۷

۲۔ ابو زھرہ، ابو حنیفہ، ص:۳۰۹

۳۔ منان القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۳۱

۴۔ النقیب، المذھب الحنفی، ص:۱/ ۴۰۳

۵۔ منان القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۳۲

دی ہے۔[1]

امام ابو حنیفہؒ نے استحسان کو اجتہاد کے لیے بطور معتبر دلیل لیا ہے اس کے استعمال میں بعض علمائے احناف نے بہت مبالغہ کیا ہے اور کہا ہے کہ مجتہد اپنے عقل سے استحسان کو استعمال کرے گا۔[2]

تاج الدین السبکی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے استحسان کو بطور ماخذ حکم شرعی لیا ہے ان کے علاوہ باقی فقہاء نے اس کا انکار کیا ہے۔[3]

۴۔ حیل شرعیۃ

مذہب حنفی عراق سے شروع ہوا عراق میں حجاز کی نسبت معاشرتی زندگی اور خوشحالی بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے مسائل بھی بہت زیادہ پیش آتے تھے۔ احادیث کا مرکز حجاز تھا اہل عراق تک بہت کم احادیث پہنچی تھیں اس لیے بھی احناف دیگر دلیلوں کی طرف محتاج ہوئے۔[4]

احناف حیل شرعیہ کو بہت زیادہ وسعت دیتے ہیں امام محمد بن حسن کی طرف المخارج فی الحیل نام کی کتاب منسوب ہے جس میں شرعی حیلوں کی تفصیلات دی گئی تھیں مگر یہ کتاب ہم تک نہیں پہنچی جو کتاب پہنچی ہے وہ کتاب الخصاف ہے جس میں مختلف فقہی ابواب میں استعمال ہونے والے حیلوں کو بتایا گیا ہے۔[5]

مناں القطان کہتے ہین کہ محققین نے کہا ہے کہ حیل شرعیہ کا باب فقہ حنفی میں بہت وسیع ہے۔[6]

۵۔ فقہ تقدیری

احناف ان مسائل پر بھی اجتہاد کرتے ہیں جو فرضی اور نادر الوقوع ہوتے ہیں اس حوالے ایک مشہور واقعہ ہے کہ جب قتادہ کوفہ آئے تو انہوں کہا کہ میں ہر سوال شرعی جواب دوں گا تو لوگوں کا بہت بڑا مجمع آپ کے ارد گرد جمع ہو گیا امام ابو حنیفہؒ آئے اور پوچھا کہ اے ابو خطاب ایک آدمی کئی سال سے اپنے گھر والوں سے غائب ہے اور اس کی بیوی یہ گمان کرتی ہے کہ وہ مر گیا ہے اور دوسری شادی کر لیتی ہے اور شادی کے بعد اس کا پہلا شوہر آجاتا ہے۔۔۔۔۔ قتادہ نے پوچھا کیا یہ مسئلہ پیش آیا ہے تو اس پر امام ابو حنیفہ نے کہا کہ نہیں پیش تو نہیں آیا۔ قتادہ نے کہا پھر اس مسئلہ کو پوچھتے کیوں ہو جو واقع ہی نہیں ہوا؟ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہم بلاؤں کے نازل ہونے سے پہلے تیاری کرتے ہیں اور جب وہ آتی ہیں تو اس میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے کے راستے بھی جانتے ہیں امام ابو حنیفہؒ نے اپنے شاگردوں کی اسی انداز میں تربیت کی کہ وہ فرضی مسائل بناتے تھے پھر ان کی ممکنہ صورتوں کو سامنے رکھتے اور پھر تمام ممکنہ صورتوں کا جواب دیتے اس طرح مسائل کے واقع ہونے سے پہلے ان مسائل کا حل بتا دیتے دوسرے مذاہب نے بھی فقہ تقدیری پر کام کیا ہے مگر جس انداز میں احناف نے اس میں توسع پیدا کیا اس طرح کسی نے اس پر کام نہیں کیا۔[7]

۶۔ وجوب اور فرض میں فرق

۱۔ النقیب، المذہب الحنفی، ص: ۱/ ۴۰۳

۲۔ مناں القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص: ۳۳۲

۳۔ السبکی، جمع الجوامع، ص: ۱۱۰

۴۔ النقیب، المذہب الحنفی، ص: ۱/ ۴۱۳

۵۔ ایضاً، ص: ۱/ ۴۱۴

۶۔ مناں القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص: ۳۳۳

۷۔ النقیب، المذہب الحنفی، ص: ۱/ ۴۲۱-۴۲۲

کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔

ابن حلولو نے بھی لکھا ہے کہ فرض اور واجب میں فرق صرف احناف میں پایا جاتا ہے احناف کے لیے علاوہ باقی تمام اسلامی مسالک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔(۲)

مبحث چہارم: فقہ حنفی کے مشہور علمائے اصول

۱۔ البزدوی

آپ کا پورا نام محمد بن محمد بن حسین بن عبدالکریم بن طوسی بن مجاہد البزدوی تھا۔ صدر الاسلام اور امام الائمہ آپ کے القاب ہیں آپ ۴۲۱ھ میں پیدا ہوئے ۴۹۳ھ میں انتقال ہوا اساتذہ میں اسماعیل بن عبد الصادق، عبدالعزیز الحلوائی اور شمس الائمہ ابو یعقوب یوسف شامل ہیں آپ کے مشہور شاگردوں میں ابوالفتح الحلمی، ابوالمعالی، احمد بن نصیر بخاری، رکن الائمہ عبدالکریم بن محمد شامل ہیں درج ذیل کتابیں معروف ہیں۔ امالی صدر الاسلام فی الفروع ۲۔ شرح جامع الصغیر ۳۔ کتاب فی اصول الدین ۴۔ المبسوط ۵۔ معرفۃ الحج الشرعیۃ۔(۳)

۲۔ الشاشی

آپ کا نام نظام الدین ابی علی احمد بن محمد بن اسحق ہے آپ اصول فقہ کی مشہور کتاب اصول شاشی کے مصنف ہیں اصول شاشی کو احناف کی اصول فقہ کی کتابوں میں ایک اہم مقام حاصل ہے ماواء النہر میں ایک شہر کا نام شاش ہے اسی شہر کی نسبت سے آپ کو شاشی کہا جاتا ہے امام ذہبی نے لکھا ہے کہ کہ آپ اپنے استاد شیخ ابی الحسن کرخی کی وفات کے بعد بغداد میں احناف کے رئیس بنے آپ مذہب کے عالم اور آپ کی قدر منزلت بہت بلند تھی(۴) ڈاکٹر شعبان نے لکھا ہے کہ آپ احناف کے شیخ تھے جب آپ مصر آئے تو مصر کے بعض علاقوں کے قاضی بنا دیے گئے آپ کا شمار مشہور فقہا میں ہوتا ہے آپ کا انتقال ۳۴۴ ہجری میں ہوا[۵] خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ آپ بہت لمبے عرصے تک تدریس سے وابستہ رہے یہاں تک کہ آپ کو فالج ہو گیا ابو بکر دامغانی کہا کرتے تھے کہ ابی علی سے زیادہ حفظ میں مہارت رکھنے والا کوئی اور نہیں ہے آپ کا انتقال ۳۴۴ ہجری میں ہوا۔(۶)

۳۔ محب اللہ بن عبد الشکور بہاری ہندی متوفی ۱۱۱۹ھ

آپ کا نام محب اللہ بن عبد الشکور بہاری ہندی تھا۔ آپ کا تعلق بہار سے تھا بہار اسلامی سلطنت کا ایک انتہائی اہم شہر تھا جس پر مسلم حکومت تھی آپ کو پہلے تہذیب و ثقافت کے مرکز لکھنو کا قاضی لگایا گیا اور اس کے بعد آپ کو ریاست حیدر آباد دکن کا قاضی بنایا گیا وہاں سے آپ کو مرکز میں قاضی بنا دیا گیا۔ یہی پر آپ کو فاضل خان کا لقب دیا گیا آپ نے بہت سے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان میں مشہور قطب الدین شہید اور شیخ قطب الدین شمس آبادی شامل ہیں آپ

۱۔ البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص: ۵۴

۲۔ ابن حلولو، ایضاء الامع، ص: ۱/ ۱۹۱

۳۔ البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص: ۳-۹

۴۔ ذہبی، تاریخ الاسلام، ۳۴۴ھ کے حالات، ص: ۲۹۲

۵۔ شعبان، محمد اسماعیل، اصول الفقہ تاریخہ و رجالہ، ط/ ۱، دارالسلام للطباعیہ والنشر والتوزیع والترجمہ، قاہرہ، ۲۰۱۰ء، ص: ۱۱۱

۶۔ بغدادی، تاریخ بغداد، ص: ۴/ ۳۹۲

۲۔الجوہر الفردیہ رسالہ ہے ۳۔سلم العلوم یہ علم منطق میں لکھی یہ بہت اعلی کتاب ہے ۴۔المغالۃ العامۃ الورود۔[1]

۴۔ابن الھمام

محمد بن ھمام الدین عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود السیواسی السکندری القاھری الحنفی جو ابن ھمام کے نام سے معروف ہیں آپ کی ولادت ۷۹۰ ہجری کو ہوئی آپ علماحنفیہ میں سے ہیں آپ اصول دین کو جاننے والے علم تفسیر، فقہ، لغت، حساب اور منطق کے ماہر تھے آپ کے اساتذہ میں قاضی القضاۃ زین الدین، عبد السلام بغدادی، جلال الدین ہندی اور دیگر کئی جلیل القدر شخصیات شامل ہیں آپ انتہائی درجے کے متواضع انسان تھے آپ علم اور اجتہاد اور عزت کی نسبت اللہ کی طرف دیتے تھے آپ مسائل کے حل کے اپنی عقل کو استعمال کرتے تھے مگر قرآن وسنت سے باہر نہیں جاتے تھے آپ ہمیشہ حق بات کہتے تھے جس سے آپ کا دل مطمئن ہوتا تھا آپ ہمیش دلیل کی پیروی کرتے تھے اس دلیل کے نتیجہ میں آنے والا نتیجہ ان کے امام کے موافق ہوتا یا مخالف ہوتا اسی کو اختیار کرتے تھے ابن ہمام کی قابلیت کی بنیاد پر پہلے آپ کو دارالافتا دیا گیا اور بعد میں مدرسہ صالحیہ میں تدریس کی ذمہ داری سونپی گئی ڈاکٹر شعبان کہتے ہیں کہ ابن ہمام کے اجتہادات کو ملاحظہ کرنے کے بعد یہ لگتا ہے کہ آپ درجہ اجتہاد پر فائز تھے آپ کا انتقال ۸۶۱ھ میں ہوا۔[2]

۱۔شعبان، اصول الفقہ، ص:۵۰۸،۵۰۷

۲۔شعبان، اصول الفقہ، ص:۴۳۰،۴۲۹

مبحث اول: فقہ مالکی کا تعارف

مبحث دوم: فقہ مالکی کے اصولی امتیازات

مبحث سوم: فقہ مالکی کے مشہور علمائے اصول

مبحث چہارم: فقہ مالکی کی علم اصول سے متعلق مشہور کتب

مبحث پنجم: فقہ مالکی کی ادلہ اجتہاد

مبحث اول: فقہ مالکی کا تعارف

فقہ مالکی کے بانی امام مالکؒ ہیں۔ آپ کا نام مالکؒ بن انس بن مالکؒ اصبحی حمیری تھا آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور لقب امام دار الھجرۃ ہے آپ ۹۵ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور آپ کا انتقال بھی مدینہ میں ہی ہوا آپ دین کی طرف توجہ دینے والے اور حکمرانوں سے دور تھے اسی وجہ سے منصور عباسی کے چچانے آپ کو کوڑے لگوائے۔ آپ نے منصور کی فرمائش پر کہ آپ کتاب لکھیں جو لوگوں کے پاس ہو اور لوگ اس پر عمل کریں آپ نے کتاب موطا تحریر فرمائی۔

آپ بچپن ہی سے علم کی طرف مائل تھے انتہائی کم عمری میں قرآن کریم کو حفظ کر لیا خود امام مالکؒ کا بیان ہے میں نے اپنی ماں سے کہا کیا میں جاوں اور علم حاصل کروں؟ تو میری ماں نے کہا میری طرف آؤ میں تمہیں لباس علم پہناتی ہوں یہ کہہ کر انہوں نے مجھے کپڑے پہنائے میرے سر پر کپڑا رکھ کر عمامہ باندھا اور کہا جاؤ اور علم سیکھو اور کہا کرتی تھیں قبیلہ ربیعہ میں جاؤ ان سے علم سے پہلے ادب سیکھو امام مالکؒ نے تحصیل علم کے راستے میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر سے کام لیا اور اس راستے میں بہت زیادہ تکالیف کو برداشت کیا امام مالکؒ کے علم حاصل کرنے کے شوق کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار آپ کے گھر کی چھت گر گئی آپ نے چھت کی لکڑیاں بیچ کر تحصیل علم کو جاری رکھا یہاں تک کہ دنیا آپ کی طرف مائل ہو گئی۔

امام مالکؒ بہت سے علوم کے ماہر تھے بالخصوص حدیث اور فقہ میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا آپ خود کہتے ہیں میں نے اپنے ہاتھوں سے ایک لاکھ احادیث لکھی ہیں میں سعید بن مسیب، عروۃ، قاسم، ابو سلمہ، حمید اور سالم کے پاس جاتا ہر ایک کے درس سے پچاس سے سو تک احادیث سنتا ان تمام احادیث کو حفظ کرتا اور ان کو اس طرح حفظ کرتا کہ کوئی ایک حدیث دوسری سے خلط نہ ہوا۔

ایک بار ربیعہ کی مجلس میں ایک مسئلہ پیش ہوا انہوں نے اس کا جواب دیا امام مالکؒ نے کہا اے ابا عثمان یہ آپ نے کیا کیا؟ ربیعہ نے آپ کے سوال کو رد کر دیا اس کے بعد کسی نے سوال نہ کیا آپ احترام استاد میں خاموش رہے اور وہاں سے چلے گئے آپ نے ظہر کی نماز ادا کی اور ربیعہ کی مجلس سے دور جا کر بیٹھ گئے آپ کے پاس کچھ لوگ آئے جن سے آپ نے گفتگو کی نماز مغرب کے بعد پچاس سے زیادہ لوگ آپ کے پاس آگئے دوسرے دن صبح ایک خلق کثیر آپ کے گرد جمع ہو گئی آپ نے صرف سترہ سال کی عمر میں فتوی دینا شروع کیا۔

آپ جتنے بڑے عالم تھے اتنے بڑے انسان بھی تھے۔ آپ کے علم کی طرح آپ کی تواضع بھی مشہور تھی آپ علم قرآن، سنت، فقہ اور اصول فقہ کا احاطہ کیے ہوئے تھا آپ صاحب وثاقت تھے آپ پر آپ کے معاصر لوگوں نے اجماع کیا مدینہ کے بزرگ کہتے تھے اے مالکؒ سنت نبی کا علم آپ کی وجہ سے باقی ہے۔

ابو داؤد کہتے ہیں صحیح ترین حدیث رسول وہ جو اس سلسلہ سے روایت ہو مالك عن نافع عن ابن عمر عن الزهری عن سالم عن ابیه اور مالك عن ابی زیاد عن الاعرج عن ابی هریرة اور مالکؒ کے علاوہ کسی سلسلہ کا ذکر نہیں کیا اور کہا امام مالکؒ کی مراسیل اصح ترین مراسیل ہیں۔

محمد بن حسن شیبانی نے امام شافعیؒ سے کہا آپ کا صاحب یعنی امام مالکؒ اعلم ہے یا ہمارا صاحب یعنی امام ابو حنیفہؒ اعلم ہے امام شافعی نے پوچھا انصاف کرو گے امام محمدؒ نے کہا ہاں انصاف کروں گا امام شافعیؒ نے کہا میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تمہارا صاحب قرآن کو زیادہ جانتا تھا یا ہمارا صاحب؟ امام محمد نے کہا تمہارا صاحب قرآن کو زیادہ جانتا تھا امام شافعی نے کہا تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کون سب سے زیادہ حدیث رسول کا عالم تھا؟ امام محمدؒ نے کہا تمہارا صاحب حدیث رسول کو زیادہ جانتا تھا امام شافعیؒ نے کہا قرآن اور حدیث کے بعد قیاس ہی بچ جاتا ہے اور قیاس صرف ان اشیاء کا نام ہے۔

پیدل چلتے تھے سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے۔(۱)

شاگرد

آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے قاضی عیاض نے آپ کے شاگردوں کی تعداد شمار کی تو ان میں سے مشاہیر اور علماء کی تعداد ایک ہزار تھی امام شافعیؒ، عبداللہ بن وھب، عبدالرحمن بن قاسم القرطبی آپ کے مشہور شاگرد تھے۔

مشہور کتب

۱۔ الموطا یہ حدیث کی مشہور کتاب ہے ۲۔ رسالۃ فی القدر یہ رسالہ قدریہ کی رد میں تصنف فرمایا۳۔ کتاب فی النجوم ۴۔ رسالۃ فی الاقضیہ ۵۔ حساب مدار الزمان ۶۔ رسالہ اسے ابی غسان کے نام لکھا۷۔ کتاب الی ھارون فی الادب و المواعظ ۸۔ تفسیر غریب القرآن ۹۔ رسالتہ الی اللیث بن سعد فی اجماع اھل مدینہ وغیرھا۔

آپؒ کی وفات ۱۷۹ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور آپ کو مدینہ میں ہی دفن کیا گیا۔(۲)

فقہ مالکی فقہ حنفی کے بعد میں وجود میں آئی مالکیہ کو اہل حدیث بھی کہا جاتا ہے کیونکہ امام مالکؒ اہل مدینہ کے عمل کو مدرک احکام قرار دیتے ہیں۔ یہ بات امام مالکؒ کا اختصاص ہے کہ اہل مدینہ کے عمل کو حجت قرار دیتے ہیں۔ اس مذہب کا آغاز مدینہ منورہ سے ہوا جو کہ امام مالکؒ کا وطن تھا پھر یہ حجاز، بصرہ، مصر، افریقہ، اندلس اور سوڈان تک پھیل گیا۔(۳)

مبحث دوم: فقہ مالکی کے اصولی امتیازات

۱۔ اہل مدینہ کا عمل

اہل مدینہ کے عمل کی حجیت پر منقول اور معقول دونوں سے استدلال کیا گیا ہے اہل مدینہ نے اپنے اسلاف یعنی صحابہ سے وراثت میں اعمال پائے تھے اور صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ زندگی گزاری تھی جنھوں نے وحی اور نزول قرآن کا زمانہ پایا تھالہذا ضروری ہے کہ حق ان سے خارج نہ ہو۔(۴)

ابن قصار کہتے ہیں کہ اہل مدینہ کا عمل اس لیے بھی حجت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اسی جگہ قیام فرمایا مدینہ میں ہی آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی اسی میں احکام شریعت نے استحکام پایا اہل مدینہ نے اس سب کا مشاہدہ کیا اس کو جانتے تھے ان سے کوئی چیز مخفی نہ تھی نبی اکرم ﷺ کی نسبت عمل اہل مدینہ کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ آپؐ نے اہل مدینہ کو یہ کام کرنے کا حکم دیا۔

۲۔ آپؐ نے عمل کیا اور اہل مدینہ نے اس کی پیروی کی۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ نے اہل مدینہ کو کوئی کام کرتے دیکھا اور اس پر ان کی خاموش رہ کر اس کی تائید فرمادی۔

ان میں سے جو صورت بھی ہو اہل مدینہ کا عمل حجت ہے۔(۵)

اہل مدینہ کے راوی دوسرے شہروں کے راویوں کی روایت پر مقدم ہیں کیونکہ جماعت کا جماعت سے نقل کرنا خبر واحد کے خبر واحد سے نقل کرنے سے بہتر ہے جیسے سنت متواترۃ سنت آحاد پر مقدم ہے۔

۱۔ شعبان، اصول الفقہ، ص:۵۱

۲۔ شعبان، اصول الفقہ، ص:۵۴

۳۔ باشا، المذاھب الفقھیہ الاربعہ، ص:۶۱

۴۔ البدوی، یوسف احمد محمد، مدخل الفقہ الاسلام واصولہ، ط/۱، دار الحامد للنشر والتوزیع، عمان، اردن، ۲۰۰۷ء، ص:۲۵۹

۵۔ ابن القصار، امام ابی الحسن علی بن عمر المالکی، المقدمۃ فی اصول الفقہ، ط/۱، دار الغرب الاسلامی، الجزائر، ۱۹۹۶ء، ص:۷۷

امام مالکؒ کو اس کا جواب دیا اس میں بھی یہ مذکور ہے۔[1]

عمل اہل مدینہ سے مراد وہ عمل ہے جو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں تھا۔[2]

اس کی بہت سی مثالیں مثلا امام مالکؒ لکھتے ہیں کہ لاتجب الزکاة علی وارث فی مال ورثة قال مالك السنة عندنا التی لا اختلاف فیها عندنا وہ مال جو وارث کو وراثت میں ملتا ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے امام مالکؒ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک جو سنت ہے اور جس پر کوئی اختلاف نہیں ہے وہ یہی ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اہل مدینہ کا عمل یہی ہے جس پر اہل مدینہ عمل کر رہے ہیں۔[3]

۲۔ اجماع اہل مدینہ

امام مالکؒ اجماع اہل مدینہ کو تسلیم کرتے ہیں جیسے سبزیوں پر زکوۃ کو ختم کرنے کا مسئلہ ہے یہ معلوم ہے کہ آپؒ کے دور میں سبزیاں تھیں مگر آپؒ کے زکوۃ نہ لینے پر اہل مدینہ کا اجماع ہے امام مالکؒ اس اجماع کو قبول کرتے ہیں اس کے مطابق عمل کرتے ہیں اگرچہ دوسرے فقہانے اس کی مخالفت کی ہے۔[4]

۳۔ اہل مدینہ کا اجماع اور اخبار میں تعارض

اہل مدینہ کے اجماع اور اخبار میں تعارض ہو جائے تو امام مالکؒ اور اصحاب امام مالکؒ کے نزدیک اہل مدینہ کا اجماع اخبار مقدم ہے یہ رائے صرف مالکی فقہا کی ہے ابن عاصم کہتے ہیں

وعند مالك و اهل المذهب   معتبر اجماع اهل يثرب

مقدم عندهم على الخبر   و خلف غيرهم لهم فيه اشتهر

امام مالکؒ اور دیگر مالکی علما کے ہاں اہل یثرب کا اجماع معتبر ہے اور امام مالکؒ اور مالکی علما کے ہاں یہ اہل یثرب کا اجماع خبر پر مقدم ہے اس میں دوسرے تمام مذاہب نے ان کی مخالفت کی ہے اور مالکی اس میں مشہور ہیں۔[5]

۴۔ المصالح المرسلہ

مصالح مرسلہ امام مالکؒ کے نزدیک شریعت کا اہم مصدر ہے مالکی فقہا کو اس مصدر کے استعمال کے حوالے سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شریعت کی اساس ہی مصلحت پر ہے جن مصالح کا اعتبار شریعت نے کیا ہے اگر انہیں ملحوظ نہ رکھا جائے تو شریعت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے البتہ مصالح کے استعمال میں کچھ قیود اور شرائط بھی ہیں[6]

ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلون کی تحقیق کے مطابق بھی ائمہ اربعہ میں سے فقط امام مالکؒ نے مصالح مرسلہ کو ایک مستقل شرعی دلیل کے طور پر تسلیم کیا ہے اور استنباط احکام میں اس کے استعمال میں کثرت سے کام لیا ہے یہی وجہ ہے کہ مصالحہ مرسلہ کا اصول امام مالک سے منسوب ہے[7]

۱۔ الجوزی، ابی عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب المعروف بابن القیم، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ط/۱، تحقیق ابو عبیدہ آل سلمان، دار ابن الجوزی للنشر والتوزیع، دمام، سعودی عرب، ۱۴۲۳ء، ص:۴/۴۷۷

۲۔ السلمی، اصول الفقه، ص:۱۳۷

۳۔ سیف، عمل اهل مدینه، ص:۲۵۲

۴۔ ابن القصار، المقدمة فی اصول الفقه، ص:۶۷ رازی، المحصول، ص:۴/۱۶۲

۵۔ الشعلان، عبد الرحمن بن عبد اللہ، اصول فقه امام المالك و ادلته النقلیه، ط/۱، مکتبہ الملک فہد الوطنیہ، ریاض، ۲۰۰۳ء، ص:۱/۸۵۱

۶۔ ڈاکٹر حبیب الرحمن، فقہی اختلاف حقیقت اسباب اور آداب وضوابط، ط/۲ شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء، ص:۴۵

۷۔ ڈھلون، عرفان خالد، علم اصول فقہ ایک تعارف، ط/۲، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص:۱/۴۳۱

مقدم ہے۔(۱)

مالکی علما سے یہ رائے منقول ہے جیسے قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اہل مدینہ کا عمل حدیث سے اقوی ہے علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ امام مالکؒ اس وقت تک مسند اور مرسل پر عمل کرتے ہیں جب تک یہ اہل مدینہ کے عمل کے خلاف نہ ہوں۔(۲)

۷۔ قول صحابی اور اہل مدینہ کا عمل

امام مالکؒ کے ہاں اہل مدینہ کا عمل قول صحابی پر مقدم ہے(۳)

۷۔ سد ذرائع

امام مالکؒ نے کثرت سے سد ذرائع کو استعمال کیا ہے اسی لیے علما نے کہا کہ سد ذرائع مذہب امام مالکؒ کی خصوصیات میں سے ہے۔(۴)

۳۔ خبر واحد صحیح اور اہل مدینہ کا عمل

جب کسی معاملے میں عمل اہل مدینہ موجود ہو اور علما اس عمل اہل مدینہ پر اتفاق کریں تو اس وقت مالکی فقہا کے ہاں خبر واحد صحیح پر عمل اہل مدینہ مقدم ہے۔(۵)

قیاس اور اہل مدینہ کا عمل

جب کسی معاملے میں اہل مدینہ کا عمل موجود ہو اور علما اس عمل اہل مدینہ پر اتفاق کریں تو اس وقت مالکیہ کے ہاں قیاس پر عمل اہل مدینہ مقدم ہے۔(۶)

کیونکہ امام مالکؒ اہل مدینہ کے عمل کو مدرک احکام قرار دیتے ہیں یہ بات امام مالکؒ کے خاص ہے کہ عمل اہل مدینہ کو حجت قرار دیتے ہیں۔(۷)

قیاس اور عادات سے عموم قرآنی کی تخصیص

ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ دو امر باقی بچ جاتے ہیں پہلا یہ کہ عموم قرآنی کی قیاس سے تخصیص لگانا اور دوسرا یہ کہ عام قرآنی کی عادت سے تخصیص لگانا یہ دو ایسے امور ہیں جن میں امام مالک بلکہ اگر دقیق عبارت میں کہا جائے تو فقہ مالکی منفرد ہے فقط مالکی علما ہی اس کے قائل ہیں(۸)

مبحث سوم: فقہ مالکی کے مشہور علمائے اصول

۱۔ ابن حاجب

۱۔ الشعلان، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/ ۸۴۸ مناع القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۵۳

۲۔ الشعلان، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/ ۸۴۹

۳۔ مناع القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۵۴

۴۔ مناع القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۵۶

۵۔ البدوی، مدخل الفقہ الاسلام واصولہ، ص:۲۵۹

۶۔ ایضاً، ص:۲۵۹

۷۔ باشا، المذاہب الفقہیہ الاربعہ، ص:۶۱

۸۔ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/ ۱۹۶

قاہرہ میں ہوئی پھر دمشق تشریف لائے اور اسی میں سکونت اختیار کر لی آپ کا انتقال ۶۴۶ ھجری میں مصر کے شہر اسکندریہ میں ہوا آپ کے والد کا نام حاجب تھا آپ اسی نسبت سے معروف ہوئے آپ ایک فاضل فقیہ، اصولی اور متکلم تھے آپ نے فن تحقیق، ادب اور شاعری میں بھی نام پیدا کیا اس حوالے سے علما کے اقوال ملاحظہ کیجیے۔

ابن مھدی نے معجم میں کہا کہ ابن حاجب اپنے زمانے کی نشانی تھے عظیم فہم و فراست کے مالکؒ ہیں الفاظ اور ان کے معانی کے عالم ہیں ان کے قواعد کی بنیاد رکھنے والے تھے مذھب امام مالکؒ کے فقیہ تھے مصر و شام میں رہے۔

شیخ الشام شھاب الدین دمشقی نے کہا ہے ابن الحاجب علم و عمل دونوں میں دین کے رکن تھے علوم اصول اور شریعت کے ماہر تھے امام مالکؒ کے مذھب پر یقین رکھتے تھے آپ ثقہ مصنف تھے علم اور اہل علم سے محبت کرتے تھے علم کو نشر کرتے تھے اور آنے والی مصیبتوں پر صبر کرتے تھے۔

آپ کے مشہور شاگردوں میں شھاب الدین القرافی، قاضی ناصر الدین ان کے بھائی منیر الدین اور ناصر الدین الزواوی زیادہ مشہور ہیں ان کی مندرجہ ذیل تالیفات مورد تحقیق ٹھہری ہیں ا۔ الکافیہ فی النحو یہ علم نحو کی معروف کتاب ہے اسے صحیح سمجھنے والا عالم قرار پاتا ہے اس کتاب کی بہت زیادہ شروحات لکھی گئی ہیں علماء نے علم نحو میں اسے مغلق ترین کتاب قرار دیا ہے جس میں مطالب دقت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں ۲۔ المقصد الجلیل ۳۔ الامالی فی النحو ۴۔ منتھی السوال و الامل فی علمی الاصول و الجدل ۵۔ مختصر منتھی السوال و الامل مختصر منتھی السوال و الامل اپنے فن کی بہترین کتاب ہے علماء نے اس پر اعتماد کیا ہے ۶۔ شرح المفصل للزمخشری ۷۔ کتاب فی العقیدہ ۸۔ کتاب فی القرات ۹ جامع الامھات فی فروع الفقہ المالکی۔

آپ نے ایک مصروف زندگی گزاری پہلے تحصیل علم اور پھر ترویج علم کی کوشش کرتے رہے آپ کا انتقال ۲۶ شوال ۶۴۶ ھجری کو ہوا۔[1]

۲۔ ابو الولید الباجی المالکیؒ

سلیمان بن خلف بن سعدون بن ایوب بن وارث ابو الولید الباجی المالکیؒ آپ کا شمار کبار مالکی علما میں ہوتا ہے۔ا آپ باجہ نامی جگہ جو کہ اندلس میں واقع ہے وہاں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اندلس سے حاصل کی ۴۲۶ھ میں مشرق منتقل ہوئے پہلے حجاز میں قیام کیا پھر بغداد منتقل ہو گئے آپ بغداد میں تین سال فقہ پڑھاتے اور حدیث سنتے رہے یہی پر آپ کی ملاقات بڑے بڑے مالکیؒ علماء سے ہوئی ابی الفضل بن عمرو جن کو امام المالکیہ کہا جاتا ہے ان سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی اس کے بعد آپ شام چلے گئے یہاں ابن سماء اور اس طبقہ کے لوگوں سے احادیث سنیں یہاں سے موصل چلے گئے موصل میں ایک سال علم اصول پڑھا پھر حلب گئے جہاں کے قاضی بن گئے حلب سے دمشق آئے یہاں ایک عرصہ یہاں قیام کیا آپ تیرہ سال مشرق میں رہنے کے بعد اپنے وطن اندلس لوٹ گئے ان تیرہ سالوں میں آپ کا سینہ علم سے بھر چکا تھا جب واپس وطن پہنچے تو ان کی مالی حالت اچھی نہ تھی قاضی عیاض الباجی کے حالات نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں انہوں نے ایک عرصہ تک بغداد میں بطور راجیر کام کیا اور اس رقم سے اپنے اخراجات پورے کرتے تھے جب اندلس واپس آئے تو آپ کی مالی حالت پتلی تھی انہوں نے کوشش جاری رکھی مختلف کام کیے یہاں تک کہ آپ کا علم لوگوں پر ظاہر ہو گیا لوگوں نے ان کو اور ان کے حق کو پہچان لیا اس کے ساتھ دنیا بھی آ گئی یوں ان کے حالات میں وسعت آ گئی۔

ا۔ شعبان، اصول الفقہ، ص: ۳۰۷-۳۰۸

بیان فرمایا ان کے زمانے میں ثابت بن [illegible] نے بہت شدت اختیار کر لیا [illegible] گروہ بن گیا [illegible] کہا جو ثابت بن قائل ہے وہ کافر ہے یہ گروہ ظاہر قرآن سے استدلال کرتا تھا کیونکہ قرآن نے آپ کو امی کہا ہے۔

آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جس میں حافظ شرق و غرب ابو بکر بن خطیب اور ابن عبد البر جیسے علماء شامل ہیں جو ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے آپ کے اور ابن حزم کے درمیان بہت سے مناظرے ہوئے یہ بات مخفی نہ رہے الباجی کی علوم شرعیہ میں اپنی تمام تر علیت کے باوجود یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم ان کا تقابل امام ابن حزم سے کریں ابن حزم وہ ہیں جن کے بارے میں مصنفین نے کہا ہے کہ وہ علم کا بہت بڑا سمندر تھے اور اندلس کی علمی صدارت انہی کے پاس ہے آپ نے بہت سی کتب لکھیں جن میں اہم مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ احکام الفصول فی احکام الاصول یہ کتاب مطبوع اور متداول ہے اس کی تحقیق عبد المجید الترکی نے کی ہے اور اس کتاب پر ایک عالی شان مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں مولف کے منہج کو بیان کیا ہے

۲۔ الارشاد فی اصول المالکیۃ یہ مولف کی مشہور کتاب ہے جو شیخ محمد بن حسین کے حاشیہ کے ساتھ چھپی ہے اس کا حجم چھوٹا ہے یہ کتاب انہوں نے خود تحریر نہیں کی بلکہ اپنے اصحاب کو املاء کرائی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب بسملہ اور حمد خدا سے شروع نہیں ہوتی جیسا کے اس زمانے اور آج کا متداول طریقہ تھا یہ کتاب ادلہ شرعیہ کی اقسام سے شروع ہوتی ہے۔

۳۔ تفسیر المنہاج فی ترتیب طرق الحجاج یا السراج فی علم الحجاج اس کتاب میں انہوں نے ائمہ کی تعریف کی ہے فقہاء و محدثین کی عظمت کو بیان کیا ہے ان کی صفات اور القاب حسنہ کا ذکر کیا ہے۔

وہ آراء جو الباجی کو دوسرے اصولیوں سے ممیز کرتی ہیں ان میں الباجی کا مفہوم مخالف کی بہت سی اقسام کا قائل نہ ہونا ہے یہاں وہ اپنے مد مقابل امام ابن حزم کی رائے کے قریب چلے گئے ہیں جنہوں نے مفہوم کی حجیت کا انکار کیا ہے[1]۔

الباجی کا انتقال المریہ نامی جگہ پر ہوا جہاں وہ روسائے اندلس کے سفیر تھے اور ان کو اسلام کی طرف مائل کر رہے تھے ان کو اسلام دشمنوں کے خلاف اکٹھا کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اپنی غرض کے پورا ہونے سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے آپ کا انتقال ۴۹۳ ھجری کو ہوا۔[2]

۳۔ امام القرافی

آپ کا نام احمد بن ادریس بن عبد الرحمن شہاب الدین المنہاجی اور کنیت ابو العباس تھی آپ کا تعلق قبیلہ منہاجیہ سے تھا جو کہ مشہور قبیلہ بربر کی ذیلی شاخ ہے قرافہ قاہرہ میں ایک محلہ ہے جہاں امام شافعیؒ کی قبر ہے آپ قاہرہ میں پیدا ہوئے اور یہیں پر آپ کی نشو و نما ہوئی اور یہیں پر آپ نے وفات پائی قرافی سے آپ کی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ آپ درس میں شرکت کے لیے ہمیشہ قرافہ والی طرف سے آتے تھے ایک دن حاضری لگانے والے نے حاضری لگائی تو آپ نہ تھے اس نے آپ کے نام کی جگہ القرافی لکھ دیا اسی مناسبت سے آپ قرافی کے نام سے معروف ہو گئے۔

آپ فقہ مالکی کے بہت بڑے امام اور عالم تھے آپ کے دور میں مالکی مسلک کی باگ دوڑ آپ کے پاس تھی اپنے عہد کے بے مثال عالم تھے آپ حافظ تھے آپ میں یہ صلاحیت تھی کہ آپ اپنی بات بہت جلد سمجھا لیتے تھے آپ جامع العلوم تھے علماء نے آپ کو اصول الفقہ، تفسیر، حدیث، علوم عقلیہ، علم کلام اور علم نحو کا ماہر مانا ہے آپ کی تصانیف مورد

۱۔ ابی الطیب مولود السریری السوسہ، معجم الاصولیین یحتوی علی علماء اصول الفقہ و اصحاب الآراء فیہ المولفین فیہ، ط/۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲ء، ص:۲۲۲-۲۲۴

۲۔ شعبان، اصول الفقہ، ص:۱۸۹

صدی ہجری میں مصر کے تین اعلم ترین افراد قرافی، ابن دقیق اور ابن منیر ہیں ابن منیر اور قرافی مالکیؒ ہیں اور ابن دقیق نے فقہ مالکی اور فقہ شافعی میں جمع کیا ہے۔

مولفات

آپ نے مختلف علوم میں کام کیا آپ کی مندرجہ ذیل کتابیں معروف ہیں۔

۱۔ کتاب التنقیح فی اصول الفقہ ۲۔ شرح محصول الامام فخر الدین ۳۔ کتاب الذخیرۃ فی الفقہ ۴۔ کتاب شرح التہذیب ۵۔ شرح اربعین لفخر الدین الرازی۔

آپ کا انتقال ۶۸۴ ہجری کو قاہرہ میں ہوا اور آپ قرافہ کبری میں مدفون ہوئے۔(۱)

۴۔ شریف التلمسانی

آپ کا نام محمد بن احمد الادریسی الحسنی اور کنیت ابو عبد اللہ العلوینی تھی شریف تلمسانی کے نام سے معروف ہوئے آپ مغرب میں مالکیہؒ کے امام تھے آپ ۷۱۰ ہجری کو علوین نامی گاؤں میں پیدا ہوئے یہ گاؤں تلمسان میں ہے آپ کی پرورش تلمسان میں ہوئی اس کے بعد آپ فاس منتقل ہو گئے جہاں سے ۷۵۹ ہجری میں اپنے گاؤں واپس آئے اس وقت تلمسان کا حاکم موسی بن یوسف تھا جو ایک علم دوست حاکم تھا اس نے اپنی بیٹی کی شادی آپ سے کر دی اور آپ کے لیے ایک مدرسہ تعمیر کرایا جہاں آپ اپنی وفات تک تدریس کرتے رہے آپ نے ابی زید بن یعقوب سے قرآن پڑھا آپ کے اساتذہ میں قاضی ابی عبد اللہ بن الھدیہ القرشی، ولی صالح عبد اللہ مجاص اور قاضی تمیمی شامل ہیں۔

جلد ہی آپ کی علمی شہرت ہو گئی علماء نے آپ کو مغرب کا امام تسلیم کیا ہے آپ عظیم قوت کے مالکؒ، صاحب اجتہاد اور ان علماء میں سے تھے جن کو راسخون فی العلم کہا جاتا ہے آپ کی شخصیت سے علم کے چشمے پھوٹتے تھے آپ نے تیونس کا علمی سفر کیا وہاں علماء اور عوام نے آپ کو اعلی مقام دیا آپ بہت سے علوم کے ماہر تھے جن میں فلسفہ اور تصوف میں تو آپ درجہ کمال تک پہنچے ہوئے تھے اس کے ساتھ ساتھ علم اصول الفقہ، حساب، ریاضی، ھیئت اور فقہ کے بھی ماہر تھے۔

آپ تدریس کیا کرتے تھے آپ نے اپنے علم سے مغرب عربی کو پر کر دیا آپ کے شاگردوں کی تعداد کافی زیادہ بیان کی گئی ہے ان میں مشہور آپ کے فرزند عبد اللہ اور عبد الرحمن تھے اس کے ساتھ امام شاطبی، ابن زمرک اور مشہور مورخ ابن خلدون اہم ہیں آپ کی تصنیفات میں مشہور اصول الفقہ پر آپ کی کتاب مفتاح الاصول بناء الفروع علی الاصول ہے آپ کا انتقال ۷۷۱ ہجری میں ہوا۔(۲)

مبحث چہارم: فقہ مالکی کی اصول فقہ میں مشہور کتابیں

۱۔ مختصر المنتھی یا المختصر الاصولی

اسے شیخ جمال الدین ابی عمرو عثمان بن عمر الاسکندری المعروف ابن الحاجب نے لکھا انہوں نے اسے اپنی کتاب منتھی الوصول والامل فی علمی الاصول والجدل سے مختصر کیا یہ ایسی کتاب ہے جس کا حجم کم ہے ترتیب اعلی ہے۔ علم سے بھری ہے۔ علمی دنیا میں عظیم نام ہے علم اصول کے مہم مسائل پر مشتمل ہے۔

۱۔ ابی الطیب، معجم الاصولیین، ص: ۲۶۷، ۲۶۶ قرافی، شہاب الدین احمد بن ادریس، تحقیق: احمد عبد اللہ، العقد المنظوم فی الخصوص و العموم، ط/۱، دار الکتب، قاہرہ، ۱۹۹۹ء، ص: ۱/ ۵۱

۲۔ ابی الطیب، معجم الاصولیین، ص: ۳۶۲ تا ۳۶۳

للطباعۃ والنشر نے ۱۴۰۶ھ میں چھاپا۔

۲. ایک شرح قاضی عضد الملۃ شیخ عبد الرحمن بن احمد بن عبد الغفار الایجی نے تحریر کی یہ پہلی بار ۱۳۰۷ھ میں استنبول سے چھپی

اس میں مشہور علماء سعد الدین تفتازانی اور سید شریف جرجانی کے حاشیے ہیں۔

اس پر بہت سی شروح علما کرام نے لکھیں جو ابھی تک چھپ نہیں سکیں ان میں سے مشہور علامہ تاج السبکی اور محمد بن محمد البابرتی کی شروح ہیں۔

مختصر المنتھی میں میں موجود احادیث کی تخریج پر بہت ساری کتب لکھی گئی ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں

۱. تحفۃ الطالب بمعرفۃ احادیث مختصر ابن الحاجب اسے حافظ عماد الدین الدمشقی نے تحریر کیا۔
۲. المعتبر فی تخریج احادیث المنہاج و المختصر اسے علامہ بدر الدین زرکشی نے لکھا۔
۳. موافقۃ الخبر الخبر فی تخریج احادیث المختصر اسے حافظ علی بن احمد حجر العسقلانی نے تحریر کیا ہے۔[1]

۲۔تنقیح الفصول فی اختصار المحصول فی الاصول

اسے شہاب الدین ابی العباس احمد بن ادریس القرافی متوفی ۶۸۴ھ نے تحریر کیا یہ کتاب اصل میں مصنف کی کتاب الذخیرۃ کا مقدمہ ہے۔

شروح

شرح تنقیح الفصول یہ شرح خود مؤلف نے لکھی کئی بار چھپ چکی ہے مطبع التونسیۃ نے تونس میں ۱۳۲۸ء میں چھاپی۔

حواشی

۱. التوضیح لشرح تنقیح الفصول: یہ حاشیہ ابی العباس احمد بن عبد الرحمن حلولو نے لکھا تھا۔
۲. التوضیح و التصحیح لمشکلات کتاب التنقیح: یہ حاشیہ محمد بن طاہر بن عاشور المتوفی ۱۲۸۴ھ نے لکھا اسے مطبع النھضۃ تونس نے ۱۳۴۱ھ میں چھاپا۔
۳. منہج التحقیق و التوضیح: یہ حاشیہ محمد جعیط مفتی تیونس نے لکھا انہوں نے تنقیح الفصول کے نام سے بیس ابواب پر مشتمل اس کتاب کی تلخیص بھی کی یہ شیخ جمال الدین قاسمی کی تعلیق کے ساتھ مکتبہ ہاشمیہ سے چھپی ہے۔[2]

۳۔مفتاح الوصول الی بناء الفروع علی الاصول

یہ امام شریف ابی عبد اللہ محمد بن احمد الحسینی التلمسانی کی تالیف ہے اس کتاب کا شمار فقہ مالکی کی بنیادی کتب اصول میں ہوتا ہے اصول فقہ فقہ مالکی کے نظریات کو جاننے کے لیے یہ ایک بنیادی منبع کی حیثیت رکھتی ہے اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مطالب کو انتہائی سلیس انداز میں ترتیب کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے ہر باب کئی فصول اور ہر فصل کئی ذیلی مباحث سے تشکیل پائی ہے پہلا باب سند کے بارے میں بحث کرتا ہے اس میں خبر واحد اور خبر متواتر کی بحث کی گئی ہے دوسرا باب دلالت کی ابحاث پر مشتمل ہے اس میں امر، نہی، نص، مجمل، مشترک، حقیقت و مجاز اور ترادف کی بحث کی گئی ہے تیسرا باب اصل نقلی کے بارے میں ہے اس میں نص کی بحث کے ساتھ ساتھ ناسخ و منسوخ کی بحث کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے چوتھا باب راجح سے متعلق ہے کہ اصل نقلی میں کسے ترجیح حاصل ہے

۱۔ عبد العزیز بن ابراھیم بن قاسم، الدلیل الی المتون، ص:۲۹۹

۲۔ عبد العزیز بن ابراھیم بن قاسم، الدلیل الی المتون، ص:۳۰۰، ۳۰۱

یہ کتاب محمد علی فرکوس جو کہ جامعہ الجزائر کے استاد ہیں ان کی تحقیق کے ساتھ مؤسسہ الریان للطباعۃ والنشر والتوزیع کی طرف سے پہلی بار ۱۹۹۸ء میں طبع ہوئی تھی

۴۔ کتاب المنہاج فی ترتیب الحجاج

اسے ابوالولید الامام الباجی المالکی نے لکھا ہے امام الباجی کی اصول فقہ پر بہت سی کتب ہیں ان میں کتاب الحدود اور کتاب المنہاج خاص طور پر معروف ہیں یہ کتاب اصولی مباحث پر مشتمل ہے اس کے نو ابواب ہیں پہلا باب بحث کرنے کے اصول اور اس کے ادب سے متعلق ہے دوسرے باب میں ادلہ کی بحث کی گئی ہے جس میں قرآن، سنت، اجماع اور استصحاب شامل ہیں تیسرا باب مختلف اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے لکھا ہے اس میں پہلے اعتراض لکھتے ہیں اور اس کے بعد اس کا جواب دیتے ہیں چوتھا باب قرآن سے متعلق ہے اس میں اختلاف قرات، نسخ اور تاویل وغیرہ کی بحث کو شامل ہے پانچواں باب سنت سے متعلق ہے اس میں سند، متن اور اختلاف روایت جیسے مباحث کو تفصیل سے بیان کیا ہے چھٹا باب اجماع کے بارے میں ہے اس میں اجماع پر ہونے والے اعتراضات اور جوابات دیے گئے ہیں اجماع اہل مدینہ کی حیثیت پر بھی بات کی گئی ہے ساتواں باب لحن خطاب، حصر اور قیاس جیسے مباحث پر مشتمل ہے اس میں علت پر سیر حاصل بحث کی ہے آٹھواں باب استصحاب سے متعلق ہے اس میں استصحاب کی حجیت پر بات کی ہے نواں باب ترجیح کی بحث کرتا ہے کہ متن اور اسناد وغیرہ میں ترجیح کیسے حاصل ہو گی۔ یہ کتاب عبدالمجید الترکی کی تحقیق کے ساتھ دارالغرب الاسلامی بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

مبحث پنجم: فقہ مالکی کی ادلہ اجتہاد

مالکی علما کے ہاں مندرجہ ذیل ادلہ اجتہاد ہیں۔

۱۔ قرآن ۲۔ سنت ۳۔ اجماع ۴۔ قیاس ۵۔ اہل مدینہ کا اجماع۔ (۱)

استاد ڈاکٹر محمد ابراہیم الحفناوی نے مالکی مسلک کے مندرجہ ذیل ادلہ کو ذکر کیا ہے۔

۱۔ قرآن ۲۔ سنت ۳۔ اجماع ۴۔ اہل مدینہ کا اجماع ۵۔ قیاس ۶۔ قول صحابی ۷۔ المصالح المرسلہ ۸۔ عرف ۹۔ استصحاب الحال ۹۔ سد ذرائع۔ (۲)

۱۔ قرآن

امام مالکؒ کی نظر میں قرآن کلیات شرعیہ پر مشتمل ہے یہ دین کا بہترین حصہ ہے قرآن رسالت کی نشانی ہے امام مالکؒ کا خلق قرآن کے بارے میں بہت سخت موقف تھا فرمایا ان کے نزدیک جو یہ کہے کہ قرآن مخلوق ہے وہ زندیق ہے اور اسے قتل کیا جائے گا اس لیے آپ کے نزدیک ترجمہ قرآن کی تلاوت اور نماز میں ترجمہ کافی نہیں ہے بلکہ یہ ایک طرح کا معنی معقول ہے جو نص سے سمجھا جاتا ہے [۳] علم اصول کا ماہر اپنے علم کو بروکار لاتے ہوئے قرآن سے ادلہ اجمالیہ اور احکام جزئیہ اخذ کرتا ہے۔ (۴)

۲۔ سنت

۱۔ البدوی، مدخل الفقہ الاسلام واصولہ، ص:۲۵۹ شعبان، اصول الفقہ، ص:۴۷

۲۔ الحفناوی، محمد ابراہیم، مصطلحات الفقہاء والاصولیین، دارالسلام للنشر والتوزیع، قاہرہ، طبع ثالثہ ۲۰۰۹ء، ص:۷۸

۳۔ مناع القطان تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۵۳

۴۔ الولاتی، علامہ محمد یحیٰ، نیل السول علی مرتقی الوصول، دار عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۲ء، ص:۸۹

بہت زیادہ اہمیت تھی آپ مرسل حدیث کو بھی جب اس کے راوی ثقہ ہوں قبول فرماتے تھے اسی طرح جب آپ صحت حدیث سے مطمئن ہو جاتے تو ان روایات کو بھی قبول فرماتے تھے جن کی سند متصل نہ ہوتی۔[۱]

سنت پر عمل کرنا واجب ہے اور یہ وجوب قرآن سے ثابت وجوب کی طرح ہے۔[۲]

سنت سے احکام کو حاصل کرنے کی منزلت قرآن جیسی ہے سنت متواترہ قطعی الصدور ہے اور خبر واحد استدلال کرنے اور صدور میں تو قرآن جیسی نہیں ہے مگر اس سے احکام کو حاصل کرنے کے لیے بطور ماخذ اسی طرح استفادہ کیا جاتا ہے جیسے قرآن سے استفادہ کیا جاتا ہے خبر واحد سے حاصل ہونے والا حکم ظنی ہوتا ہے۔[۳]

۳۔ عمل اہل مدینہ

امام مالکؒ فرماتے تھے مدینہ دارالھجرۃ ہے اس میں قرآن نازل ہوا ہے نبی اکرم ﷺ اور اصحاب نبی اکرم ﷺ نے اس میں زندگیاں گذاری ہیں اہل مدینہ قران کو سب سے زیادہ جانتے ہیں اسی طرح وحی کی جو تفسیر نبی اکرم ﷺ نے فرمائی اس کو بھی سب سے زیادہ جانتے ہیں یہ وصف صرف اہل مدینہ میں ہے اس لیے حق یہ ہے کہ اس راستے سے نہ ہٹا جائے جس پر اہل مدینہ چل رہے ہیں پس ان کا عمل حجت ہے اور عمل اہل مدینہ قیاس پر مقدم ہے اسی طرح عمل اہل مدینہ خبر واحد پر بھی مقدم ہے۔[۴]

عمل اہل مدینہ

ما نقله اهل المدينة من سنن نقلا مستمرا عن زمن النبی ﷺ او ما كان رایا و استدلالا لهم

وہ سنتیں جنہیں اہل مدینہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے نقل کریں یا جو انہوں نے دیکھا ہو یا جو انہوں نے استدلال کیا ہو اسے نقل کریں تو یہ اہل مدینہ کا عمل کہلاتا ہے۔

اہل مدینہ کے عمل کے مصادر وہ سنن جو نبی اکرم ﷺ سے نقل ہوئی ہیں صحابہ کرام کی رائے اور استدلال اسی طرح تابعین کی رائے شامل ہے آپؐ کے زمانے سے منقول تمام چیزیں سنت ہیں اور ان کی حجیت پر اتفاق ہے وہ استدلال جو صحابہ سے مدینہ میں منقول ہو وہ جمہور کے نزدیک حجت ہے وہ استدلال جو تابعین سے منقول ہو بعض مالکی علما کے ہاں یہ بھی حجت ہے۔[۵]

عمل اہل مدینہ سے مراد عمل قدیم ہے یا متاخرین کا عمل بھی مراد ہے؟

مالکی علما میں اس بات پر اختلاف ہے قاضی عیاض کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد صحابہ کا عمل ہے۔[۶]

یہاں ایک مسئلہ ہے کہ بہت سے ایسے مسائل ہیں جہاں پر امام مالکؒ نے قدیم اہل مدینہ کے عمل کی مخالفت کی ہے مثلاً زندہ عاجز اور میت کی طرف سے حج کرنا اور اسی طرح کچھ ایسے مسائل بھی ہیں جہاں متاخر بعد والے اہل مدینہ کے

۱۔ مناع القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۵۳

۲۔ ابن القصار، المقدمة فی اصول الفقه، ص:۴۴

۳۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۴۶

۴۔ مناع القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۵۳

۵۔ دکتور احمد محمد نور سیف، عمل اهل مدینه، ص:۲۱۷

۶۔ دکتور احمد محمد نور سیف، عمل اهل مدینه ص:۳۱۸

۴۔ قول صحابی

جب مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث نہ ملے تو قول صحابی مخالف نہ ہونے کی صورت میں حجت ہے کیونکہ صحابہ قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے اور مقاصد شریعت سے آگاہ تھے نزول قرآن کے وقت موجود تھے کلام نبی اکرم ﷺ کو سنا ان کے قول کو لینا بہتر ہے عمل صحابی کے ذریعے قیاس کو ترک جائے گا مگر اہل مدینہ کا عمل، قول صحابی پر مقدم ہے۔[۲]

۵۔ مصالح مرسلہ

مصالح مرسلہ وہ بنیاد ہے جس پر امام مالکؒ نے اپنے مذہب میں اعتماد کیا ہے یہ امام مالکؒ کے ہاں حجت ہے مصالح مرسلہ کا یہ اصول فائدہ پہنچاتا ہے یا دفع ضرر کرنا ہے کیونکہ تکالیف شرعیہ جو مقاصد خلق کی طرف پلٹتی ہیں۔[۳]

۶۔ القیاس

جب قرآن، سنت، قول صحابی اور اجماع اہل مدینہ میں کوئی نص نہ ملے تو امام مالکؒ اجتہاد کرتے ہیں اور اس میں قیاس کو قبول کرتے ہیں مؤطا میں ہے کہ امام مالکؒ سے پوچھا گیا: حائضہ کو پاک ہونے کے لیے پانی میسر نہیں ہے تو کیا ہو ایسی صورت میں تیمم کر سکتی ہے؟ امام مالکؒ نے جواب دیا وہ تیمم کر سکتی ہے حائضہ کی مثال مجنب شخص کی سی ہے جب پانی نہ ملے تو تیمم کر لے۔[۴]

۷۔ سد ذرائع

ذرائع ذریعہ کی جمع ہے علامہ قرافی نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ھی وسیلة الشئ ایک عمل مفسدہ کا باعث بن رہا ہے اگرچہ وہ مباح ہے تو اس کو ممنوع قرار دینا ضروری ہے کیونکہ مفسدہ کو دور کرنا منفعت کو حاصل کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔[۵]

۸۔ اجماع

اجماع وہ اصل ہے جس پر ہر زمانے میں عمل کیا گیا ہے یہ کسی ایک زمانے سے خاص نہیں ہے جیسے ہی واقع ہو گا اس کی اتباع ضروری ہو گی یہ امر شرعی، عقلی یا عرفی جس میں بھی واقع ہو جائے حجت ہو گا اجماع کی ہر چیز اور ہر زمانے میں اتباع ضروری ہے کیونکہ یہ معصوم ہوتا ہے۔[۶]

۹۔ خبر مرسل

امام مالکؒ خبر مرسل کو قبول کرتے ہیں۔[۷]

۱۰۔ شرائع سابقہ

امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہم شرائع سابقہ کی اطاعت کر سکتے ہیں۔[۸]

۱۱۔ استصحاب الحال

امام اما لکؒ کے نزدیک استصحاب الحال سے استفادہ درست ہے۔[۹]

۱۔ ایضاً، ص:۳۱۹

۲۔ مناع القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۵۴

۳۔ ایضاً، ص:۳۵۴

۴۔ ایضاً، ص:۳۵۵

۵۔ مناع القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۵۵

۶۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۶۳

۷۔ ابن القصار، المقدمة فی اصول الفقه، ص:۷۱

۸۔ ایضاً، ص۱۴۹

۹۔ ایضاً، ص:۱۵۷

مبحث اول: فقہ شافعی کا مختصر تعارف

مبحث دوم: فقہ شافعی کی ادلہ اجتہاد

مبحث سوم: شافعی کے اصولی امتیازات

مبحث چہارم: فقہ شافعی کے مشہور علمائے اصول فقہ

مبحث پنجم: فقہ شافعی کی علم اصول سے متعلق مشہور کتب

اہل خراسان شوافع کو اصحاب حدیث کہتے تھے ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ امام مالکؒ سے کسب فیض کرنے کے بعد عراق گئے وہاں امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب سے ملے ان سے علم حاصل کیا انہوں نے عراق کے طریقہ اجتہاد اور امام مالکؒ کے طریقہ اجتہاد کو اکٹھا کیا' اس سے پہلے امام شافعی نے ان دونوں یعنی اہل رائے اور اہل مدینہ کے منہج کو تفصیلاً پڑھ لیا تھا آپ اپنے علمی اختلاف میں ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے تھے ہم امام شافعیؒ کے فقہی کام کو تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں ۱۔ مکہ میں جہاں آپ تحصیل علم کے لیے مقیم رہے ۲۔ جب آپ دوسری بار بغداد تشریف لائے ۳۔ مصر جہاں پر آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے۔

جب آپ پہلی بار مکہ تشریف لائے تو نو سال مکہ میں مقیم رہے اس میں آپ نے علما کی آراء سے آگاہی حاصل کی امام شافعیؒ کی عادت تھی جہاں تشریف لے جاتے اس شہر میں حدیث کا جتنا علم ہوتا اسے حاصل کرتے تھے اس عرصے میں انہوں نے کلیات کا علم حاصل کیا اسی دور میں آپ نے عبد الرحمن مھدی کی فرمائش پر اپنی مشہور کتاب الرسالۃ ترتیب دی اسی سے آپ اصول الفقہ میں پہلے مدون قرار پائے۔ (۲)

کان الفقہ قفلا علی اھلہ حتی فتحہ اللہ بالشافعی (۳)

فقہ کو اہل فقہ کے لیے تالا لگا ہوا تھا یہاں تک امام شافعیؒ آئے اور
انہوں نے اس تالے کو کھولا اس کا مطلب یہ ہے کہ فقہ کو سمجھنا اہل فقہ کے لیے
بہت مشکل تھا امام شافعی نے فقہ کی مشکل گرہیں کھولیں

فقہ شافعیؒ تین طریقوں کے ذریعے پھیلی ہے ۱۔ امام شافعیؒ کے اسفار ۲۔ آپ کے شاگردوں کے ذریعے ۳۔ آپ کی کتابوں کے ذریعے (۴) مذہب شافعیؒ سب سے پہلے مصر میں ظاہر ہوا پھر عراق بغداد، خراسان بلاد شام فارس، حجاز، افریقہ اور ماوراء النہر تک پہنچا۔ (۵)

مبحث دوم: فقہ شافعی کی ادلہ اجتہاد

امام شافعیؒ اپنی شہرہ کتاب الام میں فرماتے ہیں علم کے کئی طبقات ہیں پہلا طبقہ قرآن و سنت ہے دوسرا طبقہ جہاں قران و سنت نہ ہو وہاں اجماع ہے تیسرا طبقہ اقوال صحابہ ہیں جب ان کا کوئی مخالف نہ ہو چوتھا طبقہ جہاں اصحاب نبی اکرم ﷺ کا اختلاف ہو اور پانچواں طبقہ قیاس ہے۔ (۶)

۱۔ قرآن ۲۔ سنت ۳۔ اجماع ۴۔ قیاس۔ (۷)

۱۔ قرآن و سنت

امام شافعیؒ قرآن و سنت کو شریعت کا مصدر اول قرار دیتے ہیں سنت کو قرآن کے ساتھ لاتے ہیں ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

۱۔ باشا، المذاھب، الفقھیہ الاربعہ، ص:۸۰
۲۔ الحفناوی، مصطلحات الفقھاء و الاصولیین، ص:۱۲۸، ۱۲۷
۳۔ ایضاً، ص:۱۲۸
۴۔ الحفناوی، مصطلحات الفقھاء و الاصولیین، ص:۱۲۹
۵۔ باشا، المذاھب الفقھیہ الاربعہ، ص:۸۱
۶۔ مناع القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۷۱
۷۔ الحفناوی، مصطلحات الفقھاء و الاصولیین، ص:۱۳۵

وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ کتاب وسنت دونوں اللہ کی طرف سے ہیں اگرچہ دونوں میں طرق اور اسباب الگ الگ ہیں سنت کے ذریعے کتاب کا علم حاصل کیا جاتا ہے سنت قرآن سے ملحق ہے کیونکہ پنے رسول ﷺ کی اطاعت فرض قرار دی گئی ہے سنت قرآن کا بیان واقع ہوتی ہے اور اس کے احکام کو بیان کرتی ہے سنت سے قرآن کو تخصیص لگائی جاسکتی ہے کیونکہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ اور کتاب کی اطاعت واجب قرار دی ہے ہر اتباع نبی ﷺ اصل میں اطاعت خدا و قرآن ہے امام شافعیؒ نے منکرین سنت کے تین گروہ کیے ہیں اور ہر ایک کو الگ الگ بہترین دلیل کے ساتھ جواب دیے ہیں۔[۲]

۲۔ اجماع

امام شافعیؒ نے کتاب وسنت کے بعد قیاس سے پہلے اجماع کو حجت قرار دیا ہے امام شافعیؒ کے نزدیک کسی ایک عصر کے علما کسی مسئلہ میں جمع ہو جائیں تو ان کا یہ اتفاق حجت ہو گا اسی امام شافعیؒ درجہ اولی میں صحابہ کے اجماعات کو حجت مانتے ہیں یہ اس لیے دلیل ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے بطور سنت سنا جس پر انہوں نے اجماع کیا امام شافعیؒ کے نزدیک تمام شہروں کا اجماع ہو تو حجت ہے امام شافعیؒ امام مالکؒ کی اس رائے کو رد فرماتے ہیں کہ عمل اہل مدینہ حجت ہے۔[۳]

۳۔ قول صحابی

امام شافعیؒ فرماتے ہیں جب قول صحابی کا کوئی مخالف معلوم نہ ہو اس وقت ہماری رائے سے بہتر ہے جب اصحاب نبی اختلاف کریں ہم اسے لیں گے جو کتاب خدا اور سنت رسول ﷺ کے قریب ہو گا امام شافعیؒ فرماتے ہیں صحابہ صرف اس بات پر متفق ہوں گے جس کو وہ بالضرورہ قطعی الدلالت جانتے ہوں گے کہ یہ دین کا حصہ ہے۔[۴]

۴۔ قیاس

قیاس کا مرتبہ تمام ادلہ کے بعد ہے امام شافعیؒ نے اس وقت تک اجتہاد بالرائے کرنے سے منع فرمایا ہے جب قرآن وسنت سے کوئی اصل نہ ہو جس پر قیاس کیا جائے خبر غیر معتبر کو اصل قرار دے کر بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا۔[۵]

مبحث سوم: فقہ شافعی کے اصولی امتیازات

۱۔ استحسان

امام شافعی استحسان کو بطور دلیل تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا موقف ہے

من استحسن فقد شرع[۶]

۱۔ سورۃ النجم ۵۳/۴،۳

۲۔ مناع القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۷۱ تا ۳۷۳

۳۔ ایضاً، ص:۳۷۴

۴۔ ایضاً، ص:۳۷۵

۵۔ مناع القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ص:۳۷۵

۶۔ الزحیلی، الدکتور الوھبہ، اصول الفقہ الاسلامی، ط/۱، دار الفکر، دمشق، ۱۹۷۶ء، ص:۲/۷۳۵

شافعی علما مصالح مرسلہ کے شدید مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی بھی صورت میں مصالحہ مرسلہ سے استنباط نہیں کر سکتے اور اس سے استفادہ کرنا دین میں اضافہ ہے اور اس کی پیروی کرنا خواہشات کی پیروی کرنے کی طرح ہے[1] بعض علما نے کہا کہ امام شافعیؒ مراسیل کو حجت تسلیم نہیں کرتے[2] امام جوینی کہتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ امام شافعیؒ سرے سے مراسیل کا انکار نہیں کرتے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ اگر مراسیل کے علاوہ کوئی دلیل نہ ہو اور مرسلہ بھی ثقہ راوی سے ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔[(۳)]

مبحث چہارم: فقہ شافعی کے مشہور علمائے اصول

۱۔ امام شافعیؒ

آپ ۱۵۰ ہجری میں غزہ فلسطین میں پیدا ہوئے آپ کا نام محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہاشمی قرشی مطلبی تھا آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی آپ اہلسنت کے چار اماموں میں سے ایک ہیں آپ دو سال کی عمر میں مکہ لائے گئے دوبار بغداد گئے پھر وہاں سے مصر تشریف لے گئے جہاں ۱۹۹ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا آپ کی قبر قاہرہ میں معروف ہے۔

آپ بہترین شاعر تھے اس کے ساتھ ساتھ ادب میں آپ کو اعلی مقام حاصل ہے آپ علم فقہ کے ماہر تھے علم قرات میں بھی ید طولی رکھتے تھے آپ نے تعلیم کا آغاز شعر و ادب سے کیا پھر فقہ اور حدیث کی طرف آئے جب آپ نے فتوی دینا شروع کیا تو آپ کی عمر صرف بیس سال تھی آپ انتہائی ذہین و فطین تھے۔

آپ نے مکہ مکرمہ میں بزرگ اساتذہ سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کی وہاں آپ نے امام مالکؒ کی شہرت سنی آپ کو ان سے پڑھنے کا شوق ہوا جب آپ مکہ سے چلنے لگے تو والی مکہ سے والی مدینہ کے نام خط لیا کہ والی مدینہ امام مالکؒ کو بلا کر امام شافعیؒ کو پڑھانے کا کہے امام شافعی نے جب خط والی مدینہ کو دیا تو والی مدینہ نے کہا امام مالکؒ تو کسی طور پر نہیں آئیں گے ہم ان کے پاس چلتے ہیں یہ دونو حضرات امام مالکؒ کے گھر آئے امام مالکؒ کو ملکر والی مدینہ نے امام شافعی کو شاگردی میں لینے کو درخواست کی امام شافعیؒ کی علم کی طرف رغبت دیکھ کر امام مالکؒ نے انہیں شاگردی میں قبول کر لیا اس طرح آپ نے اپنی علمی تشنگی کو امام مالکؒ کے درس علم سے بجھایا اور ان کی وفات تک انہی کے پاس رہے اس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے امام شافعیؒ یمن تشریف لے گئے جہاں بعض انتظامی امور آپ کے سپرد کیے گئے یہاں بھی آپ نے اپنی علمی مصروفیات کو جاری رکھا۔

امام شافعیؒ جدت فکر کے قائل تھے فرماتے تھے جب میں کسی بھی مسئلہ پر دلیل ذکر کروں یا کوئی بھی علمی بھرھان قائم کروں اور تمہاری عقول اسے قبول نہ کر رہی ہوں تو اسے ہر گز قبول نہ کرو کیونکہ عقل حق کو قبول کرنے کے لیے مضطر رہتی ہے آپ علم میں گہری تحقیق کے قائل تھے اور کسی بھی علم میں تخصص کا کہتے تھے طلبہ کو ترغیب دیتے تھے کہ وہ کسی بھی علم یا فن میں تخصص حاصل کریں فرماتے تھے میں کوئی صاحب فن نہیں دیکھا جس کا صرف ایک ہی فن ہو اور اس نے مجھ پر غلبہ نہ پایا ہو اور کوئی ایسا صاحب فن نہیں دیکھا جو دو فنون کے ساتھ ہو اور میں نے اس پر غلبہ نہ پایا ہو۔

۱۔ رضوانی، اصول فقہ مقارن، ص: ۳۵۴

۲۔ الجوینی، امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف، البرھان فی اصول الفقہ، دار الوفاء، مصر طبع الثالثۃ ۱۹۹۲ء، ص: ۱/۴۰۸

۳۔ الجوینی، البرھان، ص: ۱/۴۱۱

طرح عراق، یمن بغداد اور مصر میں بھی آپ نے تدریس فرمائی ان تمام جگہوں پر بے شمار لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا جن میں مشہور امام احمد بن حنبل، احمد بن خالد، احمد بن محمد بن سعید الصیرفی، محمد بن عبد اللہ، محمد بن شافعی اور اسحاق بن راھویہ زیادہ معروف ہیں آپ بواسیر کے مریض ہو گئے تھے اور آپ کا انتقال اسی مرض میں ہوا آپ کو اہل مصر نے بڑی عقیدت سے سپرد قبر کیا۔[۱]

امام شافعیؒ کی یہ کتب مشہور ہیں ا۔ الرسالہ ۲۔ کتاب الحجہ ۳۔ الام بہت بڑی فقہی کتاب ہے ۴۔ احکام القرآن بہت بڑی کتاب ہے امام شافعیؒ جس سے امام شافعیؒ کی علمیت کا اندازہ ہوتا ہے ۵۔ ابطال الاستحسان یہ کتاب استحسان کی رد میں لکھی۔[۲]

۲۔ الامام الجوینی

عبد الملک بن عبد اللہ بن بن یوسف بن محمد بن عبد اللہ بن حیویۃ الجوینی النیشاپوری امام الحرمین آپ ۱۸ محرم ۴۱۹ ہجری کو پیدا ہوئے آپ زبان میں فصیح باکمال ادیب اصولی، متکلم اور محقق تھے آپ نے عربی کے بنیادی علوم کی تعلیم حاصل کی فصاحت و بلاغت میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ عرب کے بڑے بڑے فصحاء آپ کے سامنے عاجز آجاتے تھے آپ کے والدین نے آپ کی تربیت میں اس قدر احتیاط سے کام کیا کہ آپ کو وہ مال بھی نہیں کھلایا جس میں شبہ ہوتا کہ یہ حرام کا ہے اس محنت اور احتیاط کا نتیجہ تھا کہ بہت کم وقت میں آپ کے علم کی شہرت چہار سو پھیل گئی آپ کا نام ایک صاحب علم ہونے کی حیثیت سے ضرب المثل بن گیا مشرق و مغرب کے علماء نے آپ کے علم و فضل کا اعتراف کیا آپ نے دین خدا کی ایسی خدمت کی کہ رہتی دنیا تک آپ کا نام رہے گا آپ اپنے وقت کے علم کلام اور علم اصول الفقہ کے اعلم ترین فرد تھے آپ علم اصول کی تعلیم کے لیے مدرسہ البیہقی میں علم اصول الفقہ کی تعلیم کے لیے تشریف لے گئے یہاں دن رات محنت کر کے تعلیم حاصل کی اس کے بعد علوم اسلامی کے مرکز بغداد تشریف لائے یہاں کے علماء کے ساتھ تعلیمی مباحثے اور مناظرے کیے جس سے ہر طرف آپ کی شہرت ہوگئی اس کے بعد فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ تشریف لے گئے جہاں فریضہ حج کو انجام دیا۔

چار سال مکہ میں تدریس کی اور فتوی دیا۔ آپ کے درس میں علماء اور طلبا کا رش لگا رہتا تھا تین سو ائمہ اور طلبہ آپ کے درس میں آتے آپ کے درس سے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے آپ کو یرقان کا مرض لاحق ہوا جس سے بروز بدھ ۲۵ ربیع الثانی ۴۷۸ھ کو فوت ہوئے آپ کی تصانیف و تالیفات درج ذیل ہیں:

ا۔ نہایہ آپ نے فقہ میں تالیف کی ۲۔ الشامل اصول الدین ۳۔ الارشاد بھی اصول الدین میں تحریر کی آپ نے اصول فقہ میں مندرجہ ذیل کتابیں تالیف کیں ا۔ البرھان ۲۔ التلخیص مختصر التقریب و الارشاد یہ باقلانی کی مشہور کتاب التقریب و الارشاد کی مختصر تلخیص ہے ۳۔ الورقات[۳]

ابو اسحق شیرازی لکھتے ہیں کہ اس امام سے فائدہ اٹھاؤ یہ اس زمانے کے بڑے عالم ہیں اسی طرح ایک بار امام حرمین کو مخاطب کر کے فرمایا اے اہل مشرق و مغرب کو فائدہ دینے والے آپ سے اگلے پچھلے استفادہ کریں گے تم اس زمانے کے امام ہو

ا۔ شعبان محمد اسماعیل، اصول الفقہ، ص:۶۳-۶۹

۲۔ الحفناوی، مصطلحات الفقہاء و الاصولیین، ص:۱۲۹

۳۔ شعبان محمد اسماعیل، اصول الفقہ، ص:۱۸۱

۳۔ حجۃ الاسلام امام غزالی

آپ کا نام محمد بن محمد الغزالی الطوسی اور آپ کی کنیت ابو حامد اور حجۃ الاسلام تھی آپ ۴۵۰ ہجری کو طاہران نامی قصبے میں پیدا ہوئے جو طوس میں واقع ہے یہاں سے نیشاپور منتقل ہو گئے یہاں آپ نے دو کتب تصنیف فرمائی پھر آپ بغداد گئے بغداد میں کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ شام تشریف لے گئے شام سے مصر گئے جہاں سے واپس اپنے گاؤں آ گئے آپ کے گاؤں کا نام غزالہ تھا اسی نسبت سے آپ کو غزالی کہا جاتا ہے۔

آپ نے علی احمد بن محمد الذاذکانی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی پھر آپ امام ابی النصر اسماعیلی کے درس میں شرکت کے لیے جرجان گئے واپس آ کر ان کے دروس پر تعلیقہ لکھا اور اس تعلیقہ کو حفظ کر لیا پھر نیشاپور چلے گئے جہاں امام جوینی کے درس میں شریک رہے۔

آپ نے حصول علم کے لیے ذہانت و ذکاوت کے ساتھ ساتھ مسلسل جدوجہد کی آپ فقہ، جدل، اصول الدین، اصول الفقہ، منطق، حکمۃ اور فلسفہ کے ماہر تھے آپ نابغہ روزگار شخصیت کے مالک تھے آپ نے کم مدت میں زیادہ علوم کو حاصل کیا یہاں تک کہ آپ کو ان علوم کے بنیادی ارکان میں شمار کیا گیا آپ نے اپنے اساتذہ کی موجودگی میں ان سے پڑھے ہوئے علوم پر لکھا ان کے بعض نظریات کو رد کیا آپ کی ذکاوت مشہور تھی آپ دقیق نظر، سلیم فطرت، عجیب ادراک کے مالک قوی حافظہ رکھنے والے، اشارات سے دقیق معانی کو بیان کرنے والے، حقیقی اور ظاہری علوم کو جمع کرنے والے تھے۔

امام الحرمین کی وفات کے بعد امام غزالی نیشاپور سے وزیر نظام الملک کے پاس گئے جس کی مجلس علماء سے پر رہتی تھی یہاں آپ نے علماء سے علمی موضوعات پر مناظرے کیے یہاں تک کہ تمام علماء نے آپ کے علم کا اعتراف کیا نظام بھی آپ کی تعظیم و تکریم کرتا تھا نظام نے آپ کو تدریس کے لیے بغداد بھیج دیا آپ ۴۸۴ ہجری میں بغداد آئے جہاں لوگ آپ کی گفتگو اور فصاحت زبان دیکھ کر متعجب ہوئے آپ کی محبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی آپ کو بے مثال پذیرائی ملی آپ کچھ مدت یہاں تدریس کرتے اور علم کے موتی بکھیرتے رہے آپ کی بات سنی جاتی تھی اور آپ کا نام معروف ہو گیا آپ کے نام کی مثالیں دی جانے لگیں لوگ آپ کی طرف رجوع کرنے لگے یہاں سے آپ نے حج کا ارادہ کیا اور حج کے لیے مکہ چلے گئے یہاں سے پلٹے تو شام چلے گئے دمشق میں قیام کیا وہاں بھی تدریس کی شام سے بیت المقدس گئے جہاں عبادت خداوندی میں مشغول ہو گئے لوگوں سے دور خرابوں میں رہنے لگے یہاں سے مصر منتقل ہوئے ایک مدت تک اسکندریہ میں قیام کیا اسکندریہ سے اپنے وطن طوس لوٹ آئے جہاں عبادت خدا میں مشغول ہو گئے اس کے ساتھ یہ کتب تالیف کیں۔

۱۔ احیاء العلوم ۲۔ الادب فی الدین ۳۔ الاربعین فی اصول الدین ۴۔ اسرار الحج ۵۔ الاقتصاد فی الاعتقاد ۶۔ المستقصفی فی الاصول ۷۔ المنحول فی الاصول ۸۔ المکنون فی الاصول ۹۔ المستصفی ۱۰۔ المنخول علم اصول الفقہ میں آپ کی شہرہ آفاق تصنیفات ہیں آپ کا انتقال ۵۰۵ ہجری کو طوس میں ہوا۔[۲]

۴۔ آمدی

۱۔ السبکی، طبقات الشافعیہ الکبری، ص: ۴/ ۲۵۳۔ ۲۵۷

۲۔ شعبان محمد اسماعیل، اصول الفقہ، ص: ۱۹۲۔ ۱۹۵

تھے آپ نے علی بن المنی سے قرات کا علم حاصل کیا اس کے بعد حصول تعلیم کے لیے کچھ عرصہ مشہور عالم دین ابن شانیل کے پاس رہے آپ کی نشو ونما حنبلی ماحول میں ہوئی مگر بعد میں آپ شافعی ہو گئے آپ اصول الفقہ، احکام، اصول الدین اور فلسفہ کے عالم تھے آپ علم منطق اور فن جدل میں بھی ید طولی رکھتے تھے آپ عالی اخلاق کے مالکؒ تھے ہر شخص سے حسن اخلاق سے آتے تھے آپ صاف دل کے مالکؒ یاد خدا میں کثرت سے گریہ کرنے والے تھے آپ کی زبان فصیح اور بیان روشن ہوا کرتا تھا آپ کے شاگرد ابن عبد السلام بیان کرتے ہیں ہم نے قوعد بحث ان سے پڑھے آپ سب سے اچھا درس دیتے تھے آپ کا درس ایسے ہوتا جیسے خطاب کر رہے ہوں سبط ابن جوزی کہتے ہیں آپ آمد، بغداد، دیار مصر اور شام کے درمیان سفر کرتے رہتے تھے گویا وہ روشن چراغ تھے اور لوگ آپ سے فائدہ اٹھاتے تھے جب آپ کسی مصیبت یا پریشانی میں مبتلا ہو جاتے تو صبر کرتے اگر کوئی اذیت پہنچاتا تو معاف کر دیتے تھے۔

مولفات

آپ کی مولفات سے آپ کے علم اور آپ کی دقت نظری کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے آپ کی کتابیں آپ کے صاحب فضل ہونے کا بتاتیں ہیں۔

۱۔ الاحکام فی اصول الاحکام ۲۔ منتھی السول فی الاصول وابکار الافکار فی الکلام ۳۔ دقائق الحقائق فی الحکمہ۔

آپ نے بیس کتابیں لکھی ہیں

آپ کا انتقال ۶۳۱ ہجری میں ہوا آپ کو مقام سفح جو کہ جبل قاسیوں دمشق میں ہے وہاں آپ کو دفن کیا گیا۔[1]

مبحث پنجم: فقہ شافعی کی علم اصول سے متعلق مشہور کتب

۱۔ الرسالۃ

الرسالۃ امام شافعیؒ کی شہرہ آفاق کتاب ہے اسے مام شافعی نے دوبار تحریر کیا ایک رسالۃ قدیمہ اور دوسری رسالہ جدیدۃ کہلاتی ہے رسالۃ قدیمہ مکہ مکرمہ میں تحریر فرمائی جس میں انہوں نے معانی قرآن، قبول خبر واحد، حجیت اجماع، ناسخ و منسوخ کی بحث کی تھی یہ کتاب ہم تک نہیں پہنچی رسالۃ جدیدۃ ہم تک پہنچی ہے یہ انہوں نے مصر میں تحریر کی ہے امام شافعی نے اس کا نام الرسالۃ نہیں رکھا تھا انہوں نے اس کا نام الکتاب، کتابی یا کتابنا رکھا تھا اسے رسالۃ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ سے عبد الرحمان بن مھدی کو بھیجا تھا اس کتاب میں امام شافعی نے مندرجہ ذیل ابحاث کی ہیں۔

اجتہاد، تقلید، اجماع اور حجیت اجماع، اجماع اھل مدینہ، حجیت استحسان، مراسیل، سنت، عام وخاص، قیاس مجمل اور نسخ جیسی ابحاث شامل کی ہیں۔

مندرجہ ذیل لوگوں نے اس کی شروح لکھی ہیں ۱۔ ابو بکر محمد بن عبد اللہ الشیبانی ۲۔ الجوزقی النشاپوری ۳۔ محمد بن علی بن القفال ۴۔ الکبیر الشاشی ۵۔ ابو الولید حسان بن محمد نیشاپوری ۶۔ ابو بکر محمد بن اعبد اللہ الصیرفی ۷۔ ابو زید عبد الرحمن الجزوتی ۸۔ وسف بن عمر۔[2]

۲۔ الورقات فی اصول الفقہ

اسے ابی المعالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف الجوینی النیشاپوری متوفی ۴۷۸ھ نے تالیف کیا یہ انتہائی مختصر کتاب ہے یہ پندرہ ابواب پر مشتمل ہے جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ شعبان محمد اسماعیل، اصول الفقہ، ص:۲۳۸، ۲۳۷

۲۔ الشافعی، الامام ابی عبد اللہ محمد بن ادریس، الرسالۃ، ط/ ا، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۹۹ء، ص:۳۱-۳۲

یہ کئی بار طبع ہو چکی ہے سب سے پہلے مطبع عثمان عبد الرازق سے ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوئی۔ یہ ڈاکٹر فرید مصطفی کی تعلیق اور مقدمے کے ساتھ مطبعہ سفیر ریاض سے ۱۴۰۱۲ھ میں طبع ہوئی ہے۔

علمانے اس کتاب کی توصیف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

کتاب صغرحجمه، وکثرعلمه، وعظم نفعه، و ظهرت برکته[1]

یہ کتاب حجم میں چھوٹی اور علمی مفاہیم کے اعتبار بڑی مفید کتاب ہے اور اس کی برکات ظاہر ہو گئی ہیں۔

ورقات کی شروح

اس کی بہت زیادہ شروحات لکھی گئی ہیں ہم ان میں سے چند کو ذکر کرتے ہیں

۱۔شرح الامام جلال الدین: اسے امام جلال الدین ابی عبد اللہ احمد بن محمد بن محمد بن ابراھیم المحلی الشافعی متوفی ۸۶۴ھ نے تالیف فرمایا ہے یہ مطبع جمالیہ مصر سے ۱۳۰۲۹ھ میں چھپ چکی ہے اس شرح پر مزید شروح، حواشی اور تعلیقات لکھے گئے ہیں

قرۃ العین فی شرح ورقات امام الحرمین شیخ محمد بن محمد الخطاب متوفی ۹۵۴ھ کی تالیف ہے۔[2]

الشرح الکبیر علی الورقات و شرحھا للمحلی شیخ شہاب الدین احمد بن قاسم العبادی کی تالیف ہے اسے مؤسسۃ قرطبہ نے ۱۴۱۶ھ میں پروفیسر عبد اللہ اور پروفیسر سید عبد العزیز کی تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

اس پر بہت سے علمانے حواشی تحریر کی ہیں جن میں حاشیۃ النفحات علی شرح الورقات اسے خطیب جاوی نے تحریر کیا۔

۲۔الانجم الزاھرات علی حل الفاظ الورقات فی اصول الفقہ اسے شیخ شمس الدین شافعی نے تالیف کیا ہے یہ ڈاکٹر عبد الکریم نملہ کی تحقیق، مقدمہ اور تعلیق کے ساتھ دار الحرمین قاہرہ سے چھپا ہے۔

۳۔التحقیقات فی شرح الورقات شیخ حسین بن احمد الکیلانی المعروف بابن قاوان نے تحریر کی ہے جسے اردن کے دار النفائس نے ڈاکٹر شریف سعد بن عبد اللہ کی تحقیق کے ساتھ شائع کیا۔[3]

۳۔منہاج الوصول فی علم الاصول

اسے علامہ ناصر الدین ابی الخیر عبد اللہ بن عمر بن محمد بن علی الشیرازی البیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے تالیف کیا یہ علم اصول کا مشہور متن ہے جس کا حجم کم اور علم خزانہ زیادہ ہے اسے میں تمام اصولی آراء کا ذکر کر دیا گیا ہے اور ان آراء پر ادلہ کا ذکر بھی کر دیا گیا جو ضعیف نظریات ہیں ان کا رد بھی ذکر کر دیا گیا ہے یہ کتاب حاصل سے ماخوذ ہے اور کتاب حاصل کتاب محصول سے ماخوذ ہے اور کتاب المحصول کتاب المستصفی اور المعتمد کا ادامہ ہے۔

۱۔اسے ۱۳۲۶ھ کو مکتبہ کردستان العلمیہ نے طبع کیا

۲۔اسے ۱۳۷۰ھ میں مطبع السعادۃ نے شیخ محمد محی الدین عبد الحمید کے تعاون سے طبع کیا

۱۔عبد العزیز، الدلیل الی المتون العلمیۃ، ص:۳۰۹

۲۔عبد العزیز، الدلیل الی المتون العلمیۃ، ص:۳۱۰

۳۔عبد العزیز، الدلیل الی المتون العلمیۃ، ص:۳۱۲

ا۔معراج المنهاج شرح منهاج الوصول فی علم الاصول اسے شمس الدین محمد بن یوسف الجزری الشافعی متوفی ۷۱۱ھ میں نے تالیف کیا اسے مطبع الحسین مصر نے ۱۴۱۳ھ میں ڈاکٹر شعبان اسماعیل کی تحقیق کے سات دو جلدوں میں طبع کیا۔[۱]

۲۔السراج الوهاج فی شرح المنهاج اسے شیخ فخر الدین احمد بن حسن بن یوسف الجاربردی متوفی ۷۴۶ھ نے لکھا اسے ڈاکٹر اکرم اوزیقان کی تحقیق کے ساتھ دارالمعراج ریاض نے ۱۴۱۶ھ میں طبع کیا۔

۳۔الابهاج فی شرح المنهاج اسے شیخ شمس الدین محمود بن عبد الرحمن الاصفهانی نے لکھنا شروع کیا اور اس کی تکمیل ان کے بیٹے تاج الدین عبد الوهاب بن علی السبکی متوفی ۷۷۱ھ نے کی اسے سب سے پہلے مکتبہ الکلیات الازھریہ نے قاہرہ سے طبع کیا اور دوسری بار ڈاکٹر شعبان محمد اسماعیل کی تحقیق کے ساتھ دارالکتب العلمیہ بیروت نے ۱۴۰۴ھ میں طبع کیا منہاج کی بہت سے شروح ایسی ہیں جو ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکیں۔[۲]

۴۔متن جمع الجوامع فی اصول الفقه

اسے شیخ عبد الوهاب بن علی عبد الکافی السبکی الشافعی متوفی ۷۷۱ھ نے تالیف کیا اور جب ان کا انتقال ہوا ان کی عمر صرف چوالیس سال تھی۔

یہ اصول الفقہ کے دقیق ترین متون میں سے ہے اس کو مصنف نے اصول الفقہ کے ایک سو متون سے جمع کیا تھا اس بات کا ذکر مصنف نے کتاب کے مقدمہ میں کیا ہے یہ بہترین شرح کے ساتھ کئی بار طبع ہو چکی ہے اسے ۱۳۶۹ھ میں مطبع عیسی البابی مصر نے طبع کیا۔

شروح

ا۔تشنیف المسامع بجمع الجوامع اسے شیخ بدر الدین عبد اللہ زرکشی شافعی نے تالیف کیا یہ ڈاکٹر عبد اللہ ربیع کی تحقیق کے ساتھ چار جلدوں میں مکتبہ قرطبہ مصر سے چھپی

۲۔البدر الطالع بشرح جمع الجوامع اسے شیخ جلال الدین محمد بن احمد المحلی الشافعی متوفی ۸۸۱ھ نے تحریر کیا یہ شرح المحلی علی جمع الجوامع کے نام سے مشہور ہوئی اسے مکتبہ البابی الحلبی مصر اور مکتبہ العلمیہ نے طبع کیا۔

اس پر بہت سے علما نے حواشی لکھیں سب سے مشہور حواشی الدر اللوامع فی تحریر شرح المحلی علی جمع الجوامع اسے علامہ کمال الدین محمد بن محمد بن محمد بن ابی بکر متوفی ۹۰۳ھ نے لکھا اس کے علاوہ شیخ احمد بن قاسم العبادی، علامہ شیخ عبد الرحمن بن الجار اللبنانی نے بھی حواشی لکھیں اس کی بہت سی شروح ایسی ہیں جو ابھی تک طبع نہیں ہوئیں[۳]

ا۔عبد العزیز، الدلیل الی المتون العلمیة، ص:۳۱۸

۲۔عبد العزیز، الدلیل الی المتون العلمیة، ص:۳۱۹

۳۔عبد العزیز، الدلیل الی المتون العلمیة، ص:۳۲۶-۳۲۸

فصل پنجم: فقہ حنبلی

مبحث اول: فقہ حنبلی کا مختصر تعارف

مبحث دوم: فقہ حنبلی کے اصولی امتیازات

مبحث سوم: فقہ حنبلی کی ادلہ اجتہاد

مبحث چہارم: فقہ حنبلی کے مشہور علمائے اصول فقہ

مبحث پنجم: فقہ حنبلی کی علم اصول سے متعلق مشہور کتب

فقہ حنبلی کے بانی امام احمد بن حنبلؒ ہیں آپ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور آپ کا انتقال ۲۴۱ھ میں ہوا فقہ حنبلی کا آغاز بغداد سے ہوا شام میں گیا اور پھر دیگر جگہوں پر پھیل گیا۔ مشہور محقق علامہ احمد تیمور پاشا کہتے ہیں فقہ حنبلی کو اتنا شیوع حاصل نہیں ہوا جتنا شیوع دیگر مذاہب کو حاصل ہوا۔[۱]

شافعی جب بغداد سے مصر جا رہے تھے اس وقت فرمایا میں مصر جا رہا ہوں میں نے بغداد میں احمد بن حنبل سے بڑا کوئی متقی اور فقیہ نہیں چھوڑا[۲] امام احمد بن حنبلؒ کے اساتذہ میں بڑا نام ھیثم بن بشر الواسل کا ہے ان سے امام احمد نے چار سال پڑھا۔ شاگرد: آپ کے شاگردوں میں صالح بن احمد بن حنبل اور عبد اللہ بن احمد بن حنبل جو دونوں آپ کے فرزند ہیں بہت بڑے فقیہ تھے[۳] امام احمد بن حنبلؒ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے محدث بھی تھے حدیث میں آپ نے کتاب المسند لکھی جو حدیث کی معروف کتاب ہے۔

مشہور کتاب شناس ابن ندیم نے اپنی مشہور کتاب الفہرست میں امام احمد بن حنبلؒ کی مندرجہ ذیل اہم کتب کا تذکرہ کیا ہے

۱۔کتاب العلل ۲۔کتاب التفسیر ۳۔کتاب الناسخ و المنسوخ ۴۔کتاب المسائل ۵۔کتاب الفضائل ۶۔کتاب الفرائض ۷۔کتاب المناسک ۸۔کتاب الایمان ۹۔کتاب الاشربہ ۱۰۔کتاب اطاعۃ الرسول ۱۱۔کتاب المسند کتاب المسند میں چالیس ہزار احادیث ہیں۔[۴]

مبحث دوم: فقہ حنبلی کے اصولی امتیازات

۱۔ قرآن و سنت کی نصوص کا مرتبہ ایک ہے۔

تمام مسالک کے رائے یہ ہے کہ استنباط احکام کے لیے قرآن کا مرتبہ پہلا ہے اور اس کے بعد سنت کا مقام ہے حنفی اور مالکی علما کی رائے تو بہت واضح ہے وہ سنت آحاد سے حاصل احکام کو قرآن کے مطابق دیکھتے ہیں اگر قرآن کے مطابق ہو تو ٹھیک ہے اس کے مطابق نہ ہوں تو انہیں کو ترک کر دیتے ہیں شوافع سنت کو قرآن کا بیان قرار دیتے ہیں امام شافعیؒ استدلال میں سنت کو قرآن کا بیان قرار دیتے ہیں اگرچہ ان کے ہاں پہلا مرتبہ قرآن کو حاصل ہے امام ابوزہرہ کی تحقیق کے مطابق امام احمدؒ کے ہاں نصوص کا مرتبہ ایک ہی ہے احکام کو بیان کرنے میں قرآن کی نصوص کو سنت کی نصوص پر کوئی تقدم نہیں ہے۔[۵]

۲۔ حدیث ضعیف پر عمل

امام احمدؒ کے نزدیک حدیث ضعیف پر عمل کیا جا سکتا ہے اور حدیث ضعیف پر عمل کرنا قیاس پر عمل کرنے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں صحت کا احتمال ہوتا ہے۔[۶]

۳۔ امام احمدؒ اور اجماع

امام احمدؒ نے اجماع کو بطور دلیل تو مانا مگر اجماع کے واقع ہونے کے بارے میں ان سے یہ روایت بھی مروی ہے۔

۱۔ باشا، المذاہب الفقھیہ الاربعہ، ص:۸۱

۲۔ الحفناوی، محمد ابراہیم، مصطلحات الفقھاء و الاصولیین، ص:۱۷۷

۳۔ الحفناوی، مصطلحات الفقھاء و الاصولیین، ص:۱۷۷

۴۔ ابن ندیم، الفہرست، ص:۵۳۷

۵۔ ابوزہرہ، محمد، ابن حنبل حیاتہ وعصرہ و آرائہ، دار الفکر العربی، قاہرہ، سن، ص:۱۹۲

۶۔ الحفناوی، مصطلحات الفقھاء و الاصولیین، ص:۱۸۰

جس نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے۔

۴۔ مرسل اور ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم کرنا

امام احمد بن حنبلؒ ضعیف اور مرسل حدیث کو بھی رائے اور قیاس پر مقدم کرتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ ضرورت کے علاوہ قیاس درست نہیں ہے۔(۲)

مبحث سوم: فقہ حنبلی کی ادلہ اجتہاد

علامہ ابن جوزی نے پانچ اصلوں کو بیان کیا ہے جس پر امام احمد بن حنبلؒ کے فقہی نظریات کی بنیاد ہے۔

پہلی اصل: نصوص

امام احمد بن حنبلؒ کو جب نص مل جاتی تھی اس کے مطابق عمل کرتے اس کے مطابق فتوی دیتے تھے نص کے مقابل کسی دلیل کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ نص کے مطابق عمل ہو گا نص پر اقوال صحابہ اور اجماع کو فوقیت نہیں دی جائے گی بلکہ نص ان پر مقدم ہو گی امام صاحب کی نص سے مراد قرآن و سنت ہیں۔(۳)

دوسری اصل: صحابہ کے فتاوی

دوسری اصل فتاوی صحابہ ہیں جب صحابہ کرام میں سے کسی کا فتوی مل جائے اور اس کا کوئی مخالف بھی نہ ہو تو اسی کو قبول کیا جائے گا اسی لیے جب امام احمدؒ کو ابن عباس اور ابن زبیر کا کوئی قول مل جاتا تو اس پر عمل کرتے تھے اور ان پر کسی بھی طرح سے اپنی رائے کو مقدم نہیں کرتے تھے۔(۴)

تیسری اصل: جب صحابہ کے اقوال میں اختلاف ہو جائے تو کس قول کو اختیار کیا جائے گا؟

جب صحابہ کرام میں اختلاف ہو جاتا تو ان کی رائے کو اختیار فرماتے جو قرآن و سنت کے زیادہ قریب ہوتی اور اقوال اصحاب سے باہر نہیں جاتے تھے جب صحابہ کے اقوال میں سے کسی قول کے بارے میں موافقت نہیں پاتے تھے تو اختلاف کو بیان فرما دیتے تھے اور کسی ایک قول کو جزماً و یقیناً اختیار نہیں فرماتے تھے۔(۵)

چوتھی اصل: حدیث مرسل

اصل رابع حدیث مرسل اور حدیث ضعیف سے احکام کو اخذ کرنا ہے جب پہلی تمام دلیلوں میں سے کوئی دلیل نہیں ہوتی تھی تو آپ اس اصل کی طرف رجوع کرتے تھے آپ حدیث مرسل اور حدیث ضعیف کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے ان کے ہاں ضعیف کے مراتب ہیں جب کوئی اثر نہ ملے اور اس حدیث کے خلاف اجماع بھی نہ ہو تو آپ اسے قیاس پر مقدم کرتے تھے۔

پانچویں اصل: قیاس

۱۔ ایضاً، ص:۱۷۹

۲۔ الترکی، عبداللہ بن عبدالمحسن، اصول مذہب الامام احمد دراسة اصولية مقارنة، مؤسسة الرسالة، بیروت، طبع رابعہ ۱۹۹۶ھ، ص:۲۲۶

۳۔ ابن القیم الجوزی، شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الکتب العلمیہ بیروت ص:۱/۳۰ ابن قدامہ، موفق الدین عبداللہ بن احمد بن مقدسی، روضة الناظر وبهجة المناظر في اصول الفقه على مذهب الامام احمد بن حنبل، ط/۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۱ء، ص:۳۳۳ ابوزہرہ، ابن حنبل، ص:۱۹۲

۴۔ ابن قدامہ روضة الناظر، ص:۴۶ ابوزہرہ، ابن حنبل، ص:۲۲۳ ابن القیم، اعلام الموقعین، ص:۱/۳۰

۵۔ ابن القیم، اعلام الموقعین، ص:۱/۳۱

مشہور حنبلی عالم ابن اللحام نے دلیلیں بیان کرتے ہوئے ابتدائی طور پر چار بنیادی دلیلیں کو ذکر کیا ہے قرآن وہ سنت جو اللہ کے حکم کی خبر دی رہی ہو اجماع جس کی نسبت قرآن و سنت کی طرف ہو اور وہ قیاس جو قرآن و سنت سے مستنبط ہو۔[۲]

شیخ بدران نے امام احمد کے اصول مذہب کی تعداد پانچ بتائی ہے۔[۳]

ڈاکٹر عبدالکریم النملہ نے امام صاحب کی ادلہ کی تعداد آٹھ بتائی ہے جن میں سے چار متفق ادلہ اجتہاد ہیں اور چار اختلافی ہیں متفقہ ادلہ اجتہاد یہ ہیں۔

۱۔ کتاب ۲۔ سنت ۳۔ اجماع ۴۔ العقل یقینی علی النفی الاصلی جیسے استصحاب۔

اختلافی ادلہ اجتہاد

۱۔ قول صحابی ۲۔ پہلی شریعتیں ۳۔ استحسان ۴۔ مصالح مرسلہ۔

ان کی رائے میں قیاس اصول میں سے نہیں ہے اس کی علت یہ ہے کہ یہ فقط ظن کا فائدہ دیتا ہے امام الحرمین ،غزالی اور علما کے ایک گروہ کی یہی رائے ہے۔[۴]

مشہور محقق استاد ڈاکٹر محمد ابراہیم حفناوی نے امام احمد کی ادلہ کو مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے قرآن، سنت، فتاوی صحابہ، اجماع، قیاس، استصحاب، المصالح المرسلہ، سد ذرائع۔[۵]

مبحث چہارم: فقہ حنبلی کے مشہور علمائے اصول

۱۔ ابن القدامہ

آپ کا نام عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی ثم الدمشقی الحنبلی ہے آپ ۵۴۱ھ کو فلسطین کے شہر نابلوس میں پیدا ہوئے آپ کی کنیت ابو محمد اور لقب موفق الدین تھا آپ بہت بڑے فقیہ تھے اور آپ کا شمار بڑے حنبلی علما میں ہوتا ہے آپ نے ۵۶۱ھ میں بغداد کا سفر اختیار کیا اور بغداد میں چار سال تک مقیم رہے اس کے بعد واپس دمشق آئے اور یہیں مقیم ہو گئے اور آپ کا انتقال ۶۲۰ھ کو دمشق میں ہی ہوا آپ کے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی بات مذہب حنبلی میں دلیل کی حیثیت رکھتی ہے آپ بہت بڑے صاحب نظر محقق تھے آپ فتوی دیا کرتے تھے بہت سے علوم کے ماہر تھے زاہد عبادت گزار اور بہت خوش اخلاق تھے آپ کثرت سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے اور اسی طرح سے بہت زیادہ تھے آپ روزے رکھتے تھے ڈاکٹر شعبان نے لکھا ہے کہ آپ کی مجلس فقہا اور محدثین سے پر رہتی تھی اس سے علم سے آپ کی محبت اور علما کے درمیان آپ کے مقام و منزلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔[۶]

۲۔ ابن المفلح

۱۔ ابن القیم الجوزی، اعلام الموقعین، ص:۱/ ۱۳۲ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۶۰ تا ۶۷ ابوزہرہ، ابن حنبل، ص:۲۴۴

۲۔ ابن اللحام، علی بن محمد بن علی بن عباس بن شیبان البعلی الدمشقی الحنبلی، المختصر فی اصول الفقہ علی مذہب الامام احمد بن حنبل، دار الفکر، دمشق، ۱۹۸۰ء، ص:۷۰

۳۔ بدران، المدخل الی مذہب الامام احمد بن حنبل، ص:۱۱۹، ۱۱۳

۴۔ النملہ، الاتحاف ذوی البصائر، ص:۲/ ۶۱۳-۶۱۴

۵۔ الحفناوی، مصطلحات الفقہاء و الاصولیین، ص:۱۷۹

۶۔ شعبان محمد اسماعیل، اصول الفقہ، ص:۲۳۱، ۲۳۰

سے تعلیم حاصل کی جن میں معروف عیسی مطعم، ابن مسلم، امام المزی اور امام ذہبی ہیں آپ کا درس اور فتوی بہت شہرت رکھتا تھا آپ کی ذہانت مشہور تھی آپ امام احمد بن حنبل کے مذہب کے بہت بڑے عالم تھے آپ کو شیخ الاسلام کا خطاب دیا گیا آپ ایک زاہد اور متقی انسان تھے اللہ پر قناعت کرتے تھے بہت اچھی سیرت کے حامل تھے آپ کے بارے امام ابن قیم نے کہا ہے کہ زیر آسمان آپ سے زیادہ امام احمد کے مذہب کو جاننے والا اور کوئی نہیں ہے امام السبکی نے آپ کے بارے میں کہا ہے کہ میں نے آپ سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا ہے امام ابن تیمیہ نے آپ کی بہت تعریف کی ہے آپ کہتے ہیں آپ ابن مفلح نہیں ہیں بلکہ خود مفلح ہیں ان تمام شخصیات کا آپ کی تعریف کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ کی شان و مرتبہ کس قدر بلند تھا آپ کتابوں میں ۱۔ شرح علی المقنع ۲۔ شرح علی المنتقی ۳۔ کتاب الفروع ۴۔ آپ کی اصول الفقہ میں کتاب جو کہ مختصر ابن حاجب پر آپ کا بے مثال کام ہے ۵۔ الآداب الشرعیۃ آپ کا انتقال ۷۶۳ھ کو دمشق میں ہوا۔(۱)

۳۔ الصفی

آپ کا نام شیخ صفی الدین عبد المؤمن بن کمال الدین عبد الحق البغدادی الحنبلی ہے آپ ۷۳۹ھ میں متوفی ہوئے آپ نے بہت سی کتب تالیف کی ہیں آپ مدرسہ البشریہ میں استاد بھی رہے آپ کے والد بھی عالم اور صاحب فضل شخصیت تھے علامہ صفی الدین نے عبد الصمد بن ابی الجیش، ابن الدباب اور کمال الفویزہ سے تعلیم حاصل کی آپ کی خاص بات یہ ہے کہ آپ نے بہت سے شیوخ سے نقل حدیث کا اجازہ ہوتا تھا آپ نے تین سو شیوخ کی ایک معجم بھی مرتب کی جس میں ان سے احادیث نقل کی ہیں آپ نے کتاب المحرر کی شرح تحریر کی جو بہت ہی فائدہ مند کتاب ہے علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ بہت سے فضلا نے آپ سے تعلیم حاصل کی جو آپ کی تعریفیں کرتے ہیں کہ آپ اہل دین اور سخی آدمی تھے آپ خوبیوں کا مجموعہ ہیں آپ کا میلان تصوف کی طرف ہے۔(۲)

۴۔ علامہ شیخ نجم الدین الطوفی

آپ کا نام نجم الدین سلیمان بن عبد القوی بن عبد الکریم عراقی حنبلی ہے آپ کو طوفی بغداد میں واقع محلہ طوفان کی نسبت کی وجہ سے کہا جاتا ہے آپ نے ابن البطال، رشید اور عیسی بن مطعم سے احادیث سنیں آپ بہت بڑے فقیہ تھے آپ نے اصول الفقہ میں اچھی کتاب تالف فرمائی اور شیخ موفق الدین کی مشہور کتاب روضۃ کی تین جلدوں میں شرح لکھی آپ کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو اس زمانے میں آپ نے المقامات کی شرح لکھی آپ کی ذہانت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے جس وقت آپ نے یہ شرح لکھی اس وقت آپ کی پاس کوئی کتاب نہیں تھی آپ نے تمام شرح اپنے حافظے کی بنیاد پر تحریر کی آپ ۷۰۴ ھجری میں مصر تشریف لائے یہیں سے حج پر تشریف لے گئے آپ کے بارے میں ذہبی نے لکھا ہے کہ آپ قناعت پسند فقیر طبیعت آدمی تھے آپ نے کتاب الترمذی کی تلخیص بھی تحریر کی۔(۳)

ڈاکٹر شعبان نے بھی لکھا ہے کہ آپ بے مثال قوت حافظہ کے مالک تھے جب آپ مصر گئے تو آپ نے مصر کے کتاب خانوں میں موجود تمام کتب کو پڑھا آپ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرتے تھے آپ کی مشہور کتابیں یہ ہیں ۱۔ شرح الاربعین للنووی ۲۔ مختصر روضۃ ۳۔ الریاض النواضر ۴۔ مختصر صحیح ترمذی۔(۴)

۱۔ شعبان محمد اسماعیل، اصول الفقہ، ص: ۳۵۴، ۳۵۳

۲۔ ذہبی، تاریخ الاسلام، ۷۳۹ھ، ص: ۳۴۹، ۳۴۸

۳۔ اذہبی، تاریخ الاسلام، ۷۱۶ ہجری کے حالات میں، ص: ۱۵۴

۴۔ شعبان، اصول الفقہ، ص: ۲۹۷، ۲۹۶

۱۔روضۃ الناظر

کتاب کا پورا نام روضۃ الناظر وجنۃ المناظر فی اصول الفقہ علی مذھب الامام احمد بن حنبل ہے اسے امام علامہ موفق الدین ابی محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی متوفی ۶۲۰ھ نے تالیف کیا۔

ابن بدران کہتے ہیں کہ جو مالکی فقہ کے اصول کو جاننا چاہتا ہے یہ کتاب اس کے لیے سب سے بہترین کتاب ہے روضۃ الناظر کو علم اصول میں وہی مقام حاصل ہے جو فقہ میں المقنع کو حاصل ہے۔

یہ کتاب مطبعہ سلفیہ قاھرہ سے ۱۳۷۸ھ میں اور جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ سے ۱۳۹۷ھ میں ابن قدامۃ و آثارہ الاصولیۃ کے نام سے ڈاکٹر عبد العزیز کی تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں چھپی ہے مکتبہ الرشد ریاض نے اسے عبد الکریم النملہ کی تحقیق کے ساتھ تین جلدوں میں طبع کیا ہے۔[1]

روضۃ الناظر پر لکھی گئی شروحات

۱۔نزھۃ الخاطر العاطر شرح روضۃ الناظر اسے شیخ عبد القادر بن احمد بن مصطفی بدران نے تالیف کیا یہ دو جلدوں میں مکتبہ سلفیہ مصر سے چھپ چکی ہے۔

۲۔مذکرۃ اصول الفقہ علی روضۃ الناظر اسے علامہ محمد امین بن مختار الشنقیطی نے تالیف کیا ہے اسے مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ نے طبع کیا ہے۔

۳۔اتحاف ذوی البصائر بشرح روضۃ الناظر اسے ڈاکٹر عبد الکریم النملہ نے تالیف فرمایا ہے اسے دار العاصمہ ریاض نے ۱۴۱۷ھ میں آٹھ جلدوں میں تالیف کیا ہے۔

مختصرات علی روضۃ الناظر

۱۔کتاب البلبل فی اصول الفقہ اسے نجم الدین سلیمان بن عبد القوی الطوفی نے تالیف کیا ہے۔[2]

۲۔مختصر الروضۃ اسے شیخ محمد بن ابی الفتح بن ابی الفضل البعلی نے تالیف کیا ہے یہ مخطوط شکل میں جامعہ ام القری مکہ مکرمہ میں موجود ہے۔[3]

۲۔المختصر فی اصول الفقہ علی مذھب الامام احمد بن حنبل

اسے شیخ محمد بن علی بن عباس بن شعبان البعلی الدمشقی الحنبلی علاء الدین ابو الحسن جو کہ ابن اللحام کے نام سے معروف ہیں نے تالیف کیا آپ ۸۰۳ھ کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے یہ سب سے پہلے دار الفکر دمشق سے ڈاکٹر مظہر بقا کی تحقیق، حواشی اور فہارس کے ساتھ سن ۱۴۰۰ھ میں طبع ہوئی۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ اصول الفقہ مختصر متن ہے جس میں مسائل اصولی کو اعجاز کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یہ صرف اصولی ابحاث پر مشتمل ہے اس میں عقلی تعلیلات نہیں ہیں اس میں ان شرعی ادلہ کو بھی ذکر نہیں کیا گیا جن کی ضرورت صرف ان علما کو ہوتی ہے جو علم اصول میں متخصص ہوتے ہیں اس کی ترتیب بہت اچھی اور جدید ہے اس سے استفادہ کرنا آسان ہے اور تحقیق کرنے والا بغیر کسی مشکل کے اس سے مطالب کو تلاش کر لیتا ہے۔

شیخ تقی الدین ابو بکر بن زید الجراعی المقدسی متوفی ۸۸۳ھ نے اس کی شرح لکھی مدینہ یونیورسٹی کے شعبہ اصول فقہ کے شیخ عبد العزیز بن محمد بن عیسی بن القایدی نے اپنے ماسٹر کے تھیسز میں اس پر تحقیق کی ہے۔[4]

۱۔عبد العزیز، الدلیل الی المتون العلمیۃ، ص:۳۳۹

۲۔عبد العزیز، الدلیل الی المتون العلمیۃ، ص:۳۴۰

۳۔عبد العزیز، الدلیل الی المتون العلمیۃ، ص:۳۴۱

۴۔ ایضاً، ص:۳۳۴

رہنے والے تھے بنیادی طور پر مصنف نے اسے کتاب تحقیق الامل فی علمی الاصول والجدل سے مختصر کیا ہے اس لیے اس میں مسائل اصول الفقہ کو مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے اس میں دلائل ذکر نہیں کیے گئے اس میں اصول الفقہ کے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جن کی ضرورت ہوتی ہے۔

علامہ بدران نے لکھا ہے کہ آپ بہت بڑے فقیہ اور صاحب فن شخصیت تھے[1] علامہ شیخ جمال الدین قاسمی کہتے ہیں ہم نے اس کتاب پر غور فکر کیا یہاں تک کہ ہم دیکھا اس غور وفکر کے نتیجے میں بہت سے اصولی مباحث حل ہو گئے مصنف نے بہترین انداز میں علمی مباحث کو بیان کیا ہے آپ خود طلبا کو پڑھاتے بھی تھے۔

یہ ان کتاب خانوں سے چھپ چکی ہے۔ ۱۔یہ مکتبہ سلفیہ مصر سے چھپی اس پر سن اشاعت نہیں تھا ۲۔اسے ۱۴۰۶ھ میں عالم الکتب بیروت نے طبع کیا ۳۔یہ علی بن عباس الحکیمی کی تحقیق کے ساتھ ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ کی طرف سے ۱۴۰۹ھ میں چھپی ۴۔اسے دارالمعارف مصر نے طبع کیا اس طبع کی خاص بات یہ تھی کہ اس وقت کتاب کی تصحیح اور تحقیق شیخ احمد بن شاکر اور علی محمد شاکر نے کی۔[2]

۴۔مختصر روضۃ الناظر

یہ بلبل اصول الفقہ کے نام سے معروف ہے اسے علامہ شیخ نجم الدین سلیمان بن عبدلقوی الطوفی الحنبلی متوفی ۷۱۶ھ نے تالیف کیا۔

اسے ۱۳۸۳ھ کو مؤسسۃ النور للطباعۃ والنشر والتجلید ریاض نے طبع کیا پھر اسی کو مکتبہ امام شافعی ریاض نے ۱۴۱۰ھ میں طبع کیا۔

مصنف نے اسے ابن قدامہ کی مشہور کتاب روضۃ الناظر کی تلخیص کی ہے اور اس میں کچھ اضافے کیے ہیں جس نے مطالب اور معانی کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے حالانکہ اس کے الفاظ کم ہیں اور اس میں روضۃ الناظر کی ترتیب کو بھی بعض جگھوں پر تبدیل کر دیا گیا ہے اس کا تذکرۃ مصنف نے کتاب کے مقدمہ میں کیا ہے اس میں فن اصول پر تحقیق کی گئی ہے اور اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف علم اصول الفقہ کے ماہر تھے اس لیے انہوں نے اصول فقہ کے بہترین اور ضروری مطالب کو جمع کر دیا ہے اس کی عبارت اتنی آسان ہے کہ اس سے مطالب خود بخود اذہان میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

شیخ عبدالقادر دمشقی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب دلائل پر مشتمل انتہائی دقیق کتاب ہے خود مؤلف نے اس کی دو جلدوں میں شرح بھی کی ہے اس فن اصول فقہ پر انتہائی اعلی تحقیق کی گئی ہے یہ علم اصول میں کی گئی تحقیقات میں فائدہ مندترین تحقیق ہے اس کی عبارت آسان ہے جو آرام سے دماغ میں اتر جاتی ہے۔[3]

یہ ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن کی تحقیق کے ساتھ مؤسسہ الرسالہ سے ۱۴۱۰ھ میں چھپ چکی ہے اس کی تین ضخیم جلدیں ہیں اس کی پہلی جلد شیخ ڈاکٹر ابراھیم عبداللہ بن آل ابراھیم کی تحقیق کے ساتھ مطبع شرق الاوسط سے چھپ چکی ہے جس میں شروع کتاب سے مسئلہ ظاہر تک کی تحقیق کی گئی ہے یہ اصل میں ام القری یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ

۱۔بدران، عبدالقادر دمشقی، المدخل الی مذھب الامام احمد بن حنبل، تحقیق ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، مؤسسہ الرسالۃ، دمشق، طبع ثانیہ ۱۹۸۱ء، ص:۴۶۰

۲۔عبدالعزیز بن قاسم، الدلیل الی المتون العلمیہ، ص:۳۳۶، ۳۳۵

۳۔بدران، المدخل الی مذھب الامام احمد بن حنبل، ص:۴۶۱، ۴۶۰

اس کی شرح شیخ علاء الدین علی بن محمد الکنانی العسقلانی الحنبلی متوفی ۷۷۶ھ نے لکھی ہے اور اس کا نام شقائق الروضۃ الناظر سواد عین الباصر ہے یہ ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی اس کا ایک خطی نسخہ جامعہ الازہر کے کتاب خانہ میں اصول الفقہ کے حصہ میں ۲۸۳ نمبر پر موجود ہے اور اسی طرح جامعہ ام القری کے کتاب خانے میں شعبہ اصول میں ۲۷ نمبر پر موجود ہے۔[1]

ا۔عبد العزیز بن قاسم، الدلیل الی المتون العلمیہ، ص:۳۳۸،۳۳۷

باب سوم

تقابلی جائزہ: دلیلِ قرآن کے تناظر میں

فصل اول: قرآن کا تعارف

فصل دوم: قرآن کی حجیت

فصل سوم: عام وخاص اور محکم و متشابہ

فصل چہارم: امر و نہی اور مطلق و مقید

فصل پنجم: ناسخ و منسوخ اور مجمل و مبین

قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اسی بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے ویسے تو جب بھی قرآن کا لفظ بولا جاتا ہے تو اکثر انسان بالعموم اور مسلمان بالخصوص یہ جان لیتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ پر انسانوں کی رہنمائی کے لیے نازل فرمائی ہے اور آج پوری امت کے ہاتھوں میں موجود ہے اور مسلمان اس کی تلاوت سے اپنے قلوب کو منور کر رہے ہیں مگر اس کے باوجود علمائے کرام نے مختلف الفاظ میں قرآن مجید کی تعریف کی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

جعفری نقطہ نظر

ان القرآن الکریم هو المعجز الخالد لنبینا محمد ﷺ و الموجود بایدی الناس الدفتین هو الکتاب المنزل الی الرسول ﷺ بالحق لا ریب فیه هدی[1]

قرآن مجید ہمارے نبی ﷺ کا وہ ابدی معجزہ ہے جو لوگوں کے ہاتھوں میں مجلد موجود ہے یہ وہ کتاب برحق ہے جسے نبی کریم ﷺ پر نازل کیا گیا اس میں کوئی شک نہیں یہ ہدایت کی کتاب ہے۔

القرآن هو الکتاب المدون هو الذی بین ایدینا الیوم دون زیادة او نقصان[2]

قرآن وہ مدون کتاب ہے جو آج ہمارے پاس موجود ہے اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوئی۔

حنفی نقطہ نظر

القرآن: القرآن هو الکتاب المنزل علی رسول الله ﷺ المکتوب فی دفات المصاحف ،المنقول الینا علی الاحرف السبعه المشهورة نقلا متواترا[3]

قرآن وہ کتاب ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی اور کتابی شکل میں لکھی ہوئی ہے مشہور سات حروف کے ذریعے ہم تک بذریعہ تواتر تک پہنچی ہے۔

ما نقل الینا بین دفتی المصاحف علی الاحرف الاسبعة المشهورة نقلا متواتر[4]

قرآن وہ کتاب ہے جو مشہور سات حرفوں کے ذریعے کتابی شکل میں بذریعہ تواتر ہم تک پہنچی ہے۔

۱۔ مظفر، محمد رضا، اصول الفقه، بوستان کتاب، قم، چاپ دہم ۱۳۹۱ھ، ص:۴۰۹

۲۔ صدرالدین، التمهید فی اصول الفقه، ص:۹۷

۳۔ سرخسی، اصول السرخسی، ص:۱/۲۹۱

۴۔ دبوسی، امام ابی زید عبید اللہ بن عمر بن عیسی الحنفی، تقویم الادلة فی اصول الفقه، ط/۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۱ء، ص:۲۰

قرآن وہ کتاب ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی جو مصحف میں لکھی ہوئی ہے اور بغیر کسی شبہ کے ہم تک تواتر سے پہنچی ہے۔

مالکی نقطہ نظر

القرآن: اللفظ المنزل على محمد ﷺ للاعجاز بسورة منه، المتعبد بتلاوتيه، المحتج بابعاضه اى ما يصدق عليه هذا المفهوم من اول سورة الى آخره[۲]

قرآن وہ کلام ہے جو سورتوں کی شکل میں بطور معجزہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا جس کی تلاوت عبادت ہے پہلی سورت سے آخری سورت تک قرآن ہے۔

القرآن: ماكتب فى المصحف الذى اتباعه يجب انزله سبحانه على النبى ﷺ[۳]

قرآن وہ ہے جو مصحف میں موجود ہے جس پر عمل ضروری ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ پر نازل کیا ہے۔

شافعی نقطہ نظر

القرآن: اللفظ المنزل على محمد ﷺ للاعجاز بسورة منه المتعبد بتلاوته[۴]

وہ کلام جو نبی اکرم ﷺ پر بطور معجزہ سورتوں کی شکل میں نازل ہوا جس کی تلاوت عبادت ہے۔

القرآن: مانقل بين دفتى المصحف بالاحرف السبعة المشهورة نقلا متواترا[۵]

قرآن وہ کتاب ہے جو مصحف میں مشہور سات حرفوں کے ذریعے تواتر سے نقل ہوا۔

حنبلی نقطہ نظر

الكتاب: كلام الله المنزل للاعجاز بسورة منه المتعبد بتلاوته[۶]

اللہ تعالی کا وہ کلام جسے نبی اکرم ﷺ پر بطور معجزہ سورتوں کی شکل میں نازل ہوا جس کی تلاوت عبادت ہے۔

۱۔ الخبازی، جلال الدین ابو محمد عمر بن محمد بن عمر، المغنی فی اصول الفقہ، ط/۱، مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی، ۱۴۰۳ھ، ص: ۱۸۵ ابن نجیم، امام علامہ ابن الدین بن ابراھیم بن محمد، فتح الغفار بشرح المنار، ط/۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۴

۲۔ اللقانی، ابراھیم، منازل الاصول، ص: ۱۳۹

۳۔ الولاتی، نیل السول، ص: ۸۳

۴۔ السبکی، جمع الجوامع، ص: ۲۱

۵۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص: ۱/ ۲۲۸

۶۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص: ۸۰

نقل ہوئی ہے۔

القرآن: کلام منزل علی محمد ﷺ معجز بنفسه متعبد بتلاوته[۲]

قرآن وہ کلام ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا اور یہ خود معجزہ ہے جس کی تلاوت عبادت ہے۔

مذکورہ بالا تعریفوں میں سے ہم دو تعریفوں کی وضاحت کریں گے۔

القرآن: اما الکتاب فالقرآن المنزل علی الرسول ﷺ المکتوب فی المصاحف المنقول عنه متواترا بلا شبهه[۳]

قرآن وہ کتاب ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی جو مصحف میں لکھی ہوئی ہے اور بغیر کسی شبہ کے ہم تک تواتر سے پہنچی ہے۔

بنیادی طور پر اس تعریف کے تین حصے ہیں ہم اس تعریف کی وضاحت تین حصوں میں ہی کریں گے۔

۱۔ اما الکتاب فالقرآن المنزل علی الرسول ﷺ

اس تعریف میں کتاب پر الف لام عہد داخل ہے اور اس سے مراد وہ کتاب ہے جس کا ذکر ہو گیا ہے قرآن اسم علم ہے تعریف کا اصل آغاز المنزل سے ہو رہا ہے تعریف میں المنزل کی قید لا کر ان کتابوں سے احتراز کیا ہے جو کتب سماویہ نہیں ہیں المنزل کو زا پر تشدید کے بغیر بھی پڑھ سکتے ہیں اس وقت اس کا معنی یہ ہو گا وہ کتاب جو ایک ہی بار نازل ہوئی اور قرآن لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ایک ہی بار نازل ہو گیا تھا۔

۲۔ المکتوب فی المصاحف

مکتوب کا معنی ثابت ہے ہونا ہے کیونکہ حقیقت میں جن کو لکھا گیا ہے وہ نقوش ہیں الفاظ اور معنی کو نہیں لکھا گیا الفاظ اور معنی مصاحف میں ثابت ہیں الفاظ حقیقت میں سامنے ثابت ہیں اور معنی تقدیر میں ثابت ہے۔

۳۔ المنقول عنه متواترا بلا شبهه

قرآن نبی اکرم ﷺ سے نقل متواتر کے انداز میں منقول ہوا۔ متواتر کی قید لگا کر قرات کی ان اقسام کو خارج کیا جو نقل آحاد کے طور پر ہم تک پہنچی ہیں اور بلا شبھہ کی قید لگا کر یہ واضح کیا کہ جو بھی نقل متواتر کے ذریعے ہم تک پہنچے اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہوتا۔[۴]

الکتاب: القرآن هو الکلام المنزل علی محمد ﷺ معجز بنفسه متعبد بتلاوته[۵]

۱۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۲/۳۰۱

۲۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۲/۸،۷ العکبری، حسن بن شھاب، شرح رسالة فی اصول الفقه، ط/۱، کنوز اشیلیا، ریاض، ۲۰۰۷ء، ص:۴۸

۳۔ الخبازی، المغنی، ص:۱۸۵؛ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۱۴

۴۔ ملا جیون، احمد بن ابی سعید، نور الانوار فی شرح المنار، تحقیق حافظ ثناءاللہ زاہدی، مرکز الامام البخاری للتراث والتحقیق، صادق آباد، ۱۹۹۷ء، ج۱ص:۱/۱۹-۲۱

۵۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۲/۸،۷ العکبری، شرح رسالة فی اصول الفقه، ص:۴۸

الکتاب: کتاب تمام کتابوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر اب شرعی اصطلاح اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

القرآن: سب سے پہلے کتاب کو قرآن کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود جو قرآن کو نازل کرنے والا ہے وہ اسے قرآن کہتا ہے۔

﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا﴾[1]

ہم نے ایک بڑا ہی عجیب قرآن سنا ہے

کلام المنزل: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے اس کلام کو نازل فرمایا ہے۔

علی محمد ﷺ: اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو نبی اکرم ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

معجزبنفسہ: قرآن کریم بذات خود ایک معجزہ ہے اور اس پر قرآن کی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں جن میں چیلنج کیا گیا ہے۔

﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾[2]

اور اگر تمہیں اِس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ ہماری ہے یا نہیں، تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنالاؤ۔

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾[3]

کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لاسکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔

متعبد بتلاوتہ: اس قید کے ذریعے ان آیات کو خارج کیا ہے جو لفظا منسوخ ہو گئیں تھیں کیونکہ منسوخ ہونے کے بعد وہ قرآن نہیں رہتیں۔[4]

علمائے کرام نے مختلف الفاظ میں قرآن مجید کی جو تعریفیں ذکر کی ہیں ان سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے جو اللہ کے کلام پر مشتمل ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

۲۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

۳۔ تمام مسالک کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر زندہ وجاوید معجزہ ہے اور اس کا چیلنج آج بھی ہے۔

۴۔ اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے قرآن مجید بطور تواتر ہم تک پہنچا ہے یعنی ہر نسل نے آنے والی نسل کے لیے نقل کیا ہے۔

۵۔ اس بات پر بھی تمام امت کا اتفاق ہے کہ یہ قرآن جو اس وقت امت کے ہاتھوں میں موجود ہے یہ وہی قرآن ہے جو حضرت جبرائیلؑ آپؐ پر لیکر نازل ہوئے اور اس میں کسی قسم کی کوئی زیادتی یا کوئی کمی نہیں ہوئی ہے یعنی یہ تحریف سے پاک ہے۔

۱۔ سورۃ الجن: ۷۲/۱

۲۔ سورۃ البقرۃ: ۲/۲۳

۳۔ سورۃ الاسراء ۱۷/۸۸

۴۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص: ۲/۸،۷

مبحث اول: قرآنی آیات کی دلالت

مبحث دوم: سنت کی قرآن کی حجیت پر دلالت

مبحث سوم: قرآن کی حجیت پر اجماع

مبحث چہارم: مسالک کی آراء

اللہ تعالی نے قرآن مجید کو بنی نوع انسانیت کے لیے ہدایت بنا کر نازل کیا ہے یہ کتاب تمام انسانوں کی اس طریقہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو انہیں خدا کی طرف لے کر جاتا ہے جو حق کا راستہ ہے قرآن مجید میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾[1]

یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔

جو اس سیدھے الٰہی راستہ کی طرف رہنمائی کرے اس کی اطاعت اور پیروی کی جانی چاہیے اللہ تعالی نے اس کتاب کو مومنین کے شفا قرار دیا ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾[2]

اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔

کفر، شرک، قتل، والدین کا احترام نہ کرنا یہ سب اور اس طرح کی دیگر برائیاں دراصل انسانی روح کو لاحق بیماریاں ہیں اور اللہ تعالی نے ان سب کا علاج قرآن میں رکھ دیا اس لیے ضروری ہے کہ انسانیت معاشرے کو لاحق ان خطرناک بیماریوں کو دور کرنے لیے قرآن کی طرف رجوع کرے یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب قرآن کو حجت تسلیم کر لیا جائے قرآن مجید میں اللہ فرماتا ہے۔

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[3]

ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو اور تاکہ وہ غور کریں۔

اس آیت مجیدہ میں بھی اللہ تعالی نے قرآنی پیغام کو نبی اکرم ﷺ پر نازل کرنے کے بعد امت کو بتانے کا حکم دیا ہے کہ جب لوگ اس الٰہی پیغام کو سنیں گے اس پر غور و فکر کریں گے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کی اطاعت کریں گے کیونکہ اگر یہ حجت نہ ہو تو لوگوں کے لیے اس کا بیان کرنا کوئی فائدہ نہیں رکھتا اسی اللہ تعالی قرآن میں ارشاد فرماتا ہے۔

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾[4]

ماہ رمضان وہ (مقدس) مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں راہنمائی اور حق و باطل میں امتیاز کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔

اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالی نے قرآن کو کتاب ہدایت قرار دیا ہے اور ماہ رمضان میں خیر و برکت اس لیے زیادہ ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اور قرآن کی خصوصیت جو اللہ تعالی نے اس آیت میں ذکر کی ہے وہ اس کا

۱۔ سورۃ الاسراء:۱۷/۹

۲۔ سورۃ الاسراء۱۷/۸۲

۳۔ سورۃ النحل:۱۶/۴۴

۴۔ سورۃ بقرۃ:۲/۱۸۵

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾[1]

اور ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جو ہر بات کو کھول کر بیان کرتی ہے اور سر تسلیم خم کرنے والوں کے لئے سر اسر ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

اس آیت مجیدہ میں قرآن کی یہ خصوصیت بیان ہوئی ہے کہ یہ چیزیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے یہ ہدایت اور خوشخبری ہے قرآن میں ہدایت سے متعلق ہر چیز کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے اس میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی گئی اس لیے اس کتاب کو سمجھا جائے اس کو حجت مانا جائے جس کے نتیجہ میں انسانیت کی بھلائی ہو گی۔

﴿مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾[2]

ہم نے کتاب میں کوئی کمی و کوتاہی نہیں کی ہے پھر وہ سب کے سب اپنے رب کے پاس محشور (جمع) کئے جائیں گے۔

اللہ تعالی اس آیت میں فرمارہاہے کہ اس کتاب یعنی قرآن مجید میں انسانیت کی ہدایت کا مکمل سامان کر دیا گیا ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہے یہ ہدایت سے بھرپور کتاب ہے بلکہ سر چشمہ ہدایت اس لیے اس میں دیے گئے احکام خداوندی کی پیروی کی جائے۔

ان تمام آیات سے جو بات کھل کر سامنے آتی وہ یہ ہے کہ انسانیت کی دنیاوی اور اخروی زندگی کی بھلائی کا سامان اللہ تعالی نے قرآن مجید میں کر دیا ہے اس میں ہر طرح کی ہدایات دے دی گئی ہیں جن چیزوں سے بچنا ہے ان سے نہی فرمادی گئی ہے جن پر عمل کرنا ہے ان کو انتہائی واضح انداز میں بار بار بتا دیا گیا ہے اس کتاب میں ہدایت کے ہر پہلو کو بیان کر دیا گیا اس حوالے سے اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہے اس لیے اب ضروری ہے کہ پہلے اس کتاب کو سمجھا جائے پھر احکام خداوندی کی پیروی کی جائے ان آیات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قرآن مجید حجت ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

مبحث دوم: سنت کی قرآن کی حجیت پر دلالت

«عن معاذ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما بعث معاذا الى اليمن قال له : كيف تقضى اذا عرض لك قضاء؟ قال : اقضى بكتاب الله ، قال : فان لم تجده فى كتاب الله ، قال : اقضى بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : "فان لم تجده فى سنة رسول الله ، قال : اجتهد برائى لا آلو ، قال : فضرب بيده فى صدرى وقال : " الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله صلى الله عليه وسلم لما يرضى رسول الله صلى الله عليه وسلم»[3]

۱۔ سورۃ النحل:۱۶/ ۸۹

۲۔ سورۃ الانعام:۶/ ۳۸

۳۔ ابی داود، سلیمان بن اشعث سجستانی ازدی، سنن ابی داود، کتاب الاقضیۃ، باب اجتھاد والرای فی القضاء، حدیث نمبر:۳۵۹۲، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، ص:۳/ ۳۰۳؛ابن حنبل، مسند امام احمد بن حنبل، حدیث معاذؓ، حدیث نمبر ۲۲۰۶۱، مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، طبعہ ثانیہ ۲۰۰۸ء، ص:۳۶/ ۳۸۲؛الترمذی، ابی عیسی محمد بن عیسی بن سودہ الترمذی، جامع الترمذی مع الشمائل النبوی، قرآن محل، کراچی سال اشاعت ندارد، ص:۱/ ۱۹۳

فرمایا کہ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ فیصلہ کے لئے پیش ہو گا تو تم اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! میں اس کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا، آپؐ نے پھر پوچھا: اگر تم اسے کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ انہوں نے جواب دیا کہ سنت رسول ﷺ سے فیصلہ کروں گا، آپ نے پھر دریافت فرمایا: اگر تم اسے اللہ کے رسول ﷺ کی سنت میں بھی نہ پاسکو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت میں اجتہاد (بھرپور کوشش) کروں گا اور سستی نہیں کروں گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (میرا جواب سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا اور فرمایا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کے قاصد کو ایسی چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ کے رسول ﷺ راضی ہیں۔

اس طرح آپؐ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے طریقے کی تصویب فرمائی اور آپ کے جواب پر مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا اس حدیث سے ایک بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ آپؐ نے احکام شریعت اور پیش آنے والے مسائل کو قرآن و سنت سے استنباط کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اس حدیث کے مطابق قرآن و سنت میں درپیش مسئلہ کی دلیل نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد کی اجازت بھی دے دی۔

((و انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعزو جل، وعترتی، کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض، عترتی اھل بیتی و ان اللطیف الخبیر اخبرنی انھما لن یفترقا حتی یردعلی الحوض))[1]

((قال رسول اللہ انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی، احدھما اعظم من الآخر: کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض، وعترتی اھل بیتی، لن یفترقا حتی یردعلی الحوض))[2]

آپؐ نے فرمایا میں تمہارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں اگر ان سے جڑے رہو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے ان میں سے ہر ایک دوسری سے بڑی ہے ایک کتاب خدا ہے جو آسمان سے زمین تک پھیلی رسی ہے اور دوسری میرے اہلبیت ہیں یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض تک پہنچ جائیں گے۔

مبحث سوم: قرآن کی حجیت پر اجماع

تمام مسلمان چاہے ان کا تعلق کسی بھی زمانے سے وہ اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے جس میں انسانوں کی ہدایت کا اہتمام کیا گیا ہے اس میں بیان کیے گئے احکام تمام مسلمانوں پر حجت ہیں قرآن ان ادلہ احکام میں سے جس پر تمام امت کا اجماع ہے بلکہ دوسری تمام ادلہ بھی کسی نہ کسی طرح قرآن کی طرف پلٹتی ہیں کیونکہ

۱۔ ابن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، مسند ابی سعید خذری، حدیث نمبر: ۱۱۱۰۴، ص: ۱۷/۱۷۰

۲۔ المسلم: ۳۷۸۸

علامہ آمدی قرآن مجید کی حجیت کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ قرآن مجید جو ہماری طرف نقل ہوا جو ہم تک پہنچا ہے اس کی حجیت پر اتفاق ہے اس میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے اس لیے اس کی حجیت مسلمانوں کے پاس مسلم ہے کوئی بھی مسلمان اس کا انکار نہیں کر سکتا بالکل اس پر عمل کرنا سعادت کا باعث سمجھتا ہے۔[1]

عمل صحابہ

نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی حق کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد صحابہ کرام نے قرآن کو استنباط احکام کا اولین ماخذ قرار دیا حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ کے تمام کے اقوال موجود ہیں کہ وہ قرآن کو ہر چیز پر مقدم سمجھتے تھے مجتہد صحابہ کرام لوگوں کو احکام کی تعلیمات دیتے ہوئے بھی سب سے پہلے قرآن کی آیات سے استشہاد کرتے تھے اس لیے تمام صحابہ قرآن بنیادی منبع قانون قرار دیتے تھے۔

مبحث چہارم: مسالک کی آراء

جعفری نقطہ نظر

قرآن کی حجیت دو باتوں پر موقوف ہے ۱۔ یہ قطعی طور پر بطور تواتر ثابت ہو قرآن کے متواتر ہونے میں کسی مسلمان کو کوئی شک نہیں ہے ۲۔ دوسرا یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اللہ کا کلام ہے تمام مسلمانوں کا اس بات پر عقیدہ ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس پر خود قرآن کا اعجاز دلالت کرتا ہے اس کا اسلوب اس کے مضامین اور خود قرآن کا تمام عرب کو یہ چیلنج کرنا جو کہ آج تک قائم ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ خبریں بھی قرآن کے اللہ کا کلام ہونے پر دلالت کرتی ہیں جو قرآن نے دی اور درست ثابت ہوئیں جیسے قرآن نے سورہ روم میں رومیوں کے بارے میں پیشن گوئی کی تھی جو حرف بحرف درست ثابت ہوئی تھی اس تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن کی شان اس سے کہیں بلند ہے مسلمان اس پر ایمان لانے کے بعد اس کی بحث کریں کہ اب یہ حجت بھی ہے یا حجت نہیں ہے[2]

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں اللہ تعالی نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث رسالت فرمایا اور ان پر سلسلہ انبیاء کو ختم کر دیا اور آپؐ کے بعد کوئی نبیؑ نہیں آئے گا اور اللہ تعالی نے آپؐ پر کتاب نازل فرمائی اور آپؐ کی کتاب کے بعد اللہ کی طرف سے کوئی کتاب نہیں آئے گی اللہ تعالی نے جس چیز کو حلال کرنا تھا اس میں حلال کر دیا اور جس چیز کو حرام کرنا تھا اسے حرام کر دیا جس کو قرآن نے حلال کر دیا ہو قیامت تک حلال ہے اور جسے حرام کر دیا وہ قیامت تک حرام ہے اسی میں شریعت کو بیان کر دیا گیا ہے اور اس میں تم سے پہلے اور بعد میں آنے والی اقوام کے حالات کو بیان کر دیا گیا ہے۔

امام رضاؑ فرماتے ہیں اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ پر قرآن کو نازل فرمایا اس میں ہر چیز کا بیان ہے اس میں حلال، حرام اور حدود کو بیان کر دیا گیا ہے اور ہر اس حکم کو بیان کر دیا ہے جس کی طرف انسان محتاج ہو سکتے تھے۔

قرآن احکام شریعت کو حاصل کرنے کی مہم ترین دلیل ہے اور اجتہاد میں استنباط احکام کے لیے ہر چیز سے پہلے اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔[3]

۱۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/ ۲۲۹

۲۔ حکیم، السید محمد تقی الحکیم، الاصول العامہ للفقہ المقارن، ط/ ۱، دار لفقہ للطباعہ والنشر، قم، ۱۴۳۱ھ، ص: ۱۳۱، ۱۳۰

۳۔ عمادی، سید احمد میر، ائمہ و علم اصول، ط/ ۱، بوستان کتاب، قم، ۱۴۷۷ شمسی ایرانی، ص: ۱۲۹

بیان کیے گئے ہیں اس کی طرف تمام مصادر تشریع سے پہلے رجوع کیا جاتا ہے قرآن کی آیات براہ راست احکام پر دلالت کرتی ہیں۔[1]

ان تمام آراء کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فقہ جعفری میں قرآن مجید کو شریعت اسلامی کا بنیادی منبع سمجھا جاتا ہے اور احکام کو استنباط کرنے لیے سب سے پہلے اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے یہ اللہ تعالی کا کلام ہے اس کے اللہ تعالی کا کلام ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اس میں اللہ تعالی نے حلال و حرام کو بیان کر دیا ہے اس میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کے اصول بیان کر دیے ہیں ان کی روشنی میں ہی فقہ جعفری کے اجتہاد کا سلسلہ آگے چلتا ہے اس لیے فقہ جعفری میں قرآن کے بغیر اجتہاد کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

حنفی نقطہ نظر

علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ شریعت اسلامی میں چار ایسی دلیلیں ہیں جو موجب علم قرار پاتی ہیں ان میں سے ایک دلیل قرآن ہے قرآن نقل متواتر کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اس کا معجزہ ہونا نبی اکرم ﷺ کے کلام کی سچائی کی دلیل ہے صحابہ کرام اپنے مصاحف میں صرف قرآن مجید کے الفاظ کو تحریر کیا کرتے تھے تاکہ نسل در نسل قرآن منتقل ہو تا رہے اسی وجہ سے انہوں نے قرآن لکھتے وقت اس پر کسی قسم کا اضافی حاشیہ نہیں لگایا صرف اسی کو لکھا جس پر تمام کا اتفاق تھا کہ یہ قرآن ہے اس طرح یہ قرآن ہم تک نقل متواتر کے ذریعے پہنچ گیا اس سے قطعی علم حاصل ہو تا ہے کیونکہ جب اس کا کلام خدا ہونا تواتر سے ثابت ہو گیا تو اس کا موجب علم ہونا اور حجت ہو تا ثابت ہو گیا کیونکہ کلام خدا ہمیشہ بر حق ہو تا ہے۔[2]

ڈاکٹر عبد الکریم زیدان حجیت قرآن کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن تمام انسانوں پر حجت ہے اور اسلامی شریعت کے احکام کو حاصل کرنے کے لیے یہ منبع اول ہے انسانوں کے لیے اس کے حجت ہونے پر دلیل یہ ہے کہ قرآن کا معجزہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ اللہ تعالی کی کتاب ہے جب اعجاز کے ذریعے قرآن کا کلام خدا ہونا ثابت ہو گیا تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ تمام انسانوں کے لیے حجت ہے۔[3]

ان آراء کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ فقہ حنفی میں قرآن کو ایک بنیادی دلیل کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے یہ احکام اسلام کا ایک بنیادی ماخذ ہے اس کی حجیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے اور اس کا معجزہ ہونا ثابت ہے کیونکہ اس کا چیلنج ابھی تک موجود ہے یہ قرآن ہم تک تواتر کے ساتھ نقل ہوا اور جو چیز تواتر کے ساتھ آجائے وہ یقین کا فائدہ دیتی ہے اور قرآن کا جب اللہ کا کلام ہونا ثابت ہو گیا تو اس کی حجیت بھی ثابت ہو جائے گی حنفی علمانے قرآن کو دیگر دلیلوں پر مقدم کیا ہے اور وہ استنباط احکام میں سب سے پہلے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

مالکی نقطہ نظر

قرآن بغیر کسی اشکال کے بلاشک وشبہ حجت ہے معاصر علمانے حجیت قرآن کی بحث کو صریح الفاظ میں بیان کیا ہے متقدمین نے فقط اس کی طرف اشارہ کیا ہے ابن قصار مالکی کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید کی خود توصیف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

۱۔ صدر الدین، تمہید فی اصول الفقہ، ص: ۱۰۴

۲۔ السرخسی، اصول السرخسی، ص: ۱/ ۲۹۲، ۲۹۱

۳۔ زیدان، عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، مؤسسہ قرطبہ طباعہ نشر توزیع، بغداد، ۱۹۸۶ء، ص: ۱۵۲

باطل کا اس کے پاس گزر نہیں ہے وہ نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے یہ اس ذات کی طرف سے نازل شدہ ہے جو بڑی حکمت والی ہے (اور) قابلِ ستائش ہے۔

﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾[2]

یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ (یہ) ہدایت ہے ان پرہیز گاروں کے لیے۔

﴿مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾[3]
ہم نے کتاب میں کوئی کمی و کوتاہی نہیں کی ہے پھر وہ سب کے سب اپنے رب کے پاس محشور (جمع) کیے جائیں گے۔

اس آیت مجیدہ میں عدم تفریط سے مراد امر دین میں تفریط نہیں ہے بلکہ ہر چیز جس کی ضرورت تھی اس کو بیان کر دیا گیا ہے یہ کتاب شفا اور ہدایت ہے۔[4]

علامہ الولاتی کہتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالی کی کتاب ہے یہ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے اس لیے اس میں جو امر و نہی آئے ہیں ان پر عمل کیا جائے گا اور جو قرآن کے متواتر ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے[5] علامہ ابن ادریس لکھتے ہیں کہ قرآن بنیادی دلیل ہے تمام دلیلوں کو اس کی طرف پلٹایا جائے گا دوسری تمام دلیلوں کی حجیت قرآن سے ثابت کی جائے گی۔[6]

ان تمام علما کی آراء کی روشنی میں یہ بات بجاطور پر کہی جاسکتی ہے کہ مالکی علمائے کرام کی رائے کے مطابق قرآن سب سے بڑی دلیل ہے یہ ایسی دلیل ہے جس کے ذریعے دوسری دلیلوں کو حجیت ملتی ہے اور دوسری دلیلوں کو قرآن کی طرف پلٹایا جاتا ہے اسی کے ذریعے اچھے اور برے کاموں کا پتہ چلتا ہے یہ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے یہ کتاب معجزہ ہے جو اس بات پر دلیل ہے کہ یہ کلام خدا ہے اس میں انسان کی ہدایت کا مکمل سامان موجود ہے اس میں کسی قسم کی کوئی افراط و تفریط نہیں ہے ضرورت کے مطابق تمام کے تمام احکامات بیان کر دیے گئے ہیں۔

شافعی نقطہ نظر

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے جو کچھ قرآن میں نازل فرمایا ہے وہ سب کا سب حجت ہے جو اسے جانتا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اور جو اسے نہیں جانتا وہ کچھ نہیں جانتا قرآن کو جاننے والوں کے مختلف طبقات ہیں لوگوں کا علم میں وہی

۱۔ سورۃ فصلت: ۴۱/ ۴۲
۲۔ سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲
۳۔ سورۃ الانعام: ۴/ ۳۸
۴۔ شعلان، اصول فقہ، ص: ۱/ ۳۵۵
۵۔ الولاتی، نیل السوال، ص: ۸۷
۶۔ ابن ادریس، مبادی الاصول، ص: ۲۷

خضری بک کہتے ہیں کہ قرآن وہ کتاب ہے جس میں شرعی قواعد بیان کیے گئے ہیں جس پر اعتماد کیا جاتا ہے اس کے ذریعے دین کی حقیقت تک پہنچا جاتا ہے اور ان اصول شرعیہ کو جانا جاتا ہے جن پر عمل کیا جاتا ہے قرآن کی حیثیت ایک قطب کی سی ہے جس کے ذریعے دوسری ادلہ کو بھی پہچانا جاتا ہے سنت قرآن کو سمجھنے میں مددگار ہے قرآن کو اللہ تعالی نے سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے اللہ تعالی فرماتا ہے

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾(۲)

بلاشبہ ہم نے نصیحت حاصل کرنے کیلئے قرآن کو آسان بنادیا تو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔

﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾(۳)

پس ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر بالکل آسان بنادیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اسی طرح قرآن کا واضح عربی زبان میں ہونا اس کے سمجھنے میں مددگا ہے مانع نہیں ہے کا اعجاز قرآن کو سمجھنے سے مانع نہیں ہے۔

﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾(۴)

یہ وہ بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہلِ عقل و فہم نصیحت حاصل کریں۔

علامہ خضری بک نے ان تمام آیات کو ذکر کر کیا ہے اور ان سے یہ بات ثابت کی ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالی کی نازل کردہ کتاب ہے اور یہ تمام مسلمانوں کے لیے حجت ہے اس کو تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے نازل کیا گیا ہے (۵)

علامہ آمدی قرآن مجید کی حجیت کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ قرآن مجید جو ہماری طرف نقل ہوا جو ہم تک پہنچا ہے اس کی حجیت پر اتفاق ہے اس میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے اس لیے اس کی حجیت مسلمانوں کے پاس مسلم ہے کوئی بھی مسلمان اس کا انکار نہیں کر سکتا بلکہ اس پر عمل کرنا سعادت کا باعث سمجھتا ہے (۶)

ان آراء کی روشنی میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ شافعیؒ علمائے کرام قرآن کو ایک بنیادی ماخذ سمجھتے ہیں اس کے ذریعے احکام کو استنباط کرتے ہیں قرآن کی حجیت کے بارے میں امام شافعیؒ نے انتہائی خوبصورت بات کی ہے کہ کسی کے علم کا اندازہ اس کے قرآن جاننے سے ہو گا جو جتنا زیادہ قرآن جانتا ہے اس وہ اتنا بڑا عالم ہو گا قرآن میں تمام احکامات کو بیان کر دیا گیا ہے جس میں تمام انسانوں کی فلاح و بہبود ہے قرآن کی حجیت سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا

۱۔ ابوزہرہ، محمد، الشافعی حیاتہ وعصرہ وآرائہ، دارالفکر العربی، قاہرہ، ص:۱۸۱، ۱۸۰

۲۔ سورۃ القمر:۵۴/ ۲۲

۳۔ سورۃ الدخان:۴۴/ ۵۸

۴۔ سورۃ ص:۳۸/ ۲۹

۵۔ الخضری، اصول الفقہ، ص:۲۱۰

۶۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/ ۲۲۹

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ قرآن تمام دلیلوں کی اصل ہے یعنی تمام دلیلوں کی بنیاد قرآن مجید پر ہے [۱] قرآن تمام دلیلوں کی بنیاد ہے اگر دقت کے ساتھ تحقیق کی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ احکام تمام کے تمام اللہ کی طرف سے ہی ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ جو حکم بتاتے ہیں اصل میں وہ تمام کے تمام اللہ تعالی کی طرف سے ہی ہوتے ہیں اور اجماع کی بازگشت بھی سنت کی طرف ہوتی ہے اور سنت حکم خدا کی طرف پلٹ جاتی ہے قیاس بھی انہی کی طرف پلٹتا ہے کیونکہ حرام فقط وہی ہے جسے اللہ تعالی حرم کرے اور حلال وہی ہے جسے اللہ حلال کرے۔ [۲]

قرآن شریعت اسلامی کے لیے ایک ستون کی حیثیت رکھتا ہے یہ احکام اسلامی کا سرچشمہ ہے یہ ایسے احکام اسلامی کا مجموعہ ہے جو زمان و مکان کی تبدیلی سے نہیں بدلتے یہ تمام انسانوں کے لیے ہیں ایسا نہیں ہے کہ ایک فریق کے لیے کچھ اور ہوں اور دوسرے فریق کے لیے کچھ اور ہوں اس میں احکام اور عقیدہ کو بیان کیا گیا ہے ابوزہرہ کے مطابق امام احمد نے اپنے اصول مذہب بیان کرتے ہوئے کہ پہلی اصل نصوص ہیں اور اس سے مراد قرآن اور سنت ہیں یعنی قرآن و سنت کو ایک ہی درجے پر قرار دیا بیان احکام میں دونوں برابر ہیں امام احمدؒ اس رائے پر زور دیتے ہیں کہ سنت قرآن کی تفسیر کرنے والی ہے۔ [۳]

فقہ حنبلی کے علماکرام کی آراء کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ فقہ حنبلی میں بھی قرآن بنیادی منبع شریعت ہے احکام کو حاصل کرنے کی پہلی دلیل ہے علما احکام کو حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اس سے احکام کا استنباط کرتے ہیں یہاں ایک بنیادی فرق ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ قرآن و سنت کو ایک درجے کی دلیلیں سمجھتے ہیں اور سنت کو قرآن کی تفسیر کرنے والی قرار دیتے ہیں تمام دلیلوں کی بازگشت قرآن کی طرف ہے سب کی حجیت کا دارومدار قرآن پر ہے اجماع کی بازگشت سنت کی طرف ہوتی ہے اور سنت کی بازگشت قرآن کی طرف ہوتی ہے اس طرح ہر لحاظ سے شریعت کا مرکز اور بنیادی دلیل قرآن قرار پاتا ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام اسلامی مسالک کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید حجت ہے اس میں آئے تمام احکامات کی پیروی کی جائے گی اور جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہی کسی معاملہ کا حکم جاننا ہو تو اس کے جاننے کا بنیادی ذریعہ قرآن ہے۔

۱۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۳۳

۲۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص: ۲/ ۲۹۳، ۲۹۲

۳۔ ابوزہرہ، امام، ابن حنبل، ص:۱۹۲

مبحث اول: عام

مبحث دوم: خاص

مبحث سوم: محکم

مبحث چہارم: متشابہ

قرآن حکیم میں بہت سی آیات میں ایک عام حکم دیا گیا اور دوسری جگہ قرآن یا سنت میں اس حکم کو تخصیص لگا دی گئی ہے اس عام حکم کی حدود کو متعین کر دیا گیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ ہم عام اور خاص کو اچھی طرح سمجھیں تا کہ اس کے نتیجہ میں شریعت اسلامی کے بہت سے احکام سمجھیں جا سکیں عام خاص کو جانے بغیر احکام واقعی تک رسائی بہت مشکل ہے۔

جعفری نقطہ نظر

العام: شمول الحکم لجمیع افرادمدخولہ[1]

حکم کا اپنے تحت آنے والے تمام افراد کو شامل ہونا عام کہلاتا ہے۔

العام: ھوالذی یشمل کل افراد موضوعه[2]

عام موضوع کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔

العام: المستغرق لجمیع مایصلح له[3]

عام ان سب کو شامل ہوتا ہے جن پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے

حنفی نقطہ نظر

العام: ھو ماتناول افرادا متفقة الحدود علی سبیل الشمول[4]

عام ایک ہی طرح کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔

العام: ھو اللفظ المستغرق لجمیع مایصلح له بحسب وضع واحد[5]

عام وہ لفظ ہے جو ایک جیسی وضع کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے

مالکی نقطہ نظر

العام: ھو کون اللفظ مستغرق الکل مایصلح له[6]

عام وہ لفظ ہے جو ہر اس فرد کو شامل ہوتا ہے جو اس میں آنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

العام: کل لفظ استغرق ماصلح له دفعة واحدة من غیر حصر[7]

عام وہ لفظ ہے جو اپنے جیسے تمام افراد کو ایک ہی استعمال میں بغیر حصر کے شامل ہوتا ہے۔

۱۔ السبحانی، الموجز اصول الفقه، ص:۱۲۶

۲۔ صدر الدین، التمهید فی اصول الفقه، ص:۳۹

۳۔ محقق، جعفر بن حسن بن یحیٰ بن حسن، معارج الاصول، ط/۱، تحقیق: سید محمد حسین رضوی کشمیری، مطبعہ سرور، قم، ۲۰۰۳ء، ص:۱۲۱

۴۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۷۱ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۱۰۳ ملاجیون، نور الانوار، ص:۲/۱۱، ۱۰

۵۔ مظہر بقا، اصول الفقہ اور شاہ ولی اللہ، ط/۱، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۷۳ء، ص:۲۵۵

۶۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۶۶

۷۔ عبد الحمید بن بادیس، مبادی الاصول، تحقیق ڈاکٹر عمار طالبی، مؤسسہ الوطنیہ، الجزائر، طبع ثانیہ ۱۹۸۸ء، ص:۳۸

العام: لفظ يستغرق الصالح له من غير حصر

عام وہ لفظ ہے جو اپنے تحت آنے والے تمام افراد کو بغیر حصر کے شامل ہوتا ہے۔

العام: فهو ما عم شيئين فصاعدا من غير حصر[٢]

جو دو یا دو سے زیادہ چیزوں کو بلا حصر شامل ہوتا ہے۔

العام: هو اللفظ المستغرق لجميع ما يصلح له[٣]

عام وہ لفظ ہے جو اپنے تحت آنے والے تمام افراد پر منطبق ہوتا ہے۔

حنبلی نقطہ نظر

العام: كلام مستغرق لجميع ما يصلح له[٤]

عام وہ کلام ہے اپنے تحت آنے والے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔

العام: اللفظ المستغرق لما يصلح له[٥]

عام وہ کلام ہے جو ان تمام موارد کو شامل ہوتا ہے جو اس میں آنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ علما اس بات پر متفق ہیں کہ عام اپنے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے یعنی لفظ عام کا اطلاق جتنے افراد پر ہو گا عام انہیں شامل ہو گا جیسے لفظ انسان لفظ عام ہے یہ گورے کالے، عربی عجمی، پڑھے لکھے ان پڑھ سب کو شامل ہے عام میں شمول ہوتا ہے یعنی ہر ایک فرد کو شامل ہوتا ہے اور اس کی شمولیت سب کو برابر ہوتی اس میں کسی قسم کا کوئی تفاوت نہیں ہوتا۔

حکم عام

جعفری نقطہ نظر

محقق حلی کہتے ہیں کہ عام میں جو حکم آرہا ہوتا ہے وہ سب کے لیے ہوتا ہے اس میں سب افراد کی شمولیت پائی جاتی ہے[٦] علامہ صدر الدین کے مطابق عام اپنے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔[٧]

حنفی نقطہ نظر

علامہ ابن قطلوبغا لکھتے ہیں کہ اس کا حکم یہ ہے کہ عام قطعی طور پر تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔[٨]

١۔ السبکی، جمع الجوامع، ص: ۴۴

٢۔ المحلی، شرح الورقات، ص: ١٦٠

٣۔ رازی، المحصول، ص: ٢/٣٠٩

۴۔ الشنقیطی، محمد الامین بن محمد المختار، مذکرۃ فی اصول الفقہ، ط/١، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ، ١٩٨٩ء، ص: ٢۴٣

۵۔ ابن مفلح، شمس الدین محمد بن المقدسی الحنبلی، اصول الفقہ، ط/١، تحقیق فہد بن محمد السدحان، اصول الفقہ، مکتبہ العبیکان، ریاض، ١٩٩٩ء، ص: ٢/٧۴٧

٦۔ محقق، معارج الاصول، ص: ١٢١

٧۔ صدر الدین، التمہید فی اصول الفقہ، ص: ۴٠

٨۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص: ٧١

مالکی نقطہ نظر

شیخ عبدالحمید مالکی کے مطابق یہ ضروری ہے کہ عام کو اس کے عموم پر حمل کیا جائے گا یہاں تک کو کوئی مخصص آئے جو اس عام کے عموم کو ختم کر دے یعنی اس میں اصل عموم ہے۔(۲)

شافعی نقطہ نظر

امام شافعیؒ فرماتے ہیں عام اگر قرائن سے خالی ہو تو اپنے تمام افراد کو شامل ہو گا ۳ شوافع کے نزدیک عام کی ہر فرد پر دلالت قطعی نہیں ہوتی بلکہ ظنی ہوتی ہے کیونکہ کوئی بھی ایسا عام شریعت اسلامی میں نہیں جس کی تخصیص نہ ہوئی ہو جب اس کثرت سے عام کی تخصیص ہوئی ہے تو اس کی وجہ سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ اس عام کی تخصیص ہو چکی ہو گی اس احتمال کے ہوتے ہوئے عام کی اس کے افراد پر دلالت قطعی نہیں رہتی۔(۴)

حنبلی نقطہ نظر

جمہور کی رائے یہ ہے کہ عام کی خاص کے آنے سے پہلے اپنے افراد پر دلالت ظنی ہوتی ہے کیونکہ تخصیص کا احتمال رہتا ہے اور قرآن مجید میں آنے والی اکثر آیات کو خاص کے ذریعے تخصیص لگائی جاتی ہے ۵ ائمہ اربعہ اور ظاہریہ کے نزدیک صیغہ عام عموم میں حقیقت ہوتے ہیں۔(۶)

متذکرۃ بالا آراء سے مندرجہ نکات اخذ کیے جاسکتے ہیں

۱۔ اس بات پر علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ عام اپنے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے کوئی بھی فرد اس سے باہر نہیں رہ سکتا۔

۲۔ عام اپنے افراد کو ظنی طور پر شامل ہے احناف، شوافع اور جمہور حنابلہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ عام کی عموم پر دلالت ظنی ہوتی ہے۔

۳۔ عام کی اپنے افراد پر دلالت قطعی ہوتی ہے جعفری، حنفی علما میں علامہ قطلوبغا اور حنبلی عما میں ابن النجار یہی رائے رکھتے ہیں۔

مبحث دوم: خاص

شریعت اسلامی میں ایک حکم آتا ہے اور پھر کسی اور روایت یا آیت میں بھی اس حکم کو بیان کیا جاتا ہے ہم درست حکم کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک کسی بھی حکم سے متعلق آنے والی تمام نصوص کو سمجھ نہ لیں قرآن و سنت میں عمومات کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر ان عمومات سے حکم کو ایسے ہی اخذ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہر عموم کی کسی نہ کسی خاص کے ذریعے تخصیص لگادی گئی ہے اس لیے ضروری ہے کہ صحیح حکم جاننے کے لیے خاص کو سمجھا جائے۔

جعفری نقطہ نظر

۱۔ مظہر بقا، اصول الفقہ، ص:۲۶۰

۲۔ عبدالحمید بن ادریس، مبادی الاصول، ص:۳۸

۳۔ الجوینی، البرھان فی اصول الفقہ، ص:۱/ ۲۲۲

۴۔ مظہر بقا، اصول الفقہ، ص:۲۵۰، ۲۵۹

۵۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۳۱۶

۶۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۳/ ۱۰۸

الخاص: فھوفی اصطلاح عبارۃ عن الدلیل الواقع فی مقابل ما ھو اعم منه مقدارا اعموما مطلقا[۲]

اصطلاح میں خاص اس دلیل کو کہا جاتا ہے جو مقدار کے لحاظ سے اپنے سے اعم کے مقابلے میں واقع ہوتی ہے اس طرح کہ اس میں نسبت عام مطلق کی ہو۔

حنفی نقطہ نظر

الخاص: ھو قصر العام علی بعض مسمیاته بکلام مستقل[۳]

ایک کلام مستقل کے ذریعے عام کو اس کے بعض افراد پر محدود کرنا خاص کہلاتا ہے۔

الخاص: فکل لفظ وضع لمعنی معلوم علی الانفراد[۴]

ہر وہ لفظ جو علیحدہ طور پر معین چیز کے لیے بنایا گیا ہو۔

الخاص: کل لفظ وضع لمعنی معلوم علی الانفراد[۵]

ہر وہ لفظ جو علیحدہ طور پر معین چیز کے لیے بنایا گیا ہو۔

مالکی نقطہ نظر

الخاص: وھو کونه مقصودا علی بعض ما یتناوله[۶]

خاص بتاتا ہے کہ عام جن موارد کو شامل ہے ان میں سے بعض مقصود ہیں۔

الخاص: فھو قصر العام علی بعض افرادہ[۷]

عام کو اس کے بعض افراد پر محدود کرنا خاص کہلاتا ہے۔

الخاص: ھو قصر ما عم علی بعض الذی یحتمل اللفظ[۸]

۱۔ السبحانی، الموجز اصول الفقه، ص:۱۲۶

۲۔ المشکینی، اصطلاحات الاصول، ص:۲۳۴

۳۔ ملاجیون، نور الانوار، ص:۲/ ۷۸، ۷۷

۴۔ النسفی، امام ابی البرکات عبداللہ بن احمد المعروف حافظ الدین، کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، دار الکتب العلمیه، بیروت، ص:۱/ ۲۶

۵۔ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۲۱

۶۔ تلمسانی، امام شریف ابی عبداللہ محمد بن احمد، تحقیق محمد علی فرکوس، مفتاح الوصول الی بناء الفروع علی الاصول، ط/ ا، مکتبه المکیه، مکہ مکرمہ، ۱۹۹۸ء، ص:۶۶

۷۔ اللقانی، منازل الاصول الفتوی، ص:۱۵۹

۸۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۰۸

الخاص: قصر العام علی بعض افرادہ[1]
عام کو اس کے بعض افراد پر محدود کرنا خاص کہلاتا ہے۔
الخاص: مالا یتناول شیئین فصاعدا من غیر حصر[2]
خاص وہ ہے جو بغیر کسی تخصیص کے دو یا دو سے زیادہ کو شامل نہیں ہوتا۔

حنبلی نقطہ نظر

الخاص: مادل علی معین محصور[3]
جو معین اور محدود پر دلالت کرے وہ خاص کہلاتا ہے۔
الخاص: ھو قصر العام علی بعض افرادہ[4]
عام کو اس بعض افراد پر محدود کرنا خاص کہلاتا ہے۔

ان تعریفات کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں

۱۔ علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ خاص میں لفظ کی دلالت بعض افراد پر ہوتی ہے۔
۲۔ اس میں شمول نہیں ہوتا بلکہ بعض افراد تک محدود کرنا مقصود ہوتا ہے۔
۳۔ اس کی دلالت معین اور معلوم چیز پر ہوتی ہے۔

خاص کا حکم

جعفری نقطہ نظر

خاص کا حکم یہ ہے کہ حکم، خاص کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے اگرچہ خاص کے افراد کا دائرہ عام کے افراد سے تنگ ہوتا ہے۔[5]

حنفی نقطہ نظر

خاص کی اپنے معنی پر دلالت واضح ہوتی ہے اس میں کسی قسم کا کوئی اجمال اور اشکال نہیں ہوتا خاص کا حکم یہ ہے کہ یہ اپنے افرادِ مخصوص کو قطعی طور پر شامل ہوتا ہے اپنے مدلول کو قطعی طور پر ثابت کرتا ہے اور اس کے مطابق عمل لازم ہے۔[6]

مالکی نقطہ نظر

۱۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۴۷
۲۔ المحلی، جلال الدین محمد بن احمد، شرح الورقات، ط/۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲ء، ص:۱۶۲
۳۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۲۸۷
۴۔ النملہ، عبد الکریم النملہ، الجامع لمسائل الاصول الفقہ و تطبیقھا علی المذھب الراجح، ط/۱، مکتبۃ الرشد للنشر و التوضیح، ریاض ۲۰۰۰ء، ص:۲۶۳
۵۔ مظفر، اصول الفقہ، ص:۱۵۱
۶۔ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۲۳ ابن قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۴۴ النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/۲۸ زیدان، الوجیز، ص:۲۸۱ شاشی، اصول شاشی، ص:۱۴

شافعی نقطہ نظر

جب کلام میں عام اور خاص دونوں آئے ہوں عام کا حکم خاص کے حکم سے تعارض کر رہا ہو تو خاص کو عام پر مقدم کیا جائے گا کیونکہ خاص کی دلالت عام سے قوی ہوتی ہے۔[۲]

حنبلی نقطہ نظر

جب شارع سے کوئی لفظ عام وارد ہو اور اس کے ساتھ ساتھ خاص بھی آیا ہو تو خاص عام پر مطلقا مقدم ہو گا چاہے یہ خاص عام کے ساتھ ملا ہوا ہو یا یہ خاص اس عام سے مقترن نہ ہو۔[۳]

علمائے کرام کی متذکرۃ بالا آراء کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ خاص میں حکم خاص کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے کیونکہ اس میں خاص کی اپنی مدلول پر دلالت بہت واضح ہوتی اس میں کوئی اور احتمال ہی نہیں ہوتا ہے کہ اس طرف متوجہ ہوں اس لیے علمانے خاص کی اس کے مدلول پر دلالت کو قطعی قرار دیا ہے جس میں مخالفت کا احتمال نہیں ہوتا جب افراد پر دلالت واضح ہے اس میں کوئی اور احتمال بھی نہیں ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دلالت قطعی ہو گی۔

مخصصات

جعفری نقطہ نظر

شیخ مظفر کہتے ہیں کہ یہ بات ابتدا میں بہت عجیب لگتی ہے کہ خبر واحد جو ظن کا فائدہ دیتی ہے جس میں جھوٹ کا احتمال موجود ہوتا ہے اس کو قرآن پر کیسے مقدم کر دیا جاتا ہے؟ مگر علما کا زمانہ قدیم سے طریقہ کار ہے کہ ان کے نزدیک خبر واحد کے ذریعے قرآن کی تخصیص درست ہے۔[۴]

حنفی نقطہ نظر

علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ قرآن کی قرآن کے ساتھ قرآن کی سنت متواترۃ کے ساتھ اسی طرح سنت متواترۃ کی قرآن کے ساتھ تخصیص درست ہے جمہور کی رائے یہ ہے کہ قرآن کی خبر واحد کے ذریعے تخصیص لانا درست ہے[۵] شاشی اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک خبر واحد سے عموم قرآن کی تخصیص لانا درست ہے۔[۶]

امام بزدوی فرماتے ہیں کہ عام کی تخصیص صرف ان چیزوں سے درست ہے جن کے ذریعے نسخ جائز ہے ہمارے علما کی رائے یہی ہے مگر ہمارے بعض متاخر علماء نے اس کی اجازت دی ہے کہ بعض ایسی چیزی ہیں ں جو ناسخ نہیں بن سکتیں مگر مخصص بن سکتی ہیں متاخرین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ قرآن اور خبر متواتر کی تخصیص خبر واحد اور قیاس کے ذریعے درست ہے متقدمین کے نزدیک درست نہیں تھی۔[۷]

۱۔ المازری، ابی عبد اللہ محمد بن علی بن عمر بن محمد، ایضاح المحصول من برھان الاصول، تحقیق ڈاکٹر عمار طالبی، دار الغرب الاسلامی، الجزائر ص:۳۰۴

۲۔ ابو اسحق، ابراہیم بن علی بن یوسف فیروز آبادی، التبصرۃ فی اصول الفقه، دار الفکر، دمشق، ۱۹۸۳ء، ص:۱۵۱

۳۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۳/ ۲۸۲

۴۔ مظفر، اصول الفقه، ص:۱۷۷ حافظ بشیر حسین النجفی، مرقاۃ الاصول، دار الفقه للطباعة والنشر، قم، طبع الثانیه ۱۴۲۵ھ ص:۱۲۱ قمی، محمد مومن، تسدید الاصول، ط/ ا، مؤسسة النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۹ھ، ص:۱/ ۵۳۲

۵۔ الشوکانی، ارشاد الفحول، ص:۲/ ۶۸۵، ۶۸۴

۶۔ مظہر بقا، اصول الفقه، ص:۲۶۵ شاشی، اصول شاشی، ص:۲۰

۷۔ البزدوی، معرفة الحجج الشرعية، ص:۷۲

قرآن سے سنت اور سنت متواترہ سے قرآن کی تخصیص لانا جمہور کے نزدیک جائز ہے اسی طرح خبر واحد کے ذریعے قرآن کی تخصیص لانا بھی جمہور کے نزدیک جائز ہے۔(۱)

شافعی نقطہ نظر

قرآن کی قرآن سے تخصیص لگانا درست ہے قرآن کی سنت سے تخصیص لگانا درست ہے سنت سے کتاب کی تخصیص لگانا درست ہے اسی طرح سنت سے سنت کی تخصیص لگانا بھی جائز ہے۔(۲)

علامہ ابو اسحٰق شیرازی کے مطابق خبر واحد کے ذریعے عموم قرآنی کی تخصیص لگائی جاسکتی ہے ۳مظہر بقا کی تحقیق کے مطابق شوافع کے ہاں خبر واحد کے ذریعے عموم قرآنی کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ شوافع عام کی دلالت کو ظنی مانتے ہیں اور اسی طرح خبر واحد کی دلالت بھی ظنی ہوتی ہے ایک مظنون الدلالت کی دوسرے مظنون الدلالت سے تخصیص کرنا درست ہے۔(۴)

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ ایک نص کے ذریعے دوسری نص کی تخصیص کی جاسکتی ہے جیسے سنت کے ذریعے قرآن کی تخصیص لگائی جاتی ہے اسی طرح سنت کے ذریعے سنت کی تخصیص لگائی جاتی ہے قرآن کے ذریعے قرآن کی تخصیص لائی جاتی ہے۔(۵)

خبر واحد کے ذریعے ذریعے قرآن کی تخصیص پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن قطعی ہے اور خبر واحد ظنی ہے اس لیے قطعی کو ظنی کے ذریعے سے تخصیص نہیں لگائی جاسکتی؟ علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ خبر واحد کے ذریعے قرآن کو تخصیص لگانا درست ہے اور یہ عمل صحابہ سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ خبر واحد کے ذریعے عمومات قرآنی کی تخصیص لگایا کرتے تھے۔(۶)

مذکورا بالا آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں

۱۔ قرآن کے ذریعے قرآن کی تخصیص کی جاسکتی ہے اس پر تمام علمائے کرام نے اتفاق کیا ہے کہ قرآن کو قرآن تخصیص لگا سکتا ہے اس میں بظاہرا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۲۔ سنت متواترۃ کے ذریعے قرآن کی تخصیص کی جاسکتی ہے اس پر بھی علمائے کرام متفق ہیں کہ قرآن کو سنت متواترۃ کے ذریعے تخصیص لگائی جاسکتی ہے دونوں قطعی ہیں اس لیے اس میں اختلاف نہیں ہے۔

۳۔ خبر واحد کے ذریعے قرآن کو تخصیص کی جاسکتی ہے جمہور امت کے نزدیک قرآن کی خبر واحد کے ذریعے تخصیص کی جاسکتی ہے اس میں تھوڑے بہت اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ خبر واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے یہ یقین آور نہیں ہوتی و

۱۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۵۳۴ المازری، ایضاح المحصول، ص:۳۱۸ الشنقیطی، درر الاصول، ص:۶۱ عبدالحمید بن ادریس، مبادی الاصول، ص:۴۲

۲۔ المحلی ،شرح الورقات، ص:۱۶۶، ۱۶۵ ابن الفرکاح، تاج الدین عبدالرحمن بن ابراهیم، شرح الورقات لامام الحرمین الجوینی، دارالبشائر الاسلامیہ، کویت، ۱۹۹۷ء، ص:۱۹۵-۱۹۸

۳۔ ابو اسحٰق، التبصرۃ فی اصول الفقه، ص:۱۳۲

۴۔ مظہر بقا، اصول الفقہ، ص:۲۶۶

۵۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۱۲۸، ۱۲۷

۶۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۱۲۸

مبحث سوم: محکم

قرآن مجید اللہ تعالی کا کلام ہے اس میں اللہ تعالی نے مختلف انداز میں اپنے بندوں سے خطاب کیا ہے اللہ تعالی کے کلام کرنے میں مختلف مصلحتیں ہوتی ہیں انسانی عقل ان مصلحتوں کے مکمل ادراک سے عاجز ہے قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر اللہ تعالی نے اس انداز میں خطاب کیا ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے کوئی بھی شخص بلا امتیاز مسلم و کافر اگر قرآن پاک کو پڑھے اور اسے اگر عربی آتی ہے تو وہ اس سے وہی مطلب سمجھے گا جو ایک مسلمان سمجھتا ہے اس کا معنی واضح ہوتا ہے اس لیے ہر عربی جاننے والا اس سے ایک طرح کا معنی ہی سمجھتا ہے محکم کے بارے میں فقہی مسالک کے علمائے کرام کی آراء پیش خدمت ہیں۔

جعفری نقطہ نظر

مالا یحتمل الا وجها واحد[1]
محکم وہ کلام ہے جس میں فقط ایک جہت ہی پائی جاتی ہے۔

المحکم: ھو ما کان من آیات القرآن بینا ظاھر التفسیر و التاویل[2]
محکم ایسی قرآنی آیات جن کی تفسیر اور تاویل بالکل واضح ہو۔

حنفی نقطہ نظر

المحکم: وھو ما احکم المراد بہ عن احتمال النسخ و التبدیل[3]
محکم وہ جس کی مراد نسخ اور تبدیلی کا احتمال نہ رکھتی ہو۔

المحکم: مالم یحتمل الا وجها واحدا[4]
جس میں صرف ایک ہی معنی پایا جائے وہ محکم کہلاتا ہے۔

مالکی نقطہ نظر

المحکم: ھی التی یعلم معناھا العلماء[5]
محکم وہ ہے جس کا معنی علما جانتے ہوں۔

المحکم: کل دلیل شرعی من الکتاب و السنة استمر حکمه ولم یرفع جملة بدلیل آخر منها فھو محکم[6]
محکم کتاب و سنت سے ہر وہ حکم شرعی ہے جو جاری ہو اور کسی قرآن و سنت کسی دوسری دلیل کے ذریعے اٹھانہ لیا گیا ہو۔

۱۔ الحکیم، الاصول العامه، ص:۱۳۱

۲۔ صدر الدین، التمهید فی اصول الفقه، ص:۱۱۱

۳۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۸۱ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۱۳۹ السغناقی، احسام الدین حسین بن علی بن حجاج، الکافی شرح البزدوی، ط/۱، تحقیق سید فخر الدین سید قانت، مکتبہ الرشد، ریاض، ۲۰۰۱ء، ص:۱/۲۲۸ ملا جیون، نور الانوار، ص:۲/۲۴۴

۴۔ ڈاکٹر مظہر بقا، اصول الفقہ، ص:۱۱۰

۵۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۸۹

۶۔ عبد الحمید بن ادریس، مبادی الاصول، ص:۴۴

طرح جو کلام منسوخ نہ ہوا ہو اس پر بھی محکم کا اطلاق ہوتا ہے۔

شافعی نقطہ نظر

المحکم :ما ظہر معناہ و انکشف کشفا یزیل الاشکال یرفع الاحتمال[۲]

محکم جس کا معنی ظاہر اور ایسا واضح ہو کہ اس سے اشکال اور احتمال کا خاتمہ ہو جائے۔

المحکم :ھو اللفظ الدال علی المقصود الذی سیق لہ وھو واضح فی معناہ ولا یقبل تاویلا ولا تخصیصا[۳]

وہ لفظ جو اس مقصود پر دلالت کرے جس کے لیے اسے لایا گیا ہو اس کا معنی واضح ہو اس کے ساتھ ساتھ تاویل اور تخصیص کو قبول نہ کرے۔

حنبلی نقطہ نظر

ما اتضح معناہ فلم یحتج الی بیان[۴]

جس کا معنی واضح ہو اور بیان کا محتاج نہ ہو۔

المحکم : المتضح المعنی[۵]

محکم جس کا معنی واضح ہو۔

فقہی مسالک کے علمانے محکم کی جو تعریفات کی ہیں ان کی روشنی میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں

۱۔ محکم کا معنی واضح اور روشن ہوتا ہے اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہوتا۔

۲۔اسی سمجھنے کے لیے کسی بیان یا دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی الفاظ سنتے ہیں معنی ذہن میں آجاتا ہے۔

۳۔اس میں نسخ، تخصیص اور تاویل جو کہ معنی میں تبدیلی کا باعث بنتے ہیں ان کا احتمال بھی نہیں ہوتا کیونکہ ان کے آنے سے معنی میں ابہام پیدا ہو جاتا ہے۔

محکم کا حکم

جعفری نقطہ نظر

محکم نص ہوتا ہے اور اس کی اپنے مدلول پر دلالت قطعی ہوتی ہے اور قطع کی حجیت ذاتی ہوتی ہے یعنی اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔[۶]

حنفی نقطہ نظر

۱۔الباجی،الحدود،ص:۴۷

۲۔آمدی،الاحکام فی اصول الاحکام،ص:۱۲۳/۷

۳۔ ابوزہرہ، محمد،اصول الفقہ،دارالکتاب العربی،بیروت ۱۹۵۸ء،ص:۱۲۳

۴۔ابن المفلح،اصول الفقہ،ص:۳۱۶/۱

۵۔ابن اللحام،المختصر فی اصول الفقہ،ص:۷۳

۶۔الحکیم،الاصول العامہ،ص:۱۳۲

ہے۔(۳)

مالکی نقطہ نظر

محکم کا حکم یہ ہے کہ علما کرام جب قرآن و سنت میں آئے ہوئے محکم کلام کو پڑھتے ہیں تو وہ اس کا معنی سمجھ جاتے ہیں انہیں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی قرآن کی وہ آیات جو منسوخ نہیں ہوئیں اور وہ آیات جن کا معنی یقینی ہے وہ سب آیات محکم ہیں جس حکم کا علم یقین کے ذریعے ہو جائے اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔(۴)

شافعی نقطہ نظر

محکم کی اپنے حکم پر دلالت واضح ہوتی ہے اس میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہوتا اس لیے محکم کے مطابق عمل کیا جائے گا اور جب کسی ظاہر کے ساتھ تعارض ہو جائے تو بھی اسے لیا جائے گا۔(۵)

حنبلی نقطہ نظر

اللہ تعالی نے محکم کو ام الکتاب کا نام دیا ہے اور ام کسی شئ کی اصل کو کہتے ہیں اس لیے محکم وہ دلیل ہوتی ہے جس کی حکم پر دلالت واضح ہوتی ہے اور اس کا سمجھنا کسی اور پر موقوف نہیں ہوتا اس لیے اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔(۶)

فقہی مسالک کے معتبر علمائے کرام کی آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ محکم کی معنی پر دلالت واضح ہوتی ہے جو محکم میں بیان کیا گیا ہو اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔
۲۔ محکم کی اپنے معنی پر دلالت قطعی ہوتی ہے کیونکہ اس کے مقابل کوئی اور احتمال موجود ہی نہیں ہوتا۔
۳۔ محکم اصل ہے اور جب کسی حکم میں شک ہو جائے تو اسے محکمات کی طرف پلٹایا جائے گا۔

تمام مسلمان مسالک میں عملی طور پر محکمات میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان سے تمام مسالک محکمات سے ایک طرح کا معنی ہی سمجھ رہے ہوتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ایک طرح کا نظریہ ہی قائم ہو رہا ہوتا ہے جس سے اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی۔

مبحث چہارم: متشابہ

قرآن کے انتہائی اہم اور دقیق مسائل میں سے ایک مسئلہ متشانہ کا ہے قرآن پاک میں محکمات کے ساتھ ساتھ متشابہات بھی موجود ہیں متشابہ کا جاننا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اسی کے ذریعے اپنی من پسند تفسیر کر کے لوگوں کو حقیقی دین سے دور کیا جاتا ہے

جعفری نقطہ نظر

المتشابہ: مایحتمل وجھین فصاعدا(۷)

جس میں دو یا دو سے زیادہ جہات کا احتمال ہوتا ہو۔

۱۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۸۱
۲۔ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۱۳۹
۳۔ ملاجیون، نور الانوار، ص:۲/۲۲۸
۴۔ الولاتی، نیل السؤل، ص:۸۹
۵۔ ابوزہرہ، اصول الفقہ، ص:۱۲۴
۶۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۳۵، النملہ، الجامع، ص:۹۲
۷۔ الحکیم، الاصول العامہ، ص:۱۳۱

وہ ایات جن کا کوئی واضح معنی نہیں ہے اور ایک سے زیادہ معانی کا احتمال پایا جاتا ہے۔

حنفی نقطہ نظر

المتشابہ: وھولم یرج بیان مرادہ لشدۃ خفائہ[۲]

متشابہ جس کا معنی زیادہ مخفی ہونے کی وجہ سے مراد کو سمجھا نہیں جاسکتا۔

المتشابہ: فھو اسم لما انقطع رجاء معرفۃ المراد منہ[۳]

جس سے مراد کو سمجھنے کی امید ختم ہو جائے اسے متشابہ کہا جاتا ہے۔

ما احتمل وجوھا انما المراد منہ بعضھا[۴]

جس میں کئی معانی کے احتمالات ہوں اس طرح کہ ان سے مقصود بعض ہوں۔

مالکی نقطہ نظر

المتشابہ: ھو المشکل الذی یحتاج فی فھم المراد بہ الی تفکر و تامل[۵]

متشابہ کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے اور متشابہ سے مراد کو سمجھنے کے لیے غور و فکر اور تامل درکار ہوتا ہے۔

وھی ما استاثراللہ بعلمہ[۶]

جس کا معنی اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہو۔

شافعی نقطہ نظر

المتشابہ: ماتعارض فیہ الاحتمال[۷]

جس میں مختلف احتمالات ٹکرا جائیں۔

المتشابہ: ھو اللفظ الذی یخفی معناہ ولا سبیل لان تدرکہ عقول العلماء[۸]

متشابہ جو لفظ جس کا معنی پوشیدہ ہو اور علما کی عقلیں اسے سمجھنے سے قاصر ہوتی ہیں۔

حنبلی نقطہ نظر

۱۔ صدر الدین، التمہید فی اصول الفقہ، ص:۱۱۲

۲۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۸۷

۳۔ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص۱۴۳ النسفی، کشف الاسرار، ص:۱/۲۲۱

۴۔ مظہر بقا، اصول الفقہ، ص:۱۱۰

۵۔ الباجی، الحدود، ص:۴۷

۶۔ الولاتی، نیل السول، ص:۸۹

۷۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۲۳۷

۸۔ ابوزہرہ، اصول الفقہ، ص:۱۳۴

المتشابه: ما ورد في صفات الله سبحانه مما يجب الايمان به ويحرم التعرض لتاويله[۲]

جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں وارد ہوا ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی تاویل کے پیچھے پڑنا حرام ہے۔

جیسے ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾[۳]

وہ رحمان (کائنات کے) تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہے۔

﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾[۴]

اللہ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں۔

علما کرام کی آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

ا۔ تمام مسالک کا اس بات پر اتفاق ہے کہ متشابہ کا معنی واضح نہیں ہوتا اسے سمجھنے کے لیے کسی ایسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے معنی کو اس اجمال سے نکال کر واضح کر دے۔

۲۔ بعض علما نے کہا ہے کہ متشابھات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں بتاتی ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ان میں احتمالات ٹکرا رہے ہوتے ہیں۔

۳۔ احناف نے کہا جس سے مراد کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے وہ متشابہ کہلاتی ہے اور جعفریہ کے نزدیک جس میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہوتا ہے اس لیے اسے متشابہ کہتے ہیں۔

حکم متشابہ

جعفری نقطہ نظر

متشابہ کے بارے میں فقہ جعفری کے اصولی اور اخباری علما میں اختلاف واقع ہوا ہے اخباری علما کی رائے یہ ہے کہ آیت قرآنی نے متشابہات کی اتباع سے منع کیا ہے اور اس کی تاویل سے بھی منع کیا ہے کیونکہ ان کی تاویل فقط اللہ اس کا رسول ﷺ اور ائمہ اہلبیتؑ ہی جانتے ہیں اس لیے ان آیات سے استنباط احکام سنت کی طرف رجوع کرنے سے پہلے نہیں کر سکتے۔

اس کے مقابل اصولی علما ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ اس آیت سے زیادہ سے زیادہ جو سمجھا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ جو متشابہات کی پیروی لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے یا ان کو گمراہ کرنے کے لیے کرے اس کو متشابہات سے استفادہ نہیں کرنا چاہیے اور اس کے لیے منع آیا ہے جب تفسیر اور استنباط کے تمام شرعی طور پر معتبر طریقوں کا خیال رکھتے ہوئے آیات محکمات کی روشنی پر عمل کرتے ہوئے ان آیات سے احکام کے استنباط کے لیے استفادہ کیا جائے گا تو یہ درست ہے۔[۵]

حنفی نقطہ نظر

ا۔ ابن المفلح، اصول الفقه، ص:۱/۳۱۶

۲۔ ابن قدامه، روضة الناظر، ص:۳۶

۳۔ سورۃ طٰہٰ:۲۰/۵

۴۔ سورۃ المائدۃ:۵/۶۴

۵۔ صدر الدین، التمهيد في اصول الفقه، ص:۱۱۵

اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ متشابہات سے جو بھی مراد ہے وہ حق ہے اور اس مراد کو ہم قیامت سے پہلے نہیں جان سکتے اور قیامت کے دن سب لوگ متشابہ سے کیا مراد ہے جان لیں گے [۳] شاہ ولی اللہ کے نزدیک متشابہات کو ان کے ظواہر پر رکھتے ہوئے ان کی حقیقت کا اعتقاد رکھنا چاہیے اور ان پر غور غوض نہیں کرنا چاہیے [۴] علامہ السغناقی کہتے ہیں کہ متشابہ کو درک کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے بس اسے تسلیم کیا جائے گا اس کا عقیدہ رکھا جائے گا اس پر ایمان رکھا جائے گا اس کی تاویل نہیں کی جائے گی یہ کہا جائے گا کہ اس سے اللہ کی جو بھی مراد ہے وہی حق ہے۔[۵]

مالکی نقطہ نظر

علامہ الاولاتی کے مطابق متشابہات کی تفسیر کرنا درست نہیں ہے اللہ تعالی نے اپنے خاص اور چنے ہوئے لوگوں کو اس کا علم دیا ہے متشابہات پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کو اللہ کی طرف پلٹا دینا چاہیے یہ جمہور اہلسنت، صحابہ اور تابعین کا مذہب ہے متشابہات کا علم فقط اللہ تعالی کو ہے [۶] علامہ قرافی نے اس کی تین اقسام کی ہیں ۱۔ وہ متشابہات جن کی مجمل کی طرح کوئی سمجھ نہیں آتی ۲۔ جو سمجھا جارہا ہے وہ اللہ کی نسبت درست نہیں ہے جیسے اللہ تعالی کے جسم کے بارے میں جو باتیں آئی ہیں ۳۔ جن کا معنی سمجھ میں ہی نہیں آتا جیسے حروف مقطعات ہیں۔[۷]

شافعی نقطہ نظر

متشابہ کو جاننے کے لیے عقل انسانی کو رسائی حاصل نہیں ہے متشابہ کو تسلیم کیا جائے گا اور اس کے علم کو اللہ کی طرف پلٹا دیا جائے گا اور اس بات کا اقرار کیا جائے گا کہ ہم اس کے معنی کو جاننے سے قاصر ہیں۔[۸]

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں متشابہ توقف اختیار کیا جائے گا [۹] ڈاکٹر عبدالکریم النملہ اور فوزان کے مطابق مشابہات کا تعلق صفات خدا سے ہے ان پر ایمان لانا واجب ہے مگر اس کی تاویل کرنا حرام ہے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی تاویل کو ترک کیا جائے گا اور اس کو جیسے ہیں اسی طرح مانا جائے گا۔[۱۰]

فقہی مسالک کے علما کی آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ علما کرام نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ متشابہات میں توقف اختیار کیا جائے گا ان پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ فقہ جعفری میں دو گروہ ہیں اخباری کہتے ہیں کہ توقف کیا جائے گا مگر اصولی توقف کے قائل نہیں ہیں۔

۳۔ اس بات پر علما کا اتفاق ہے کہ متشابہات پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

۴۔ اس بات پر علمائے کرام متفق ہیں کہ خود سے انسانی عقل کو استعمال کرتے ہوئے متشابہات کے معنی کو نہیں جانا جا سکتا۔

۱۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۱۸۷

۲۔ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۱۴۴

۳۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۱/۲۲۱

۴۔ مظہر بقا، اصول الفقہ، ص:۱۲۹

۵۔ السغناقی، الکافی شرح البزدوی، ص:۱/۲۳۹

۶۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۹۰

۷۔ قرافی، نفائس الاصول، ص:۲/۶۲۳

۸۔ ابوزہرہ، اصول الفقہ، ص:۱۳۴

۹۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۳۶

۱۰۔ النملہ، الجامع، ص:۹۲ الفوزان، تیسیر الوصول، ص:۱/۱۱۹

فصل چہارم: فصل امر و نہی اور مطلق و مقید

مبحث اول: امر

مبحث دوم: نہی

مبحث سوم: مطلق

مبحث چہارم: مقید

دیتا ہے اس لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ اس امر سے مراد کیا ہے اس کی حدود قیود کیا ہیں؟ تاکہ جب قرآن میں کسی جگہ امر آئے تو اس سے وہی معنی سمجھا جائے جو اللہ تعالی کا مقصود ہے کیونکہ پہلے مرحلے میں خدا کے حکم کو سمجھا جاتا ہے اور دوسرے مرحلے میں اس کے مطابق عمل کیا جاتا ہے امر کے لغوی اور اصطلاحی معنی معروف فقہی مسالک کے معتبر علما کی آراء ان کی کتب کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے۔

جعفری نقطہ نظر

الامر: فی الاصطلاح عبارۃ عن الطلب الانشائی[1]

اصطلاح میں کسی چیز کا طلب کرنا امر کہلاتا ہے۔

کسی بھی برتر کا اپنے سے کمتر سے کچھ بھی طلب کرنا امر کہلاتا ہے اگرچہ عالی اس وقت اس کا اظہار نہ بھی کر رہا ہو کہ میں بڑا ہونے کی حیثیت سے دے حکم دے رہا ہوں اس لیے اسے انجام دو بلکہ فقط علو معتبر ہے۔[2]

حنفی نقطہ نظر

الامر: ھو قول قائل لغیرہ علی سبیل الاستعلاء[3]

امر وہ قول ہے جو کہنے والا خود کو مرتبے میں بڑا ظاہر کرتے ہوئے کہے۔

علامہ نسفی نے بھی یہی تعریف کی ہے بس آخر میں "افعل" تم انجام دو کا اضافہ کیا ہے۔[4]

مالکی نقطہ نظر

حقیقۃ الامر اقتضاء الفعل و طلبہ الجازم[5]

امر کی حقیقت یہ ہے کہ کسی فعل کی انجام دہی حتمی طور پر طلب کی جائے۔

شافعی نقطہ نظر

الامر: ھو القول المقتضی طاعۃ المامور بفعل المامور بہ[6]

امر وہ کلام ہے جو تقاضا کرتا ہے کہ جس سے فعل طلب کیا گیا ہے وہ مطلوبہ فعل کو انجام دے۔

الامر: طلب الفعل بالقول علی سبیل الاستعلاء[7]

کلام کے ذریعے خود کو برتر ظاہر کرتے ہوئے کسی کام کی انجام دہی چاہنا۔

حنبلی نقطہ نظر

۱۔ المشکینی، اصطلاحات الاصول، ص:۴۷

۲۔ المظفر، اصول الفقه، ص:۶۷

۳۔ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۳۳

۴۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۱/ ۴۴

۵۔ ابن العربی، المحصول فی اصول الفقه، ص:۶۹

۶۔ الجوینی، البرھان، ص:۱/ ۱۵۱

۷۔ رازی، المحصول، ج۲ص:۲/ ۱۷

قول یا قائم مقام قول سے کسی کام کی انجام دہی چاہنا۔

الامر: استدعاء الفعل بالقول علی وجه الاستعلاء[۲]

قول کے ذریعے خود کو بڑا ظاہر کرتے ہوئے کسی کام کی انجام دہی چاہنا۔

علامہ ابن اللحام حنبلی کے نزدیک قول اور قائم مقام قول کے ذریعے سے فعل کو انجام دینے کا مطالبہ کرنا امر کہلاتا ہے۔[۳]

امر کی مذکورہ تعریفوں کی روشنی میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں

۱۔ علما کی تعریفوں میں یہ بات مشترک ہے کہ امر میں کسی چیز کے کرنے کی طلب پائی جاتی ہے جو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس امر کے مطابق عمل کیا جائے۔

۲۔ یہ طلب صیغہ امر یا اس کے قائم مقام، جس سے طلب پیدا ہو رہی ہو سے کی جاسکتی ہے۔

۳۔ امر دینے والے کو از لحاظ مرتبہ اس شخص سے برتر ہونا چاہیے جسے حکم دیا جارہا ہو۔

صیغہ امر کی وجوب پر دلالت

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بہت سے مقامات پر صیغہ امر کے ذریعے حکم دیا ہے صیغہ امر کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے یا نہیں ہوتی؟ اگر صیغہ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے تو امر سنتے ہی اسے انجام دینا ہو جائے اور اگر امر کی دلالت وجوب پر نہ ہو اباحت پر ہو تو اسے انجام دینا اور انجام نہ دینا مکلفین کے اختیار میں ہوتا ہے اس حوالے سے فقہی مسالک کے علمائے کرام کی آراء ملاحظہ فرمائیں۔

جعفری نقطہ نظر

شیخ طوسی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صیغہ امر کی شریعت اور لغت میں دلالت وجوب پر ہوتی ہے کیونکہ شارع حکیم ہے اور حکیم کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے اور جب کوئی اپنے غلام اپنے مولا کے حکم کی اطاعت نہیں کرتا تو عقل مند حضرات اس کے اس فعل کی مذمت کرتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ جب مولا کوئی حکم دے تو اس کی دلالت وجوب پر ہو۔[۴]

مشہور محقق شیخ محمد رضا مظفر اور شیخ جعفر سبحانی نے لکھا ہے کہ صیغہ امر کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے اور اگر وہ استحباب کے لیے صادر ہو تو اس کے لیے قرینے کی ضرورت ہو گی۔[۵]

حنفی نقطہ نظر

مشہور حنفی علما ابن قطلوبغا، امام بزدوی، علامہ النسفی اور شیخ ابن نجیم حنفی نے کافی اس نظریے کو اختیار کیا ہے کہ صیغہ امر کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے۔[۶]

۱۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقه، ص:۹۷

۲۔ ابن قدامہ، روضة الناظر، ص:۹۸

۳۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقه، ص:۹۹

۴۔ طوسی، العدة فی اصول الفقه، ص:۲۴۶

۵۔ المظفر، اصول الفقه، ص:۷۷ السبحانی، الموجز فی اصول الفقه، ص:۳۸

۶۔ ابن قطلوبغا، شرح مختصر المنار، ص:۴۶ النسفی، کشف الاسرار، ص:۱/ ۵۰ البزدوی، معرفة الحجج الشرعية، ص:۵۵ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۳۸

مالکی نقطہ نظر

امام باجی مالکی اور امام قرافی مالکی کا یہ نظریہ ہے کہ امر کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے اس لیے جب بھی کوئی امر آئے تو اس سے وجوب ہی سمجھا جائے گا اور اسے واجب کے طور پر انجام دیا جائے گا۔(۲)

علامہ الولاتی مالکی اور علامہ الشنقیطی کی رائے یہ ہے کہ صیغہ امر جب قرائن سے خالی ہو تو اس کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے کیونکہ امر کے معنی حقیقی وجوب کے ہیں۔(۳)

شافعی نقطہ نظر

امام الحرمین امام الجوینی، علامہ تاج الدین السبکی اور ابن الفرکاح شافعی کا قول یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک صیغہ امر جب قرائن سے خالی ہو تو اس کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی نظریہ ہے۔(۴)

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن قدامہ حنبلی اور علامہ ابن اللحام حنبلی کی رائے یہ ہے کہ اگر امر قرائن سے خالی ہو تو اس کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے۔(۵)

ابن النجار بھی یہی کہتے ہیں کہ مسالک اربعہ کے بڑے علما کے نزدیک امر جب قرائن سے خالی ہو تو اس کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے۔(۶)

علمائے کرام کی ان آراء کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اس بات پر متفق ہیں کہ جب صیغہ امر بغیر کسی قرینے استعمال ہو رہا ہو تو اس کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے اگرچہ بعض مسالک کے کچھ علما نے اختلاف کیا جیسے احناف میں امر کے کی دلالت کے بارے میں کئی اقوال ذکر کیے گئے ہیں مگر جمہور احناف کے نزدیک بھی صیغہ امر کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے۔

صیغہ امر کی دلالت مرۃ پر ہے یا تکرار پر؟

جب اللہ تعالیٰ صیغہ امر کے ذریعے کوئی حکم دے تو اس حکم کو ایک بار انجام دیا جائے گا یا اسے مسلسل انجام دیا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے اب یہ مسلسل انجام دی جاتی ہے اور حج کا بھی حکم دیا ہے مگر اسے صرف زندگی میں صرف ایک بار انجام دیا جاتا ہے یہ عملی بحث ہے جس کے شرعی احکام پر بہت زیادہ اثرات ہیں جیسے اللہ تعالیٰ ان دو آیات میں دو حکم دیتا ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾(۷)

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔

۱۔ سرخسی، اصول السرخسی، ص:۲/۲۹

۲۔ ابن القصار، المقدمۃ فی اصول الفقہ، ص:۵۸

۳۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۲۵؛ الشنقیطی، علامہ محمد المختار بن بونسہ الجکنی، درر الاصول فی اصول فقہ المالکیہ، ط/۱، دار ابن حزم، لطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۲۰۰۴ء، ص:۴۹

۴۔ الجوینی، البرہان فی اصول الفقہ، ص:۱/۱۵۹؛ ابن الفرکاح، شرح الورقات، ص:۱۳۵؛ السبکی، جمع الوامع، ص:۴۱

۵۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۹۹؛ ابن قدامہ روضۃ الناظر، ص:۱۰۰

۶۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۳/۳۹

۷۔ سورۃ آل عمران:۳/۹۷

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس
طرح تم سے پہلے انبیا کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم
میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔

دونوں جگہ امر آیا ہوا ہے مگر ماہ رمضان کے روزے ہر سال فرض ہیں اور حج زندگی میں ایک بار فرض ہے اس حوالے سے علمائے کرام کی آراء یہ ہیں۔

جعفری نقطہ نظر

شیخ طوسی فرماتے ہیں کہ صیغہ امر فعل کے ایک بار پر دلالت کرتا ہے ظاہر صیغہ سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ جب صیغہ امر کے ذریعے سے کوئی حکم دیا جاتا ہے تو اس کو ایک بار انجام دیا جاتا ہے جیسے آقا کہتے ہے مجھے پانی پلاؤ تو اس سے صرف ایک بار پانی پلانا سمجھا جاتا ہے۔[۲]

شیخ جعفر سبحانی نے اس بارے میں تین اقوال ذکر کیے ہیں ۱۔اس کی دلالت فعل کے ایک بار انجام دینے پر ہے ۲۔اس کی دلالت بار بار انجام دینے پر ہے ۳۔امر کی دلالت ان دونوں میں سے کسی پر نہیں ہے۔[۳]

شیخ مظفر فرماتے ہیں بنیادی طور پر صیغہ امر کی دلالت فعل کے ایک بار یا بار بار انجام دینے میں سے کسی پر بھی نہیں ہوتی قرینہ خارجی کے ذریعے یہ سمجھا جاتا ہے کہ صیغہ عام طور پر فعل کے ایک بار پر دلالت کر رہا ہے اور جب مولا کو تکرار درکار ہو گی تو وہ کوئی اشارہ یا قرینہ فراہم کرے گا جس سے تکرار سمجھا جائے گا۔[۴]

حنفی نقطہ نظر

امام سرخسی، علامہ نسفی، علامہ دبوسی، علامہ ابن نجیم حنفی کی رائے میں صیغہ امر کی دلالت تکرار پر نہیں ہوتی بلکہ اس میں تکرار کا احتمال بھی نہیں ہوتا[۵] امام بزدوی فرماتے ہیں کہ صیغہ امر کی دلالت تکرار پر نہیں ہوتی اور اس پر اجماع ہے۔[۶]

صیغہ امر تکرار پر دلالت نہیں کرتا بلکہ جس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے اس کے تکرار پر دلالت کرنا صیغہ امر کی دلالت کے محتملات میں سے ہی نہیں ہے مامور کا تکرار قرینہ سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ فعل امر کی دلالت فقط طلب فعل پر ہوتی ہے تکرار اور مرة پر دلالت کسی امر خارجی کے ذریعے سمجھی جائے گی جن عبادات میں فعل امر سے حکم دیا گیا ہے اور وہاں عبادات میں تکرار ہے تو وہ حکم تکرار دیگر اسباب سے سمجھا جاتا ہے۔[۷]

مالکی نقطہ نظر

۱۔ سورہ بقرۃ:۲/۱۸۳

۲۔ طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن، العدۃ فی اصول الفقہ، ط/۱، تحقیق: محمد رضا قمی، مؤسسۃ بوستان کتاب، قم، ۱۴۳۱ھ، ص:۲۷۰

۳۔ السبحانی، الموجز اصول الفقہ، ص:۶۴

۴۔ المظفر، اصول الفقہ، ص:۹۶

۵۔ دبوسی، تقویم الادلۃ فی اصول الفقہ، ص:۱۴۰ النسفی، کشف الاسرار، ص:۱/۱۵۷ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۴۴ سرخسی، اصول السرخسی، ص:۲/۳۸

۶۔ البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص:۸۰

۷۔ ابن قطلوبغا، شرح مختصر المنار، ص:۴۸

ابن القصار کے مطابق امر مجرد کی دلالت تکرار پر ہوتی ہے مگر مقدمہ ابن قصار کے حاشیہ نگار نے لکھا ہے کہ ابن قصار کی طرف اس قول کی نسبت دینا درست نہیں ہے بلکہ درست قول یہ ہے کہ جب امر مطلق آئے تو اس کی دلالت فقط مرۃ پر ہوتی ہے۔(۳)

شافعی نقطہ نظر

امام الجوینی اور علامہ ابن الفرکاح کے مطابق اگر صیغہ امر مطلق ہو تو اکثر شافعی علما کی رائے یہ ہے کہ اس کی دلالت مرۃ پر ہوتی ہے تکرار پر نہیں۔(۴)

اس کے مقابل علامہ فخر الدین رازی، علامہ تاج الدین السبکی اور علامہ الاسنوی کی رائے یہ ہے کہ امر کی دلالت صرف طلب پر ہوتی ہے فعل کے ایک بار یا تکرار میں سے کسی پر بھی اس کی دلالت نہیں ہوتی ہاں ایک بات ضرور ہے کہ جو بھی ہو ایک بار تو فعل ضرور انجام پائے گا۔(۵)

حنبلی نقطہ نظر

امر مطلق کی دلالت اکثر حنابلہ کے ہاں مرۃ پر ہے تکرار پر نہیں ہے (۶) اور علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ فقہا اور متکلمین کے نزدیک امر مطلق تکرار پر دلالت نہیں کرتا۔(۷)

مندرجہ بالا نظریات کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ امر کی دلالت فعل کے ایک بار یا تکرار میں کسی پر بھی نہیں ہے۔

۲۔ امر کی دلالت فعل کے ایک بار انجام دینے پر ہوتی ہے۔

مقام عمل میں جعفری علما، حنفی علما، بعض مالکی علما، اکثر شافعی علما اور حنبلی علما کے نزدیک صیغہ امر فعل کے ایک بار انجام دینے پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ امر کی دلالت تکرار پر ہوتی ہے۔

تمام بحث کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ تمام اسلامی مسالک کے جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ امر کی دلالت تکرار پر نہیں ہوتی جمہور مسالک کے نزدیک مقام عمل میں صیغہ امر کی دلالت ایک بار انجام دینے پر ہوتی ہے۔

مبحث دوم: نہی

قرآن میں بہت سی جگہوں پر اللہ تعالی نے مختلف کاموں سے منع فرمایا ہے ممنوع قرار دینے یعنی نہی سے ممنوعہ کام حرام یا مکروہ ہو جاتا ہے خود نہی کیا ہے؟ کس طرح سے پتہ چلے گا کہ اس جملے یا لفظ کی دلالت نہی پر ہے اس لحاظ سے یہ انتہائی اہم بحث ہے ان امور کے جاننے سے قرآن و سنت کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے نہی کی تعریفات فقہی مسالک کے علما کی آراء کی روشنی میں پیش خدمت میں ہیں۔

۱۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۲۶؛ الشنقیطی، درر الاصول، ص:۵۰

۲۔ الایجی، شرح العضد علی مختصر المنتھی الاصولی، ص:۱۶۶

۳۔ ابن القصار، المقدمۃ فی اصول الفقہ، ص:۱۳۶

۴۔ الجوینی، البرھان فی اصول الفقہ، ص:۱/ ۱۶۴؛ ابن الفرکاح، شرح الورقات، ص:۱۳۸

۵۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۲/ ۴۸؛ رازی، المحصول، ص:۲/ ۹۸؛ الاسنوی، التمہید، ص:۲۸۲

۶۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۱۰۰

۷۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۱۰۳

نہی سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جو کسی کام کی انجام دہی سے روکنے کے لیے استعمال کی جائے۔

ان النهی عبارة عن الطلب الانشائی المتعلق بترك الشئ وعدمه[2]

نہی وہ طلب ہے جو کسی چیز کے ترک کرنے یا ترک نہ کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

حنفی نقطہ نظر

علامہ بزدوی نے ان الفاظ میں نہی کی تعریف کی ہے

النهی: موضوع لطلب الامتناع عن تحصیل المنهی عنه[3]

نہی کو ممنوعہ چیز کے حصول سے روکنے کے لیے بنایا گیا ہے۔

علامہ نسفی لکھتے ہیں کہ

النهی: قول القائل لغیره علی سبیل الاستعلاء: لا تفعل[4]

حقیقة النهی اقتضاء الترك[5]

نہی ہے جو کسی فعل سے رکنے پر دلالت کرتا ہے اس میں استعلاء بھی ہوتا ہے۔ کسی کا خود کو بڑا ظاہر کرتے ہوئے دوسرے سے کہنا کہ ایسا نہ کرو۔

وھو قول قائل حقیقت میں کسی چیز کے ترک کرنے کا تقاضا کرنا ہے۔

النهی: القول الدال علی طلب الامتناع من الفعل علی وجه الاستعلاء[6]

نهی هو قول لغیره لا تفعل علی سبیل الاستعلاء[7]

کسی کا خود کو برتر ظاہر کرتے ہوئے کہنا کہ یہ کام نہ کرو۔

مالکی نقطہ نظر

النهی: القول الدال علی الطلب الامتناع من الفعل علی جهة الاستعلاء[8]

نہی وہ کلام ہے جو فعل سے روکنے پر دلالت کرتا ہے اور اس میں روکنے والا خود کو برتر سمجھتا ہے۔

۱۔ حافظ بشیر حسین النجفی، مرقاۃ الاصول، ص:۸۶

۲۔ مشکینی، مرزا علی، اصطلاحات الاصول، ص:۲۷۱

۳۔ البزدوی، معرفة الحجج الشرعیه، ص:۵۳

۴۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۱/ ۱۴۰

۵۔ ابن العربی، المحصول فی اصول الفقه، ص:۶۹

۶۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۴۳۰ الشعلان، اصول الفقه الامام مالك، ص:۱/ ۴۲۸

۷۔ الشاشی، اصول الشاشی، ص:۱۰۳

۸۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۴۱۲

المامور به[1]

جس چیز سے منع کیا گیا ہے نہی اس سے رکنے کا تقاضا کرتی ہے جیسا کہ امر جس چیز کا حکم دیا گیا ہو اس کی انجام دہی کا مطالبہ کرتا ہے۔

النهي: اقتضاء کف عن فعل[2]

کسی کام سے رکنے کا تقاضا کرنا نہی کہلاتا ہے۔

حنبلی نقطہ نظر

النهي: هو طلب الترك بالقول ممن هو اعلى[3]

کسی برتر کا قول کے ذریعے کسی کام کی انجام دہی سے روکنا نہی کہلاتا ہے۔

فقہی مسالک کے جید علمائے کرام کی تعریفوں سے یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

ا۔ نہی میں کسی کام کو ترک کرنے کا تقاضا کیا جارہا ہوتا ہے یعنی کسی کام سے منع کیا جاتا ہے کہ اس کو انجام نہ دیا جائے۔

۲۔ نہی میں بھی حکم دینے والے کا مرتبہ برتر ہونا چاہیے تاکہ اس کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے اس کی بات مانی جائے۔

علما کی آراء سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نہی میں بھی طلب ہوتی ہے اور یہ طلب کسی فعل کے انجام کو ترک کرنے کے بارے میں ہوتی ہے کہ اب اسے انجام نہ دیا جائے۔

کیا نہی مقتضی حرمت ہے؟ یا مقتضی کراہت ہے؟

جعفری نقطہ نظر

شیخ طوسی، علامہ صدرالدین اور شیخ جعفر سبحانی کی رائے یہ ہے کہ صیغہ نہی حرمت میں ظہور رکھتا ہے محقق حلی کہتے ہیں کہ عقل مند حضرات اس بندے کی مذمت کو اچھا سمجھتے ہیں جب کوئی ایسا شخص نافرمانی کرتا ہے جس پر اس حکم دینے والے کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری تھی مگر وہ اطاعت نہیں کرتا اور نافرمان ہو جاتا ہے اس شخص کی مذمت کی جاتی ہے مگر نہی کا حرمت پر دال کرنا کہ جس کام سے روکیں وہ حرام ہو جائے یہ فقط احکام کے ساتھ خاص ہے جن سے نبی اکرم ﷺ نے نہی فرمائی ہے۔[4]

حنفی نقطہ نظر

امام شاشی اور امام بزدوی کہتے ہیں کہ نہی مقتضی تحریم ہوتی ہے۔ نہی میں فعل کا نہ کرنا واجب ہے اس لیے ضروری ہے کہ جب کسی بھی فعل کے بارے میں شارع نہی کر دے تو وہ کام کرنا حرام ہو جاتا ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری ہوتا ہے۔[5]

مالکی نقطہ نظر

ا۔ الجوینی، البرھان فی اصول الفقه، ص:۱/ ۱۹۹

۲۔ السبکی، جمع الوامع، ص:۴۳

۳۔ السلمی، اصول الفقه، ص:۲۷۰

۴۔ السبحانی، الموجزاصول الفقه، ص۷۷ صدرالدین، التمهید فی اصول الفقه، ص:۳۴

۵۔ البزدوی، معرفة الحجج الشرعية، ص:۵۵ شاشی، اصول الشاشی، ص:۱۰۳

اس سے طلب کی گئی تھی اس کی مخالف کی ہے یہ گناہگار اور مستحق عقاب ہے' علامہ الولاتی اور الشعلان کے مطابق امام مالکؒ اور اکثر مالکی علما کی رائے میں جب نہی قرائن سے خالی ہو تو تحریم کا تقاضا کرتی ہے۔(۲)

شافعی نقطہ نظر

مشہور شافعی علما علامہ فخر الدین الرازی، علامہ تاج الدین السبکی، علامہ ابی اسحق شیر ازی اور علامہ خضری یہ کہتے ہیں کہ نہی حرمت پر دلالت کرتی ہے جب کسی بھی فعل کے بارے میں آجائے تو اسے انجام دینا حرام ہو جاتا ہے۔(۳)

حنبلی نقطہ نظر

مشہور حنبلی عالم علامہ ابن النجار حنبلی اور جدید محقق ڈاکٹر عبد الکریم النملہ کہتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک صیغہ نہی جب قرائن سے خالی ہو تو حرمت کے لیے ہوتا ہے یعنی اس وقت اسکی دلالت حرمت پر ہوتی ہے۔(۴)

فقہی مسالک کے علمائے کرام کی آراء کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب کسی بھی شے کے بارے قرآن وسنت میں نہی آجائے تو اس نہی کی دلالت حرمت پر ہوتی ہے یعنی جس چیز کے بارے میں نہی آئے اسے انجام دینا شرعاً ممنوع ہے کیونکہ اللہ تعالی اور اس کا رسول ﷺ جن کی اطاعت فرض ہے رکنے کا حکم دے رہے ہیں اس لیے ان کی اطاعت واجب ہے بعض مسالک نے صرف یہ قید لگائی ہے کہ جب صیغہ امر قرائن سے خالی ہو تو اس کی دلالت تحریم پر ہو گی۔

صیغہ نہی کی یکبارگی یا تکرار پر دلالت

قرآن وسنت میں کسی چیز کے بارے میں کوئی حکم نہی کی صورت میں دیا جاتا ہے تو اس سے کیا مراد ہوتی ہے فقط ایک بار رک جانا ہوتا ہے یا مسلسل اس سے رکنا ضروری ہے جیسے شراب کے بارے میں نہی آئی تو اس سے ہمیشہ بچنا ضروری ہے اس حوالے سے فقہی مسالک کے علمائے کرام کی آراء پیش خدمت ہیں۔

جعفری نقطہ نظر

حافظ بشیر حسین نجفی لکھتے ہیں کہ صیغہ نہی کی دلالت مطلق ترک پر ہوتی ہے دوام دلیل خارجی سے سمجھا جاتا ہے ۵ شیخ جعفر سبحانی لکھتے ہیں کہ صیغہ نہی مرۃ اور تکرار میں کسی پر دلالت نہیں کرتا۔(۶)

حنفی نقطہ نظر

علامہ خبازی کی رائے میں جس طرح امر میں تکرار کا تصور موجود ہے نہی میں اس طرح سے نہیں ہوتا کیونکہ نہی کی دلالت دوام پر ہوتی ہے اس میں تکرار کا کوئی تصور ہی نہیں۔(۷)

مالکی نقطہ نظر

۱۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۴۵

۲۔ الشعلان، اصول الفقه الامام مالك، ص:۱/ ۴۲۹ الولاتی، نیل السول، ص:۱۳۲

۳۔ الرازی، المحصول فی علم اصول، ص:۲/ ۱۲۸۱ السبکی، جمع الجوامع، ص ۴۴ الخضری، اصول الفقه، ص:۲۰ ابی اسحاق، التبصرۃ فی اصول الفقه، ص:۹۹

۴۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۳/ ۸۳ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۶/ ۴۰۲

۵۔ حافظ بشیر حسین النجفی، مرقاۃ الاصول، ص:۸۶

۶۔ السبحانی، الموجز اصول الفقه، ص:۷۸

۷۔ الخبازی، المغنی فی اصول الفقه، ص:۶۷

علامہ فخر الدین رازی نے تین اقوال ذکر کیے ہیں ا۔ نہی کی دلالت تکرار پر ہوتی ہے ۲۔ نہی کی دلالت تکرار پر نہیں ہوتی ۳۔ کبھی نہی تکرار کا موجب بنتی ہے اور کبھی نہی تکرار کا موجب نہیں بنتی علامہ رازی نے دوسرے قول کو اختیار کیاہے کہ کہ نہی کی دلالت تکرار پر نہیں ہوتی۔[۲]

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن المفلح اور السلمی کے مطابق حنابلہ کے ہاں نہی کی دلالت دوام پر ہوتی ہے[۳] ڈاکٹر عبد الکریم النملہ کہتے ہیں کہ نہی تکرار اور اور دوام پر دلالت کرتی ہے۔[۴]

ان فقہی مسالک کے علما کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

ا۔ نہی کی دلالت تکرار و دوام پر ہوتی ہے۔

مالکی اور حنبلی علما کی رائے یہ ہے کہ نہی تکرار پر دلالت کرتی ہے۔

۲۔ نہی مرۃ اور تکرار پر دلالت نہیں کرتی۔

جعفری اور حنفی علما کی یہی رائے ہے۔

۳۔ کبھی مرۃ اور کبھی تکرار پر دلالت کرتی ہے۔

شافعی علمانے اس نظریہ کو اختیار کیاہے۔

مبحث سوم: مطلق

قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مطلق کو سمجھا جائے جب قرآن میں مذکورہ مطلق اور اس کی خصوصیات اس کے حکم کا علم ہو گا توان مفاہیم کو سمجھنا آسان ہو جائے گا جن کا ذکر مطلقات میں کیا گیا ہے

جعفری نقطہ نظر

المطلق: ما دل علی معنی شائع فی جنسه[۵]

مطلق وہ لفظ ہے جو اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو اپنی جنس کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔

هواللفظ الدال علی معنی له شیوع و سریان[۶]

مطلق وہ لفظ ہے جس کے معنی میں شمولیت اور شیوع پایا جاتا ہے۔

مطلق کی مثال جیسے اسماء اجناس، اسماء افعال جیسے مولا کہتا ہے یجب علیك فی اول شهر اعطاء الحنطة للفقیر تمہارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر مہینے کے آغاز پر فقیر کو گندم دو اس جملے میں تمام الفاظ مطلق استعمال ہوئے ہیں اسی طرح نکرہ جیسے جاء رجل اب یہاں رجل مطلق استعمال ہوا ہے[۷]

ا۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۳۲

۲۔ رازی، المحصول، ص:۲/ ۲۸۲، ۲۸۱

۳۔ ابن مفلح، اصول الفقه، ص:۲/ ۷۴۵، السلمی، اصول الفقه، ص:۲۷۵

۴۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۵/ ۴۰۵

۵۔ المظفر، اصول الفقه، ص:۱۸۳، القمی، تسدید الاصول، ص:۱/ ۵۳۵، السجانی، الموجز اصول الفقه، ص:۱۴۶

۶۔ المشکینی، اصطلاحات الاصول، ص:۲۴۶

۷۔ ایضاً، ص:۲۴۶

مطلق کا تعلق ذات سے ہوتا ہے نفی یا اثبات صفات میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

المطلق: مادل علی شائع فی جنسہ[۲]
مطلق وہ لفظ ہے جو اپنی جنس کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے

مالکی نقطہ نظر

فھو الدال علی الماھیۃ بلا قید من وحدۃ وغیرھا[۳]
مطلق وہ لفظ ہے جو ماہیت پر دلالت کرتا ہے اس میں وحدت اور وحدت کے علاوہ کوئی اور قید نہیں ہوتی۔

المطلق: ھو اللفظ الدال علی الماھیۃ من غیر قید[۴]
مطلق وہ لفظ ہے جو بغیر کسی قید کے ماہیت پر دلالت کرتا ہے۔

المطلق: ھو اللفظ الواقع علی صفات لم یقید ببعضھا[۵]
مطلق وہ لفظ ہے جو کسی صفت سے مقید نہیں ہوتا ہے

شافعی نقطہ نظر

المطلق: الدال علی الماھیۃ بلا قید[۶]
مطلق وہ لفظ ہے جو بغیر کسی قید کے ماہیت پر دلالت کرتا ہے۔

المطلق: مادل علی فرد من افراد شائعۃ بدون قید مستقل لفظ[۷]
مطلق وہ لفظ ہے جو کسی بھی فرد پر بغیر کسی مستقل لفظی قید کے دلالت کرتا ہے

حنبلی نقطہ نظر

المطلق: وھو المتناول لواحد لا بعینہ باعتبار حقیقۃ شاملۃ لجنسہ[۸]
مطلق وہ لفظ ہے جو اپنی جنس میں موجود تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔

تمام مذکورۃ تعریفوں کی روشنی میں یہ مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں

۱۔ مطلق اپنی جنس کے تمام افراد پر دلالت کرتا ہے۔

۱۔ ملاجیون، نور الانوار، ص:۲/۱۴۲

۲۔ الشوکانی، ارشاد الفحول، ص:۲/۷۰۹ مظہر بقا، اصول الفقہ، ص:۲۸۱

۳۔ اللقانی، منازل الاصول الفتوی، ص:۱۶۱

۴۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۲۳

۵۔ الباجی، الحدود، ص:۴۷

۶۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۵۳

۷۔ الخضری، اصول الفقہ، ص:۱۹۲

۸۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۱۳۶ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۶/۳۴۵

حکم مطلق

جعفری نقطہ نظر

جب لفظ مطلق کے ذریعے کوئی بھی حکم دیا جاتا ہے تو وہ اپنی جنس کے تمام افراد کو شامل ہو گا جیسے مولا حکم دے کہ اکرم العلماء تو اب تمام علما کی عزت کرنا ہو گی جس جس پر عالم ہونا صادق آئے گا وہ اس حکم اکرام میں داخل ہو جائے گا۔[1]

حنفی نقطہ نظر

جب کوئی خطاب بغیر کسی قید کے آئے تو اسے اس کے اطلاق پر حمل کیا جائے گا یعنی یہ اپنی جنس کے تمام افراد کو شامل ہو گا۔[2]

مالکی نقطہ نظر

مطلق کا وہی حکم ہے جو اس سے ظاہر ہو رہا ہو اس کو اس کے اطلاق پر باقی رکھا جائے گا۔[3]

شافعی نقطہ نظر

مطلق کی دلالت بغیر کسی قید کے حقیقت پر ہوتی ہے یعنی خود حقیقت جس کا تقاضا کر رہی ہوتی ہے مطلق سے وہی مقصود ہوتا ہے جیسے جب کہا جاتا ہے کہ ایک غلام آزاد کرو تو اب یہ ایک مطلق حکم ہے اس میں کونسا غلام آزاد کرنا ہے وہ مومن ہو یا کافر ہے بس جس پر لفظ غلام کی حقیقت صادق آئے گی وہ آزاد کرنا ہے یعنی مطلق میں اصل یہ ہے کہ جس پر صادق آئے اسے شامل ہوتا ہے۔[4]

حنبلی نقطہ نظر

علامہ السلمی لکھتے ہیں کہ جب دلیل شرعی مطلق ہو اور اسے کسی قسم کی کوئی قید نہ لگائی گئی ہو تو اسے اس کے اطلاق پر حمل کرنا ضروری ہے۔[5]

ان علما کی آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں کہ

۱۔ علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مطلق کو اس کے اطلاق پر حمل کیا جاتا ہے حکم جنس کے تمام افراد کو شامل ہو گا۔

۲۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ مطلق میں بھی شمول ہوتا ہے جو بھی اس کی حقیقت میں آئے گا یہ اس کو شامل ہوتا ہے۔

مبحث چہارم: مقید

قرآن کو درست انداز میں سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مقید کو سمجھا اور ان مقامات کو جانا جائے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے احکام کو مقید کر دیا ہے قرآن مجید میں بہت سے ایسے موارد ہیں جہاں اللہ تعالیٰ قرآن مطلق احکام کو مقید کر دیا ہے

جعفری نقطہ نظر

۱۔ القمی، تسدید الاصول، ص:۱/ ۵۳۵

۲۔ الشوکانی، ارشاد الفحول، ص:۲/ ۱۱۷ مظہر بقا، اصول الفقہ، ص:۲۸۱ الاسعدی، مفتی محمد عبید اللہ، اصول الفقہ، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۱۱ء، ص:۱۰۹ ابقا، اصول فقہ، ص:۲۸۱

۳۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۲۳

۴۔ ابوزہرہ، اصول الفقہ، ص:۱۷۰

۵۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۳۶۸

مقید وہ لفظ ہے جس کی دلالت ابھی سب افراد کو شامل نہیں ہے مگر وہ اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ تمام افراد کو شامل ہو۔

جب مولایوں کہے یجب علیك فی اول شهر الحرام اعطاء الحنطة الحمراء سرا للفقیر العادل تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم سرخ گندم مخفی طور پر عادل فقیر کو دے دو تو یہاں پر تمام الفاظ مقید استعمال کیے گئے ہیں۔[۲]

حنفی نقطہ نظر

المقید: ما دل علی الماهیة بقید من قیودها[۳]
مقید جو کسی بھی قید کے ساتھ ماہیت پر دلالت کرے۔

المقید: ما دل لا علی شائع فی جنسه[۴]
مقید جس کی دلالت اپنی پوری جنس کو شامل نہیں ہوتی۔

مالکی نقطہ نظر

المقید: لفظ دال علی معنی غیر شائع فی جنسه[۵]
مقید وہ لفظ جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اپنی پوری جنس کو شامل نہیں ہوتا۔

المقید: هو اللفظ الواقع علی صفات قد قید ببعضها[۶]
"لفظ جس میں بعض صفات کی شرط لگائی گئی ہو

شافعی نقطہ نظر

المقید: ما کان من الالفاظ الدالة علی مدلول معین[۷]
ان الفاظ میں سے ہے جو مخصوص مدلول پر دلالت کرتے ہیں۔

المقید: ما دل علی فرد او افراد شائعة بدون قید مستقل لفظا[۸]
جو ایک فرد یا افراد پر دلالت کر جو شمولیت بھی رکھتا ہو بغیر کسی مستقل لفظی قید کے یہ مقید کہلاتا ہے۔

حنبلی نقطہ نظر

المقید: هو المتناول لمعین اولغیر معین موصوف بامر زائد علی الحقیقة الشامله لجنسه[۹]

۱۔ المشکینی، اصطلاحات الاصول، ص:۲۴۶
۲۔ ایضاً، ص:۲۴۶
۳۔ الشوکانی، ارشاد الفحول، ج۲ ص:۲/ ۱۰۷ مظہر بقا، اصول الفقه، ص:۲۸۱
۴۔ مظہر بقا، اصول الفقه، ص:۲۸۱
۵۔ شعلان، اصول فقه الامام مالك ادلته النقلیة، ص:۱/ ۴۴۱
۶۔ الباجی، الحدود، ص:۴۸
۷۔ آمدی، احکام فی اصول الاحکام، ص:۳/ ۳
۸۔ الخضری، اصول الفقه، ص:۱۹۲
۹۔ ابن قدامه، روضة الناظر، ص:۱۳۶ النمله، اتحاف ذوی البصائر، ص:۶/ ۳۴۸

علمائے کرام کی مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں یہ نکات واضح ہوتے ہیں۔
۱۔ مقید میں اصل ماہیت کی کوئی نہ کوئی قید لگائی گئی ہوتی ہے۔
۲۔ مقید کی دلالت ایک معین مدلول پر ہوتی ہے۔
۳۔ موضوع کو ایسی قید لگائی جاتی ہے جو اس موضوع کی حقیقت میں داخل نہیں ہوتی۔
۴۔ تمام تعریفوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اس میں اصل ماہیت پر دلالت نہیں ہوتی بلکہ کسی نہ کسی قید کے ذریعے اس کی دلالت کو محدود کر دیا جاتا ہے۔

حکم مقید

جعفری نقطہ نظر

جب کسی بھی مطلق کو کسی قید سے مقید کیا جاتا ہے اس قید کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے اور اس قید کو حکم میں دخل حاصل ہو جاتا ہے 'مطلق کی تقیید کی جائے تو یہ تقیید اس کے مجاز کا موجب نہیں بنتی۔(۲)

حنفی نقطہ نظر

جب خطاب کسی قید کے ساتھ آئے تو اس کو اس قید پر حمل کیا جائے گا اور بغیر قید کے اس خطاب پر عمل کیا جائے تو ہ کافی نہ ہو گا جیسے مولا کہے مومن غلام آزاد کرو تو اب کسی کافر غلام کو آزاد کرنا قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس قید کے مطابق عمل کرنا پڑے گا۔(۳)

مالکی نقطہ نظر

علامہ عبدالحمید اور علامہ الولاتی نے لکھا ہے کہ مقید کو اس کی تقیید کے ساتھ حمل کیا جائے گا یعنی جس قید کو لگایا گیا ہے اس کے ساتھ حکم آئے گا۔(۴)

شافعی نقطہ نظر

مطلق کو کسی بھی وصف، غایت یا حال کے ساتھ مقید کیا جا سکتا ہے اور پھر اس تقیید کے مطابق عمل کیا جائے گا جو قید ہو گی اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔(۵)

حنبلی نقطہ نظر

مقید معین افراد کو شامل ہوتا ہے اس کے ذریعے تمام جنس مراد نہیں ہوتی بلکہ اس قید کے ذریعے سے جن افراد کو خارج کیا جاتا ہے اس کے علاوہ مراد ہوتے ہیں جیسے اعط الطالب الطویل اس مثال میں طالب علم کی تمام جنس مراد نہیں ہے بلکہ اس کو طویل کی قید لگا کر اس کے دائرہ کو تنگ کر دیا گیا ہے(۶)

تمام فقہی مسالک کے علمائے کرام کی آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں

۱۔ گروہ محققین، قواعد اصول الفقہ علی مذہب الامامیہ، ط/۱، مرکز الطباعۃ والنشر للمجمع العالمی لاہلبیتؑ، قم، ۱۴۲۳ھ، ص۲۷۶

۲۔ سبحانی، الموجز فی اصول الفقہ، ص:۱۵۲

۳۔ الشوکانی، ارشاد الفحول، ص:۲/۱۱۷ مظہر بقا، اصول الفقہ، ص:۲۸۱ الاسعدی، اصول الفقہ، ص:۱۰۹ بقا، اصول فقہ، ص:۲۸۱

۴۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۲۳ عبدالحمید بن ادریس، مبادی الاصول، ص:۴۳

۵۔ ابوزہرۃ، اصول الفقہ، ص:۱۷۰

۶۔ نملہ، المہذب، ص:۴/۱۷۰۵

۳۔ علمائے کرام نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ جب مطلق کو کسی قید کے ذریعے مقید کر دیا جائے تو اس مطلق پر اس قید کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

فصل پنجم نسخ اور مجمل و مبین

مبحث اول: نسخ

مبحث دوم: مجمل

مبحث سوم: مبین

قرآن مجید میں آیات ناسخہ اور منسوخہ دونوں موجود ہیں جب بھی مجتہد احکام کو استنباط کرتا ہے تو اسے ناسخ و منسوخ کا علم ہونا چاہیے کہیں وہ منسوخ آیات سے استدلال نہ کرلے اس لیے نسخ کی بحث ایک عملی بحث ہے اس بحث کے بغیر ناسخ و منسوخ کی پہچان مشکل ہو جائے گی اس لیے ناسخ و منسوخ کی پہچان کے لیے نیز اس کی حدود و قیود کیا ہیں وہ انہیں جاننے کے لیے نسخ کی بحث ضروری ہے اس حوالے سے علمائے کرام کی آراء پیش خدمت ہیں۔

نسخ کا اصطلاحی مفہوم

جعفری نقطہ نظر

ارتفاع الحکم الکلی المجعول للامة فی الشریعة عن موضوعه الکلی لاجل تمام امده و انتفاء الملاك فی جعله[1]

وہ حکم شرعی جو امت کے لیے ثابت تھا اسے مکمل طور پر کالعدم قرار دینا اس طرح کہ اس کی مدت اور منفعت ختم ہو چکی ہو۔

النسخ: رفع ماهو ثابت فی الشریعة من الاحکام و نحوها[2]

شریعت اسلامی میں ثابت حکم کے اٹھالینے کو نسخ کہتے ہیں۔

حنفی نقطہ نظر

النسخ :یجعل فی حق الشارع بیانا لمدة الحکم المطلق المعلوم عندالله تعالیٰ[3]

نسخ یہ ہے کہ شارع کسی بھی مطلق ذکر کیے گئے حکم کی مدت کو بیان کر دے یہ مدت اللہ کے ہاں معلوم ہوتی ہے۔

النسخ :انه بیان لمدة الحکم المطلق الذی ظاهره البقاء فکان تبدیلا فی حقنا بیانا محضا فی حق صاحب الشرع[4]

اس حکم کی مدت کو بیان کرنا جس کی ظاہری حالت سے یہ لگ رہا تھا کہ یہ باقی رہے گا یہ ہمارے لیے حکم کی تبدیلی ہوتی ہے مگر شارع کے لیے فقط اس حکم کی مدت کا بیان کرنا ہوتا ہے۔

هو الخطاب الدال علی ارتفاع الحکم الثابت بالخطاب المتقدم علی وجه لولاه لکان ثابتا مع تراخیه عنه[5]

یہ وہ خطاب ہے جو بتاتا ہے کہ پہلے والا حکم اٹھا دیا گیا ہے اس طرح کہ اگر یہ بعد والا حکم نہ آتا تو پہلے والا حکم باقی رہتا یہ حکم پہلے حکم کے بعد آتا ہے۔

مالکی نقطہ نظر

۱۔ مشکینی، مرزا علی، اصطلاحات الاصول، ص:۲۶۸

۲۔ المظفر، اصول الفقه، ص:۴۱۰

۳۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۱۴۹

۴۔ الخبازی، المغنی فی اصول الفقه، ص:۲۵۱

۵۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص:۲/۵۱

دینا نسخ کہلاتا ہے۔

بیان انتهاء امد الحکم[۲]

حکم کی مدت کے ختم ہونے کا بیان نسخ کہلاتا ہے۔

النسخ: هو رفع الحکم الشرعی الذی قد سبق العلم من الله برفعه بحکم شرعی متاخر عنه[۳]

پہلے والے شرعی حکم کو بعد والے شرعی حکم سے اس طرح اٹھا دینا کہ اللہ تعالی کو اس کے اٹھانے کا پہلے سے علم ہو۔

شافعی نقطہ نظر

ان النسخ هو اللفظ الدال علی انتهاء امد الحکم الشرعی مع التاخیر عن مورده[۴]

نسخ وہ بعد میں آنے والا کلام ہے جو بتاتا ہے کہ حکم شرعی کی مدت ختم ہو گئی ہے۔

النسخ: انه الخطاب الدال علی ارتفاع الحکم الثابت بالخطاب المتقدم علی وجه لولاه لکان ثابتا مع التراخیه عنه[۵]

وہ کلام ہے جو بتاتا ہے کہ پہلے والے کلام کے ذریعے سے ثابت حکم اٹھا دیا گیا ہے اس طرح کہ اگر یہ نہ آتا تو وہ باقی رہتا ناسخ بعد میں آتا ہے۔

النسخ: عبارة عن خطاب الشارع المانع من استمرار ما ثبت من حکم خطاب شرعی سابق[۶]

شارع کا ایسا کلام جو پہلے سے ثابت شدہ حکم شرعی کے باقی رہنے سے مانع بن جاتا ہے۔

حنبلی نقطہ نظر

رفع الحکم الثابت بخطاب متقدم، بخطاب متاخر عنه[۷]

کسی پہلے سے ثابت حکم کو اس سے بعد میں آنے والے حکم کے ذریعے اٹھا لینا نسخ کہلاتا ہے۔

رفع الحکم الثابت بخطاب متقدم بخطاب متراخ عنه[۸]

۱۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۱۰۱

۲۔ اللقانی، منازل الاصول الفتوی، ص:۱۶۵

۳۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۳۸

۴۔ جوینی، البرهان، ص:۲/ ۸۴۲

۵۔ الرازی، المحصول فی علم اصول، ص:۳/ ۲۷۲

۶۔ آمدی، احکام فی اصول الاحکام، ص:۳/ ۱۴۶

۷۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقه، ص:۱۳۶

۸۔ ابن قدامه، روضة الناظر، ص:۳۶

تمام مسالک کے علمائے کرام کی آراء کی روشنی میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں

۱۔ نسخ میں ایک حکم پہلے سے موجود ہوتا ہے اس پر عمل ہو رہا ہوتا ہے ایسا لگ رہا ہوتا ہے جیسے یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے۔

۲۔ پہلے حکم شرعی کے بعد میں ایک اور حکم شرعی آتا ہے جو پہلے والا حکم کو اٹھالیتا ہے۔

۳۔ یہ دونوں حکم مستقل ہوتے ہیں اور شارع کی طرف سے ہوتے ہیں یعنی ہر دو کا حکم شرعی ہونا ضروری ہے حکم شرعی کو حکم عقلی کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ ایک حکم شرعی پہلے آتا ہے اور دوسرا کچھ وقت کے بعد آتا ہے ان کے درمیان فاصلہ موجود ہوتا ہے ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ہی آیت میں ناسخ و منسوخ کو بیان کر دیا جائے بلکہ کچھ مدت جس میں اس پہلے حکم شرعی پر عمل بھی ہو رہا ہو وہ ضروری ہے۔

حکمت نسخ

نسخ کی ضرورت کیوں پیش آئی وہ کونسی حکمت ہے جس کے لیے اللہ تعالی نے اپنے بھیجے ہوئے احکامات کو منسوخ کر دیا کیونکہ اللہ تعالی کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

۱۔ نسخ میں ایک بنیادی حکمت یہ پائی جاتی ہے کہ طبیعت نئی چیز کو پسند کرتی ہے اس لیے ہر زمانے کے لیے الگ شریعت بنائی گئی تاکہ لوگ اسے آسانی سے ادا کریں

۲۔ نسخ کا ایک مقصد ہمارے نبی ﷺ کی عزت و عظمت کو بیان کرنا ہے کہ ان کی شریعت کے ذریعے تمام شریعتوں کو نسخ کر دیا گیا ہے اور ان کی شریعت کو کوئی نسخ نہیں کرے گا۔

۳۔ نسخ کی حکمت لوگوں کے مصالح کی حفاظت کرنا ہے جب لوگوں کی مصلحت حکم کی ذریعے تبدیل کرنے میں ہو گی اور کبھی یہ مصلحت ایک شریعت کے ذریعے دوسری شریعت کے تبدیل کرنے میں ہو گی اس مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے حکم تبدیل کر دیا جائے گا۔

۴۔ اس میں حکمت مومنین کے لیے بشارت ہے ان سے ایک خدمت کو اس کے ذریعے اٹھالیا گیا ہے اس سے ان کے لیے آسانی پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ امام شافعی نے کہا ہے نسخ کا فائدہ اللہ کی رحمت ہے۔[۱]

نسخ میں یہی مصلحت نظر آتی ہے کہ اس کے ذریعے مومنین کے لیے آسانی پیدا کی جائے اور ہر زمانے کے لوگوں کی ضرورت اور وقت کے تقاضوں کے مطابق شرعی احکام کو نازل کیا جائے کیونکہ بہت سے ایسے احکام سابقہ شریعتوں میں ملتے ہیں جن اب انجام دینا انتہائی دشوار ہی ناممکن ہے اس لیے یہ اللہ کا لطف ہے کہ اس نے احکامات کو نسخ کے ذریعے اٹھالیا تاکہ لوگ آسانی میں رہیں

کون کون سی دلیلیں ناسخ بن سکتی ہیں؟

جعفری نقطہ نظر

تمام امت اسلامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن کی کسی بھی آیت کو صرف دلیل قطعی کے ذریعے ہی نسخ کیا جا سکتا ہے اب یہ دلیل قطعی چاہے خود قرآن سے ہو سنت سے ہو یا اجماع سے ہو قرآن میں ناسخ بھی ہے اور منسوخ بھی ہے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے۔[۲]

۱۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص: ۲/۵۴

۲۔ مظفر، اصول الفقہ، ص: ۴۱۴

قرآن اور سنت دونوں ناسخ ہوتے ہیں سنت سے قرآن اور قرآن سے سنت منسوخ ہوتی ہے اسی طرح قرآن قرآن کو اور سنت کو بھی نسخ کرتا ہے۔(۱)

احناف کے نزدیک قرآن کو سنت سے اور سنت کو قرآن سے نسخ کیا جاسکتا ہے حکم اور تلاوت دونوں کو نسخ کیا جاسکتا ہے کسی ایک کو باقی رکھا جائے اور ایک کو نسخ کر دیا جائے یہ بھی ہو سکتا ہے۔(۲)

اسی طرح ثقیل سے خفیف اور خفیف سے ثقیل کی طرف نسخ کرنا درست ہے خبر واحد کے ذریعے قرآن کو نسخ کیا جاسکتا ہے مگر ایسا فقط حیات نبی اکرم ﷺ میں ممکن تھا۔(۳)

محقق احمد سعید حوی کے نزدیک قرآن سے قرآن کو نسخ کرنا قرآن کو سنت سے نسخ کرنا اسی طرح سنت کو قرآن سے نسخ کرنا اور سنت کو سنت سے نسخ کرنا جائز ہے بس ایک شرط ہے کہ ناسخ منسوخ قوت میں برابر ہوں یا ناسخ قوت میں منسوخ سے بڑھ کر ہو اسی لیے خبر واحد سے قرآن کو نسخ نہیں کیا جاسکتا قرآن کو خبر متواتر اور مشہور سے نسخ کرنا جائز ہے کیونکہ یہ دونوں یہ دونوں یقین کا فائدہ دیتی ہیں۔(۴)

مالکی نقطہ نظر

قرآن کے ذریعے قرآن کے نسخ ہونے پر اجماع ہے اور امام مالکؒ بھی اس اجماع میں داخل ہیں جہاں تک خبر متواتر کے ذریعے قرآن کو نسخ کرنے کا تعلق ہے تو اس میں اختلاف ہے ابن قصار فرماتے ہیں کہ کے امام مالکؒ کے نزدیک قرآن کو خبر متواتر کے ذریعے نسخ نہیں کر سکتے مگر قاضی ابو الفرج کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک خبر متواتر کے ذریعے قرآن کو نسخ کر سکتے ہیں تمام بحث کو کرنے کے بعد عبد الرحمن الشعلان یہ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ان کی رائے یہ ہو کہ سنت متواترۃ کے ذریعے قرآن کو نسخ کیا جاسکتا ہے(۵) امام مالکؒ کے نزدیک خبر واحد کے ذریعے قرآن کو نسخ نہیں کیا جاسکتا۔(۶)

شافعی نقطہ نظر

قرآن کو قرآن سے نسخ کرنا جائز ہے اسی طرح سنت قرآن اور سنت سے نسخ ہوتی ہے سنت متواترہ فقط سنت متواترہ سے منسوخ ہوتی ہے آحاد آحاد متواتر سے نسخ ہوتی ہے۔(۷)

خبر واحد کے ذریعے قرآن اور سنت متواترہ کو نسخ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خبر آحاد مظنون ہوتی ہیں اور خبر متواتر قطعی ہوتی ہے۔(۸)

حنبلی نقطہ نظر

۱۔ الخبازی، المغنی فی اصول الفقه، ص:۲۵۵

۲۔ ابن قطلوبغا، شرح مختصر المنار، ص:۱۴۹

۳۔ الخبازی، المغنی فی اصول الفقه، ص:۲۵۷

۴۔ الدکتور احمد سعید حوی، المدخل الی مذهب الامام ابی حنیفه النعمان، ط/۱، دار الاندلس للنشر والتوزیع، جده، ۲۰۰۲ء، ص:۳۳۴

۵۔ الشعلان، اصول فقه الامام مالك، ج۲ ص:۲/۳۸۹-۳۹۲

۶۔ ایضاً، ص:۲/۳۹۴

۷۔ ابن الفرکاح، شرح الورقات، ص:۲۲۳

۸۔ ایضاً، ص:۲۲۸

خبر واحد کے قرآن کے ناسخ بننے میں اختلاف ہے جمہور کی رائے یہ ہے کہ خبر واحد قرآن کے لیے ناسخ نہیں بن سکتی۔[۲]

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ قرآن کو قرآن سے نسخ کرنا جائز ہے امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ قرآن کو فقط قرآن سے ہی نسخ کیا جاسکتا ہے اسی طرح قرآن کو سنت آحاد کے ذریعے نسخ کرنا عقلا جائز ہے شرعا ممنوع ہے اس بات پر صحابہ کا اجماع ہے۔[۳]

مندرجہ بالا آراء سے یہ نکات سامنے آتے ہیں

۱۔اس پر تمام مسالک کے علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ قرآن کو قرآن کے ذریعے نسخ کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ قرآن کو سنت متواترۃ کے ذریعے نسخ کیا جاسکتا ہے امام احمدؒ اور مالکؒ کے علاوہ باقی تمام مسالک نے اس بات پر اتفاق کیا ہے امام احمدؒ نے اس کی نفی کی ہے اور امام مالکؒ سے دو قول مروی ہیں محققین نے ان کی طرف منسوب اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں انہوں خبر متواتر سے قرآن کے نسخ ہونے کی نفی کی ہے۔

۳۔ اس بات پر تمام مسالک کا اتفاق ہے کہ خبر واحد کے ذریعے قرآن کو نسخ نہیں کیا جاسکتا احناف میں ایک قول یہ ہے کہ حیات نبی اکرم ﷺ میں قرآن کو خبر واحد کے ذریعے نسخ کیا جاسکتا تھا مگر اب یہ درست نہیں ہے اس کا مطلب ہے اب احناف اور دیگر تمام مسالک کی رائے ایک ہی ہوگئی کہ خبر واحد کے ذریعے قرآن کو نسخ نہیں کیا جاسکتا۔

مبحث دوم: مجمل

قرآن و سنت میں بہت جگہوں پر ایسے الفاظ یا جملے استعمال ہوتے جن کا معنی واضح نہیں ہوتا ان سے مقصود شارع کو سمجھنے میں دقت پیش آرہی ہوتی ہے یہ کلام مجمل ہوتا ہے اس کو جاننے اور سمجھنے کے لیے دقت نظر اور وسیع مطالعے کی ضرورت ہوتی ہے مجمل کی بحث کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے تاکہ شریعت میں جہاں اجمال آئے اسے بہتر طور پر سمجھ سکیں مجمل فقہی مسالک کے علمانے یوں بیان کیا ہے۔

جعفری نقطہ نظر

المجمل: فهو اللفظ الذی لیس له ظهور بالفعل و لو کان ذلك بسبب اکتنافه بما اوجب اجماله و ابهامه[۴]

مجمل وہ لفظ ہے جس کے لیے ابتدا میں ظہور نہیں ہوتا اگرچہ اس کا سبب ایسے قرائن ہوں جن کی وجہ سے یہ غیر واضح اور مبہم رہ گیا ہو۔

المجمل: مالم یتضح دلالته[۵]

مجمل وہ ہے جس کی دلالت واضح نہیں ہوتی۔

المجمل: هو الذی خفی المراد منه عرفا بحیث لا یدرك المقصود منه الا بعد البیان[۶]

۱۔ السلمی، اصول الفقه، ص:۴۲۳

۲۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۲/۱۵۴۲ السلمی، اصول الفقه، ص:۴۲۴

۳۔ ابن القدامہ، روضة الناظر، ص:۴۵، ۴۴

۴۔ المشکینی، اصطلاحات الاصول، ص:۲۳۲

۵۔ مظفر، اصول الفقه، ص:۲۰۶ سبحانی، الموجز فی اصول الفقه، ص:۱۵۷

۶۔ حافظ بشیر حسین النجفی، مرقاة الاصول، ص:۱۳۰

حنفی نقطہ نظر

وھو ما اشتبہ مرادہ فاحتاج الی الاستفسار [1]
مجمل وہ ہے جس کی مراد مشتبہ ہوتی ہے اور اس کو سمجھنے کے لیے پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

المجمل: ما ازدحمت فیہ المعانی و اشتبہ المراد [2]

جس کے معانی زیادہ ہوں اور مراد مشتبہ ہو۔

المجمل: فما ازدحمت فیہ المعانی و اشتبہ المراد اشتباھا لایدرک بنفس العبارۃ بالرجوع الی الاستفسار [3]
جس میں معانی زیادہ ہوں مراد اس طرح مشتبہ ہو کہ خود عبارت سے معنی سمجھ میں نہ آتا ہو اسے سمجھنے کے لیے سوال کی ضرورت پڑتی ہو۔

مالکی نقطہ نظر

المجمل :ان احتمل اللفظ معنیین فاما ان یکون راجحا فی احد المعنیین او لایکون راجحا فان لم یکن راجحا فی احد المعنین فھو المجمل [4]

اگر لفظ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہو اب یا تو کسی ایک معنی میں راجح ہو گا یا راجح نہیں ہو گا۔ اگر کسی معنی میں راجح نہ ہو تو وہ مجمل ہے۔

المجمل: وھو ما افتقر فی مقتضاہ لبیان و نظر [5]

جو اپنے مدعی کو بیان کرنے کے لے بیان اور دقت کا محتاج ہو۔

المجمل: کل لفظ دل علی معنی ولم یتعین المراد منہ بنفسہ [6]
ہر وہ لفظ جو معنی پر دلالت کرے مگر خود لفظ سے اس کی مراد متعین نہ ہو رہی ہو۔

المجمل: لایکون متضح الدلالۃ [7]
جس کی دلالت وضح نہ ہو۔

ان یکون اللفظ یتناول جملۃ المعنی دون تفصیلہ [8]

۱۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۸۷

۲۔ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۱۴۳

۳۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۱/ ۲۱۸

۴۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۴۸

۵۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۹۲

۶۔ عبدالحمید بن ادریس، مبادی الاصول، ص:۳۷

۷۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۴۳۸

۸۔ الباجی، الحدود، ص:۴۷

المجمل: مالم تتضح دلالته[1]

مجمل وہ لفظ ہے جس کی دلالت واضح نہ ہو۔

المجمل: مایفتقر الی البیان[2]

مجمل وہ لفظ ہے جو بیان کا محتاج ہوتا ہے۔

المجمل: هوماله دلالة علی احد امرین لا مزیة لاحدها علی الآخر بالنسبة الیه[3]

مجمل وہ لفظ ہے جو دو معانی پر اس طرح دلالت کر رہا ہوتا ہے کہ کسی ایک معنی کو دوسرے معنی پر کوئی ترجیح نہیں ہوتی۔

المجمل: هو كل لفظ لا يعلم المراد منه بمجرده ، بل يتوقف فهم مقصوده علی امر خارج عنه[4]

مجمل ہر وہ لفظ ہے جس کی مراد اس لفظ سے نہیں سمجھی جارہی ہوتی مراد کا سمجھنا کسی دوسری چیز پر موقوف ہوتا ہے۔

حنبلی نقطہ نظر

المجمل: اللفظ المتردد بین محتملین فصاعدا علی السواء[5]

مجمل وہ لفظ ہے جو دو یا دو زیادہ احتمالات میں برابر مردد ہوتا ہے۔

المجمل: ماله دلالة غیر واضحة[6]

مجمل وہ لفظ ہے جس کی دلالت واضح نہیں ہوتی۔

فقہی مسالک کے علمائے کرام کی آراء کا مشاہدہ کیا جائے تو اس کے نتیجے میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ مجمل میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال پایا جاتا ہے یہ احتمال دو یا دو سے زیادہ معانی کا ہو سکتا ہے۔

۲۔ خود لفظ سے معنی سمجھ میں نہیں آتا۔

۳۔ مجمل کو سمجھنے کے لیے بیان کی ضرورت ہوتی ہے کسی ایسے قرینے کی ضرورت ہوتی ہے جو معنی مقصود کی وضاحت کر دے۔

مجمل کا حکم

جعفری نقطہ نظر

۱۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۵۵

۲۔ المحلی، شرح الورقات، ص:۱۶۶، ۱۶۵

۳۔ آمدی، احکام فی اصول الاحکام، ص:۳/ ۱۱

۴۔ ابن الفرکاح، شرح الورقات، ص:۲۰۳

۵۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقه، ص:۱۲۶

۶۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۳/ ۴۱۴

حنفی نقطہ نظر

اس کا حکم توقف ہے یہاں تک کہ کوئی مبین آکر اس کے حکم کو واضح کر دے۔[۲]

مجمل کو سمجھنے کے لیے بیان کے ضرورت ہوتی ہے جب تک بیان نہ آجائے اس وقت تک مجمل کو نہیں سمجھا جا سکتا اس لیے مجمل کو سمجھنا بیان کے آنے پر موقوف ہوتا ہے جیسے ہی بیان آئے گا مجمل کا حکم واضح ہو جائے گا۔[۳]

مالکی نقطہ نظر

مجمل میں ضروری ہے کہ توقف اختیار کیا جائے یہاں تک کہ کوئی دلیل آجائے جو یہ بتا دے کہ اس مجمل سے مراد کیا ہے اس دلیل سے مراد کا پتہ چلے گا۔[۴]

شافعی نقطہ نظر

علامہ تاج الدین السبکی اور ابو اسحق شیر ازی کے مطابق مجمل کا حکم اس میں پائے جانے والے اجمال کی وجہ سے توقف ہے۔[۵]

حنبلی نقطہ نظر

مجمل کا حکم توقف ہے جب تک کسی خارجی قول کے ذریعے بیان نہ ہو جائے مجمل کے احتمالات میں سے کسی ایک پر عمل کرنا درست نہیں ہے جب تک کسی دلیل خارجی کے ذریعے بیان نہ آجائے کیونکہ لفظ مراد پر دلالت نہیں کر رہا ہوتا اور جس حکم پر دلیل نہ ہو اس کو ضروری قرار نہیں دیا جا سکتا۔[۶]

فقہی مسالک کے جید علمائے کرام کی آراء کی روشنی میں یہ نکات سمجھ میں آتے ہیں۔

ا۔اس پر مذکورہ بالا آراء میں تمام علمانے اتفاق کیا ہے مجمل کا حکم توقف ہے۔

۲۔اس بات پر بھی تمام علمائے کرام نے اتفاق کیا ہے کہ مجمل کو سمجھنے کے لیے کسی قرینے یا دلیل خارجی کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اسے سمجھا جاتا ہے۔

مبحث سوم: مبین

قرآن مجید میں مذکور مبین کو جاننا انتہائی ضروری ہے کیونکہ ان کو سمجھنا آسان ہوتا ہے اس میں اختلاف بھی کم ہوتا ہے بلکہ اختلاف نہیں ہوتا

جعفری نقطہ نظر

المبین: مایتضح دلالته[۷]

جس کی دلالت واضح ہو وہ مبین کہلاتا ہے۔

ا۔صدر الدین، التمهيد فی اصول الفقه، ص:۴۷

۲۔قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۸۷ السغناقی، الکافی شرح البزدوی، ص:۱/۲۱۸

۳۔السغناقی، الکافی شرح البزدوی، ص:۱/۲۲۹

۴۔عبد الحمید بن ادریس، مبادی الاصول، ص۳۷ المازری، ایضاح المحصول، ص:۳۰۹

۵۔السبکی، جمع الجوامع، ص۵۷ الشوکانی، ارشاد الفحول، ص:۲/۲۶/۷

۶۔ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۳/۴۱۴

۷۔سبحانی، الموجز فی اصول الفقه، ص:۱۵۷

جس کا معنی واضح ہو اور مراد متکلم کو سمجھنا عام طور پر کسی اور بیان کا محتاج نہ ہو تو یہ مبین ہو گا۔

حنفی نقطہ نظر

المبین: ہوما افتقر الی البیان[۲]

مبین ہو ہے جو بیان کا محتاج نہیں ہوتا۔

مبین کی دو قسمیں ہیں

النص: فما ازداد وضوحا علی الظاہر

جو ظاہر سے زیادہ واضح ہوتا ہے

الظاہر: فان الظاہر اسم لکل کلام ظہر المراد بہ للسامع بصیغتہ[۳]

ظاہر ہر اس کلام کو کہتے ہیں جس کا صیغہ سنتے ہی سامع کے مراد واضح ہو جائے۔

مالکی نقطہ نظر

المبین: قول یری معینا مدلولہ بالوضع او ضمیمۃ[۴]

ایسا کلام جس کا مدلول وضع یا ضمیمہ کی وجہ سے معین ہوتا ہے۔

المبین: کل من بان المراد منہ بسبب غیرہ فھو المبین[۵]

مبین وہ کلام ہے جس کی مراد کسی اور سبب سے واضح ہوتی ہے۔

المبین: متضح الدلالۃ[۶]

مبین وہ جس کی دلالت واضح ہوتی ہے۔

شافعی نقطہ نظر

مبین کی دو قسمیں ہیں

المبین: ہو النص والنص لایحتمل الا معنی واحدا(۷)

مبین نص کو کہتے ہیں اور نص وہ ہے جس میں فقط ایک معنی کا احتمال ہوتا ہے۔

الظاہر: ما احتمل امرین احدھما اظہر من الآخر[۸]

۱۔ حافظ بشیر حسین النجفی، مرقاۃ الاصول، ص:۱۳۲

۲۔ الشوکانی، ارشاد الفحول، ص:۲/۲۲۷

۳۔ السغناقی، الکافی شرح البزدوی، ص:۱/۲۲۳

۴۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۹۲

۵۔ عبد الحمید بن ادریس، مبادی الاصول، ص:۳۸

۶۔ الشنقیطی، درر الاصول، ص:۵۳

۷۔ ابن الفرکاح، شرح الورقات، ص:۲۰۴، ۲۰۳

۸۔ ایضاً، ص:۲۰۵

حنبلی نقطہ نظر

مانص علی معنی معین من غیر ابہام[1]
جو کسی معین معنی میں نص ہو اور اس میں کوئی ابہام نہ ہو۔

ھو اخراج الشئ من الاشکال الی الوضوح[2]
کسی شے کو ابہام سے نکال کر واضح کر دینا مبین کہلاتا ہے۔

تمام مسالک کے معتبر علمائے کرام کی تعریفات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ
ا۔ مبین کا معنی واضح ہوتا ہے اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہوتا جس سے معنی کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آئے۔
۲۔ مبین کو سمجھنے کے لیے کسی الگ قرینے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ خود کلام سے ہی سمجھ میں آجاتا ہے۔

مبین کا حکم

جعفری نقطہ نظر

حافظ بشیر حسین نجفی لکھتے ہیں کہ مبین کی احکام پر دلالت واضح ہوتی ہے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوتا ہے۔[3]

حنفی نقطہ نظر

النص: ما ازداد وضوحا علی الظاھر بمعنی فی المتکلم
نص وہ ہے جس کی دلالت متکلم کے نزدیک ظاہر سے زیادہ واضح ہوتی ہے۔

الظاھر: ما ظھر المراد منه بنفس الصیغة[4]
جو معنی خود صیغہ سے سمجھا جا رہا ہوتا ہے وہ ظاہر کہلاتا ہے۔

نص جس معنی پر دلالت کر رہی ہو وہی مراد ہوتا ہے اس بات میں علما کے درمیان میں اختلاف ہے کہ ظاہر کی حجیت کس درجہ کی ہے آیا یہ نص کی طرح ہے یا اس کی حجیت نص سے کم ہے اس بارے میں درست رائے یہ ہے کہ ظاہر اپنے معنی پر دلالت کرنے میں نص کی طرح ہے۔[5]

مالکی نقطہ نظر

مبین کی دو اقسام ہیں ا۔ نص ۲۔ ظاہر

النص: مالا یحتمل غیرہ قطعا[6]
ایک معنی کے علاوہ کسی اور معنی کا قطعی طور پر کوئی احتمال نہیں ہوتا۔

النص: عرفا ھو ما دل علی معنی فقط ولم یکن محتملا لغیرہ

ا۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۳/۴۲۷
۲۔ ابن قدامه، روضة الناظر، ص:۹۵
۳۔ حافظ بشیر حسین النجفی، مرقاۃ الاصول، ص:۱۳۲
۴۔ الخبازی، المغنی، ص:۱۲۵
۵۔ صدر الدین، التمھید فی اصول الفقه، ص:۴۶
۶۔ قرافی، نفائس الاصول، ص:۲/۶۱۱

الظاھر: الراجح من الامرین

ہر دو حکم میں سے ترجیح رکھنے والا ظاہر کہلاتا ہے۔

نص میں تو کوئی اور احتمال ہی نہیں ہوتا صرف ایک احتمال ہوتا ہے لہذا حکم وہی ہو گا اور لفظ کو اس کے ظاہر پر حمل کیا جاتا ہے۔(۱)

نص میں لفظ کی دلالت قطعی ہوتی ہے اس میں جس معنی پر لفظ دلالت کر رہا ہوتا ہے اس کے علاوہ کسی اور معنی کی دلالت قبول نہیں کی جاتی اور ظاہر میں لفظ کی معنی پر دلالت ظنی ہوتی ہے اور لفظ جس معنی میں ظاہر ہوتا ہے اس میں ترجیح رکھتا ہے۔(۲)

علامہ قرافی کہتے ہیں کہ نص کی دلالت قطعی ہوتی ہے۔(۳)

ظواہر میں دو معانی ہوتے ایک معنی رجان رکھتا ہے جبکہ رجحان سے ظن حاصل ہوتا ہے۔(۴)

نص کی دلالت قطعی ہوتی ہے اور ظاہر کی دلالت ظنی ہوتی ہے۔(۵)

شافعی نقطہ نظر

مبین کی دو قسمیں ہیں

النص: النص مالایحتمل الا معنی واحدا

جو نازل ہوا ہے اسی کے علم سے ہی حکم کا علم ہو جاتا ہے۔

الظاھر: ما احتمل امرین احدھما اظھر من الآخر

ظاہر میں دو معنوں کا احتمال ہوتا ہے مگر ان دو میں سے ایک میں یہ احتمال زیادہ واضح ہوتا ہے۔

لفظ جس معنی میں ظہور رکھتا ہے جب تک اس معنی ظاہر سے ہٹانے والی دلیل نہ آجائے اس وقت تک یہی معنی مراد ہو گا۔(۶)

حنبلی نقطہ نظر

النص: ما دل علی معناہ دلالۃ لاتحتمل التاویل

جس کی اپنے معنی پر دلالت اس طرح سے ہوتی ہے کہ اس میں تاویل کا احتمال نہیں ہوتا۔

الظاھر: ما احتمل معنیین ھو فی احدھما اظھر

ظاہر میں دو معنوں کا احتمال ہوتا ہے مگر ان دو میں سے ایک میں یہ احتمال زیادہ واضح ہوتا ہے۔

۱۔ الشنقیطی، در الاصول، ص: ۵۴

۲۔ الولاتی، نیل السول، ص: ۹۳

۳۔ قرافی، نفائس الاصول، ص: ۲/ ۶۱۱

۴۔ ایضاً، ص: ۲/ ۶۱۵

۵۔ اللقانی، منار اصول الفتوی، ص: ۱۶۳، ۱۶۲

۶۔ المحلی، شرح الورقات، ص ۱۶۸ الجوینی، عبد الملک بن عبد اللہ بن بن یوسف بن محمد بن عبد اللہ بن حیویۃ، متن الورقات، دار الصمیعی للنشر والتوزیع، ریاض، طبع اولی ۱۹۹۶ء، ص: ۱۲

ان آراء کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ علمانے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ مبین اپنے افراد کو شامل ہوتا ہے ان پر دلالت کرتا ہے جو حکم مبین کے ذریعے بیان ہوتا ہے وہ واضح ہوتا ہے اگر مبین نص کی صورت میں آیا ہو تو اس کی دلالت جمہور کی رائے میں قطعی ہوتی ہے اور ظاہر کی صورت میں بھی اپنے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے ظاہر کی اپنے افراد پر دلالت کے بارے میں اختلاف ہوا ہے بعض علما کی رائے یہ ہے کہ ظاہر کی اپنے معنی پر دلالت مجازی ہوتی ہے مگر قول درست جسے علمانے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ظاہر کی دلالت بھی حقیقی ہوتی ہے۔

ا۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۳۹۱،۳۹۰

تقابلی جائزہ: دلیلِ سنت کے تناظر میں

فصل اول: سنت کا مفہوم

فصل دوم: سنت کی حجیت پر دلائل

فصل سوم: مصادر سنت

فصل چہارم: سنت کی اقسام

فصل پنجم: متعلقہ مباحث

فصل اول سنت کا مفہوم

مبحث اول: سنت کا مفہوم

مبحث دوم: کیا اقوال صحابہ سنت میں داخل ہیں؟

هی السیرة حسنة کانت او قبیحة[1]

سنت سیرت کو کہتے ہیں چاہے حسنہ ہو یا قبیحہ ہو۔

السنة: الطریقة محمودة کانت او مذمومة [2]

سنت کا معنی طریقہ ہے اب یہ طریقہ اچھا ہو یا برا ہو۔

((من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده ۔۔۔من سن في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده))[3]

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے اسلام میں اچھے طریقے کی بنیاد ڈالی تو اس کا اجر ملے گا اور قیامت تک جو آدمی اس پر عمل کرے گا اس کا اسے بھی اجر ملے گا اور جس نے اسلام میں کسی برے کام کی بنیاد ڈالی تو اسے سزا ملے گی اور قیامت تک جو آدمی اس برائی پر عمل کرے گا اس کی سزا بھی اسے ملے گی۔

سنت کا اصطلاحی مفہوم

جعفری نقطہ نظر

السنة: هی قول المعصوم علیه السلام، فعله و تقریره[4]

اصطلاح میں سنت قولِ معصوم، فعلِ معصوم اور تقریرِ معصوم سے عبارت ہے۔

حنفی نقطہ نظر

السنة: عبارة عن الطریقه المسلوکه المرضیة سواء کانت من رسول الله ﷺ او من اصحابه قال رسول ﷺ علیکم بسنتی و سنة الخلفاء من بعدی[5]

سنت اس پسندیدہ طریقہ کو کہا جاتا ہے جس پر چلے جانا چاہیے وہ طریقہ رسول اللہ ﷺ سے یا آپؐ کے اصحاب سے ہو آپؐ نے فرمایا تم پر میری اور میری بعد میرے خلفا کی سنت لازم ہے۔

السنة: هی قول النبی ﷺ، فعله و تقریره[6]

رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کا نام سنت ہے۔

مالکی نقطہ نظر

۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ص: ۷/ ۲۸۰

۲۔ الحکیم، الاصول العامہ، ص ۱۴۷ الدکتور الشیخ مصطفی السباعی، السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی، فاران اکیڈمی، لاہور، طبع الرابعہ ۱۹۸۵ء، ص: ۴۷ علامہ حسن بن محمد المشاط، الجواهر الثمینه فی بیان ادلة عالم المدینه، دار العربی، بیروت، الثانیہ ۱۹۹۰ء، ص: ۱۵۵

۳۔ مسلم، صحیح المسلم: کتاب الزکوة، باب الحث علی الصدقہ، حدیث نمبر: ۱۰۱۷، ص: ۲/ ۷۰۵ ابن ماجہ، حافظ ابی عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن، احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۷۵ء، ص: ۱/ ۷۴

۴۔ المشکینی، اصطلاحات الاصول، ص: ۱۴۱، السید محمد تقی الحکیم، الاصول العامة للفقه المقارن، ص: ۱۴۸

۵۔ الشاشی، نظام الدین، اصول الشاشی مع احسن الحواشی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص: ۱۰۴

۶۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص: ۱/ ۹۵ ڈاکٹر مظہر بقا، اصول فقہ، ص: ۱۲۶ حوی، المدخل الی مذہب الامام ابی حنیفه النعمان، ص: ۱۹۳

جس قول فعل یا تقریر کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف دی گئی ہو۔

(۲)

شافعی نقطہ نظر

ما صدر عن الرسول ﷺ غیر القرآن من قول و فعل و تقریر[۳]

جو نبی اکرم ﷺ سے قول، فعل یا تقریر کی صورت میں صادر ہو مگر قرآن نہ ہو۔

علامہ آمدی سنت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں شرع اسلام میں سنت کے لفظ کا اطلاق ان تمام امور پر ہو گا جو نبی کریم ﷺ سے قول اور عمل کے ذریعے سے ثابت ہوئے لیکن وہ قرآن نہیں۔[۴]

علامہ خضری بک کہتے ہیں سنت کا اطلاق نبی اکرم ﷺ کے قول، فعل اور تقریر پر کیا جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں لفظ بدعت آتا ہے۔[۵]

حنبلی نقطہ نظر

ما صدر عن الرسول ﷺ غیر القرآن من قول، او فعل، او تقریر فی غیر الامور الطبعیة[۶]

نبی اکرم ﷺ کا قول، فعل اور تقریر جو قرآن کے علاوہ ہے اور امور طبعیہ میں سے نہیں ہے۔

ما نقل عن النبی قولا او فعل او اقرارا علی فعل[۷]

ہر وہ عمل جس کا کے بارے میں نبی اکرم ﷺ فرمادیں یا اس کو انجام دے دیں یا کسی فعل کو قبول کر لیں۔

ما نقل عن رسول اللہ ﷺ قولا او فعلا او تقریرا[۸]

قول، فعل اور تقریر کی صورت میں جو بھی نبی اکرم ﷺ سے نقل ہوا ہو وہ سنت ہے۔

ڈاکٹر عبد الکریم نملہ نے ان الفاظ میں سنت کی تعریف کی ہے

۱۔ الشعلان، اصول فقہ امام المالک، ص:۱/ ۲۱۸

۲۔ الباجی، ابو الولید سلیمان بن خلف، احکام الفصول فی احکام الاصول، ط/ ۱، موسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۹ء، ص: ۲۲۲ المشاط، الجواھر الثمینہ، ص:۱۵۵

۳۔ غزالی، امام ابی حامد محمد بن محمد، المستصفی من علم الاصول، منشورات دار الذخائر، قم، ص:۲/ ۹۷

۴۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/ ۲۴۱

۵۔ علامہ خضری بک، اصول الفقہ، ص:۲۱۴

۶۔ الترکی، اصول مذہب الامام احمد، ص:۲۱۸

۷۔ بدران، المدخل الی مذہب الامام احمد بن حنبل، ص:۱۹۹

۸۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۷۴

جو نبی اکرم ﷺ سے قول، فعل یا تقریر کی صورت میں صادر ہو اور احکام شرعیہ سے خاص ہو مگر قرآن نہ ہو۔

اس تعریف میں مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں ہر لفظ یا جملہ ایک قید کا کام کرتا ہے ایک کی الگ حیثیت ہوتی ہے ہم الگ الگ ان کی تشریح کرتے ہیں۔

ما: سب سے پہلے لفظ میں استعمال ہوا اس میں نبی یا غیر نبی کسی سے کچھ بھی صادر ہو وہ اسے شامل ہے۔

صدر عن النبی ﷺ: یہ بھی جنس ہے اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جو نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو تعلیم فرمائی چاہے قرآن ہو یا سنت ہو اس کا تعلق احکام شریعت سے ہو یا نہ ہو۔

غیر القرآن: اس قید سے قرآن خارج ہو گیا کیونکہ یہ کلام اللہ ہے۔

من قول: یعنی آپؐ کی فرمائی ہوئی بات یہ قول کتابت کو شامل ہے۔

من فعل: جس کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے اعضا سے انجام دیا ہو اشارہ بھی فعل میں شامل ہے افعال قلب بھی فعل میں شامل ہیں۔

او تقریر: جو کچھ آپؐ کی موجودگی میں کسی نے انجام دیا آپؐ اسے دیکھ رہے ہوں اور اسے منع نہ کریں تقریر کہلاتی ہے۔

مما یختص الاحکام الشرعیۃ: یعنی وہ امور جو شرعی ہوں یہ قول، فعل یا تقریر ان میں ہونی چاہیے۔[۲]

ان تمام تعریفوں سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱. نبی اکرم ﷺ کا قول، فعل یا تقریر سنت کا لازمی حصہ ہے اس بات پر تمام فقہی مسالک کے علما کا اتفاق ہے۔
۲. فقہ جعفریہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ ائمہ اہلبیت بھی شامل ہیں۔
۳. سنت کے لیے غیر قرآن کی قید لگائی گئی ہے کہ سنت قرآن نہیں ہوتی بلکہ فرمان نبیؐ ہوتی ہے۔
۴. علامہ خضری بک کے نزدیک سنت کے مقابلے میں اگر کسی عمل کو اختیار کیا جائے گا تو وہ بدعت ہو گا۔
۵. ایک قید یہ بھی آئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جو فعل انجام دیا ہے یہ احکام شریعت میں سے ہو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض امور جو نبی اکرم ﷺ انجام دیتے ہیں وہ سنت نہیں ہیں ان کی وضاحت آ جائے گی۔
۶. بعض علمانے نبی اکرم ﷺ کے قول فعل اور تقریر کے ساتھ صحابہ اور بعض نے تابعین کے اقوال کو بھی سنت میں شامل کیا ہے۔

مبحث دوم: کیا اقوال صحابہ سنت میں داخل ہیں؟

امام شاطبی

۱۔ النملہ، المہذب فی علم اصول، ص:۲/ ۶۳۴ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۲/ ۸۳۲

۲۔ النملہ، المہذب فی علم اصول، ص:۲/ ۶۳۴-۶۳۶ النملہ، الاتحاف ذوی البصائر، ص:۲/ ۸۳۷

تھا مگر ہم تک نہیں پہنچا[1]

امام شاشی

امام شاشی نے سنت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ وہ طریقہ ہے جس پر رسول ﷺ چلے ہوں یا ان کے صحابہ کرام چلے ہوں کیونکہ آپؐ نے ارشاد فرمایا تمہارے لیے میری اور میرے بعد میرے خلفا کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے۔[2]

احمد تیمور باشا

اپنی مشہور کتاب المذاھب الفقھیۃ الاربعۃ میں لکھا ہے کہ اس معاملے درست رائے یہ ہے کہ جمہور مسلمین نے صحابہ کے اقوال کو سنت کے ساتھ ملحق کیا ہے کیونکہ اقوال یا تو سنت ہیں یا ان کا الہام وحی سے لیا گیا ہے یا یہ چشمہ سنت کا فیض ہیں جس طرح بھی ہو اقوال صحابہ بھی نور سنت کی طرح نور ہیں۔[3]

علامہ الولاتی

یہ لکھتے ہیں کہ امام الحرمین امام الجوینی نے کہا ہے کہ سنت کا اطلاق سنت خلفا پر ہوتا ہے۔[4]

ابن نجیم حنفی

مشہور حنفی عالم ہیں یہ کہتے ہیں کہ سنت کا اطلاق سنت نبیؐ اور سنت صحابہ پر ہوتا ہے یعنی دونوں سنت میں داخل ہیں۔[5]

علامہ عبد الطیف بن ملک

یہ اپنی مشہور کتاب شرح منار الانوار میں لکھتے ہیں کہ سنت کا اطلاق صحابہ کرام کے طریقہ پر بھی ہوتا ہے۔[6]

علامہ خضری بک

انہوں نے کہا ہے کہ سنت کا اطلاق عمل صحابہ پر بھی ہوتا ہے چاہے ان کا عمل قرآن و سنت میں موجود ہو یا موجود نہ ہو کیونکہ صحابہ سنت پر عمل کرتے تھے جو ہم تک نہیں پہنچی۔[7]

ڈاکٹر عبد الکریم النملہ

مشہور محقق ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ سنت کا اطلاق عمل صحابہ پر بھی ہوتا ہے خواہ یہ عمل قرآن یا سنت میں موجود ہو یا نہ ہو بلکہ صحابہ کرام کے اجتہاد پر مشتمل ہو۔[8]

ان تمام آراء سے پتہ چلتا ہے کہ علمائے کرام اقوال صحابہ کو سنت کا حصہ سمجھتے ہیں اور اس سے بھی شرعی احکامات کا استنباط کرتے ہیں۔

۱۔ شاطبی، الموفقات، ص:۲/۳تا۵
۲۔ الشاشی، اصول الشاشی مع احسن الحواشی، ص:۱۰۴
۳۔ باشا، المذاہب الفقھیہ الاربعہ، ص:۲۲
۴۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۵۲
۵۔ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۲۵۴
۶۔ ابن ملک، عبد اللطیف، شرح منار الانوار فی اصول الفقہ، ط/۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۱ء، ص:۲۰۵
۷۔ خضری، اصول الفقہ، ص:۲۱۴
۸۔ النملہ، المہذب، ص:۲/۶۳۷

مبحث اول: قرآنی آیات کی سنت کی حجیت پر دلالت

مبحث دوم: حجیت سنت پر سنت پر دلالت

مبحث سوم: سنت کی حجیت پر اجماع، عقلی دلیل، عصمت کا تقاضا اور سنت پر عمل نہ کریں تو قرآن پر بھی عمل ممکن نہیں

مبحث چہارم: مسالک کی آراء

احکام کو استنباط کرنے کے لیے سنت ایک بنیادی ماخذ ہے صحابۂ کرام سنت کے ذریعے شرعی احکام کا استنباط کرتے ہیں قرآن کے بعد سنت کو حجت مانا جاتا ہے۔

سنت کی اہمیت

تمام اہل علم متفق ہیں کہ سنت تشریع احکام میں قرآن کے طرح مستقل ہے کسی چیز کو حلال کرنے یا کسی چیز کو حرام کرنے میں مستقل ہے۔ علامہ شوکانی نے سنت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ان ثبوت حجیته السنة المطهرہ و استقلالها لتشریع الاحکام ضرورة دینية ولا یخالف فی ذالك الا من لاحظ له فی دین الاسلام[1]

نبی اکرم ﷺ کی سنت حجت ہے اور احکام شریعت کو حاصل کرنے کے لیے ایک مستقل مصدر ہے اس کا حجت اور مستقل مصدر ہونا ضروریات دین میں سے ہے سنت کی حجیت کی صرف وہ شخص ہی مخالفت کر سکتا ہے جس کا اسلام میں کوئی حصہ نہ ہو۔

سنت کی حجیت پر تمام فقہی مسالک متفق ہیں اور قرآن، سنت، اجماع اور عقل وغیرہ سے سنت کی حجیت پر ادلۃ پیش کرتے ہیں ہم تمام مسالک کی ادلۃ کو مشترکہ طور پر بیان کریں گے۔

مبحث اول: قرآنی آیات کی سنت کی حجیت پر دلالت

قرآن کی بہت سی آیات سنت کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں ہم ان میں سے چند آیات کو ذکر کرتے ہیں جو سنت کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں ان آیات کو ہم مختلف گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ پہلی دلیل وہ آیات جن میں اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾[2]

رسولؐ کی اطاعت کرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾[3]

اے لوگو جو ایمان لائے ہوئے، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔

ان آیات میں اللہ تعالی نے رسول ﷺ کی اطاعت کا امر کیا ہے اور امر جب قرائن سے خالی ہو تو اس کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے پس ہر بات جو نبی اکرم ﷺ سے صادر ہوئی ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

۲۔ دوسری دلیل وہ آیات جن میں سنت کو ایسی وحی کہا گیا ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾[4]

۱۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص:۱/۹۷

۲۔ سورۃ النور: ۲۴/۵۶

۳۔ سورۃ النساء: ۴/۵۹

۴۔ سورۃ النجم: ۵۳/۳،۴

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جو بھی فرماتے ہیں وہ اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ وحی الٰہی ہوتی ہے جو آپؐ کی طرف خداوند تعالیٰ کی طرف سے کی گئی ہوتی ہے پس سنت بھی قرآن کی طرح وحی ہے فرق یہ ہے کہ قرآن تلاوت کی جاتی ہے اس کے الفاظ معجزہ ہیں اور سنت میں ایسا نہیں ہوتا۔

۳۔ تیسری دلیل وہ آیات جو رسول ﷺ کی مخالفت پر وعید کا بتاتی ہیں۔

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(۱)

رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔

اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی مخالفت سے ڈرایا ہے اس لیے آپؐ کی اطاعت ضروری ہے رسول ﷺ کی موافقت اور متابعت ہر اس عمل میں جو آپؐ سے صادر ہوا ہے ضروری ہے۔(۲)

۴۔ چوتھی دلیل وہ آیات جو آپؐ کو قرآن کو بیان کرنے والا بتاتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ آپ ﷺ قرآن کے شارح ہیں اور آپؐ کا بیان اور آپؐ کی شرح اللہ کے ہاں مقبول ہے۔

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾(۳)

اور ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو اُن کے لیے اتاری گئی ہے، اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں۔

﴿وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾(۴)

ہم نے یہ کتاب تم پر اس لیے نازل کی ہے کہ تم اُن اختلافات کی حقیقت اِن پر کھول دو جن میں یہ پڑے ہوئے ہیں یہ کتاب رہنمائی اور رحمت بن کر اتری ہے اُن لوگوں کے لیے جو اِسے مان لیں۔

رسول ﷺ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کتاب کو بیان فرمائیں اور ان پر بیان کرنا واجب ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ پر اظہار واجب ہو اور امت پر قبول واجب نہ ہو جس طرح اظہار واجب ہے اسی طرح قبول بھی واجب ہے۔

۵۔ پانچویں دلیل وہ آیات جو بتاتی ہیں کہ آپ ﷺ پر ایمان لانا لازمی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾(۵)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر۔

۱۔ سورۃ النور: ۲۴/ ۶۳

۲۔ آمدی، الاحکام، ص ۱/ ۲۵۱ النملہ، المہذب فی علم اصول، ص: ۲/ ۶۳۸

۳۔ سورۃ النحل: ۱۶/ ۴۴

۴۔ سورۃ النحل: ۱۶/ ۶۴

۵۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۳۶

نازل کی ہے۔

ان دونوں آیات میں نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی حق پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے حقیقت ایمان یہ ہے کہ جس کام کا نبی ﷺ حکم دیں اس کے مطابق عمل کیا جائے اور اگر کوئی شخص رسول ﷺ سے صادر ہونے والے فعل پر عمل نہیں کرتا ہے تو اس کے پاس حقیقت ایمان نہیں ہے۔

۶۔ چھٹی دلیل محبت خدا اطاعت رسول ﷺ میں ہے۔

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ﴾[۲]

اے نبیؐ! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔

مومنوں کی محبت خدا کی نشانی اتباع رسول ﷺ ہے اگر وہ خدا سے محبت کرتے ہیں تو ان کو اتباع پیغمبر بھی کرنا ہوگی محبت خدا کا تقاضا اطاعت نبی اکرم ﷺ ہے۔[۳]

۷۔ ساتویں دلیل وہ آیات جو آپؐ کی اتباع کا حکم دیتی ہیں۔

﴿فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ﴾[۴]

میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔

یہاں پر رسول ﷺ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور اس حکم سے وجوب سمجھا جاتا ہے متابعت اور پیروی یہی ہے کہ آپؐ کے فرامین پر عمل کیا جائے جیسا آپؐ نے انجام دیا ہے ویسا انجام دیا جائے۔[۵]

۸۔ آٹھویں دلیل وہ آیات جن میں رسول ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے نمونہ قرار دیا گیا۔

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾[۶]

درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ تھا، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو۔

اسوہ حسنہ کی پیروی کی جاتی ہے اس کے مطابق عمل کیا جاتا ہے اس لیے نبیؐ کی اطاعت ضروری ہے۔

۹۔ نویں دلیل وہ آیات جو بتاتی ہیں کہ جو نبیؐ دیں وہ لے لو۔

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾[۷]

جو کچھ رسولؐ تمھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔

۱۔ سورۃ التغابن: ۶۴/ ۸

۲۔ سورۃ آل عمران: ۳/ ۳۱

۳۔ النملہ، المھذب، ص: ۲/ ۶۳۹

۴۔ سورۃ آل عمران: ۳/ ۳۱

۵۔ آمدی، الاحکام، ص: ۱/ ۲۵۱

۶۔ سورۃ الاحزاب: ۳۳/ ۲۱

۷۔ سورۃ الحشر: ۵۹/ ۷

اس آیت مجیدہ کے دو پہلو ہیں ایک تو آپؐ کے اسوہ کو ہمارے لیے نمونہ قرار دیا گیا ہے کہ ہم اس کی پیروی کریں، اس کی اطاعت کریں، اس سے تجاوز نہ کریں۔ اب اگر ہم اس کی پیروی نہ کریں تو یہ ہمارے لیے کیسے نمونہ بن سکتا ہے آیت کے دوسرے حصے میں ایک طرح کی زجر و توبیخ بھی کر دی کہ یہ اسوہ حسنہ ان لوگوں کے لیے ہے جو آخرت میں اللہ سے امید رکھتے ہیں اب ہر مسلمان اللہ سے امید رکھتا ہے جب ہر مسلمان اللہ سے امید رکھتا ہے تو وہ آپؐ کے اسوۂ پر عمل کرے گا اور آپؐ کی سنت ہی آپؐ کا اسوہ ہے۔

اس تمام بحث سے یہ چیز واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی پیروی ان کی اطاعت اصل دین ہے اس کے مطابق زندگی گزار کر دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کی جا سکتی ہے آپؐ کی سنت کی پیروی کے بغیر دین پر عمل ممکن ہی نہیں ہے اس لیے ان آیات میں بھی کہیں آپؐ کی زندگی کو نمونہ عمل قرار دیا تو کہیں آپؐ کی پر سیرت عمل کرنے کو محبت خدا کا سبب بیان کیا گیا ان آیات میں الفاظ مختلف ہیں مگر سب میں ایک بات بہت واضح انداز میں بیان ہوئی کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے۔

مبحث دوم: حجیت سنت پر سنت سے دلائل

نبی اکرم ﷺ کی زندگی مبارکہ میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے صحابہ کرام کی اس بات پر تربیت کی تھی کہ جب بھی انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو وہ سنت کے طرف رجوع کریں اور اس سے شرعی احکامات کا اخذ کریں اسی طرح آپؐ کے بہت سے فرامین ہیں جن میں اپنی اطاعت و پیروی کا حکم دیا ہے ہم ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

پہلی دلیل

نبی اکرمؐ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس جواب کی تائید فرمائی تھی جس میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے جواب میں فرمایا:

(اقضی بکتاب اللہ فان لم اجد فبسنۃ رسولہ)[۲]

میں قرآن کے ذریعے فیصلہ کروں گا اور اگر قرآن میں نہ پایا تو میں سنت رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ ہمارے لیے حجت ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

دوسری دلیل: حدیث کتاب و سنت کو چھوڑے جا رہا ہوں۔

نبی اکرمؐ سے یہ حدیث بھی منقول ہے میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب اللہ اور اپنی سنت۔ ان کے ساتھ رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔[۳]

سنت کے ساتھ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ سنت کے مطابق عمل کرتے رہنا اور یہ عمل اس وقت ممکن جب یہ حجت ہو اس لیے سنت حجت ہے اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے تاکہ سنت سے تمسک قائم رہ سکے۔

دوسری دلیل

۱۔ الحکیم، الاصول الاعامہ، ص:۱۵۱

۲۔ ابن حنبل، امام احمد بن حنبل، مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر ۲۲۰۶۱، تتمۃ مسند انصار، حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، طبعہ ثانیہ ۲۰۰۸ء، ص:۳۶/ ۳۸۲

۳۔ الحکیم، الاصول العامہ، ص:۱۵۶

اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے اس فعل کی تقریر فرمائی یعنی تثبیت فرمائی اس سے منع نہیں فرمایا[1] صحابہ کرام کا آپؐ کی پیروی کرنا اس بات کا غماز ہے کہ آپؐ کی سنت حجت ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ حجر اسود کو بوسہ دیتے تو فرماتے تھے۔

((انی اعلم انك حجر لا تضر ولا تنفع ولولا انی رایت رسول الله يقبلك لما قبلتك))[2]

میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے کوئی نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا
اگر میں رسولؐ کو چومتے نہ دیکھا ہوتا تو تمہیں کبھی نہ چومتا

اس فرمان سے یہ بات سے ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام حضور کی سنت کی پیروی کیا کرتے تھے۔

حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا

جب صحابہ کرام میں اس بات پر اختلاف ہو گیا کہ اگر کوئی اپنی زوجہ سے ہم بستری کرے ختنین مل جائیں مگر انزال نہ ہو تو غسل واجب ہو گا یا نہیں ہو گا۔ صحابہ کرام کی رائے تھی کہ غسل واجب نہیں ہو گا مگر جب ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ اور میں غسل کیا کرتے تھے اس پر تمام صحابہ جو غسل کے قائل نہ تھے انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا ان کا رجوع کر لینا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام کا سنت کی حجیت پر اجماع تھا۔[3]

مبحث سوم: سنت کی حجیت پر اجماع، عقلی دلیل، عصمت کا تقاضا اور سنت پر عمل نہ کریں تو قرآن پر بھی عمل ممکن نہیں

حجیت سنت پر اجماع

رسول اکرمؐ کے دور سے لیکر آج تک کے تمام مسلمانوں کا اس بات پر عملی اجماع ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت حجت ہے اس پر صحابہ کی سیرت میں بہت سی دلیلیں ملتی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ کا حجیت سنت پر اجماع تھا ہم ان میں سے چند ادلہ کو ذکر کرتا ہوں۔[4]

نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے لیکر آج تک تمام مسلمانوں اس بات پر متفق ہیں کہ سنت حجت ہے اور ہر وہ چیز جو اقوال، افعال اور تقریرات کی صورت میں آپؐ سے صادر ہوئی وہ حجت ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔[5]

۱۔ آمدی، الاحکام، ص:۱/۲۵۳

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب، حجر اسود کا بیان، حدیث نمبر:۱۵۹۷، مکتبہ عصریہ، بیروت، طبع رابعہ ۱۹۹۸ء، ص:۱/۴۷۶

۳۔ آمدی، الاحکام، ص:۱/۲۵۴ رازی، المحصول، ص:۳/۲۳۳

۴۔ رضوانی، علی اصغر، اصول فقہ مقارن، ص:۶۶

۵۔ النملہ، المهذب، ص:۲/۶۳۹ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۲/۸۴۰

آج تک کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے سب سنت نبی ﷺ پر عمل کرتے ہیں۔

سنت پر عمل کرنے کی عقلی دلیل

سنت کے حجت ہونے پر تین طرح سے عقلی دلیل قائم کی گئی ہے۔

۱۔ آپؐ نے جو فعل انجام دیا وہ یہ احتمال رکھتا ہے کہ ہمارے اوپر واجب ہے یا واجب نہیں ہے واجب سمجھنا اس لحاظ سے بہتر ہے کہ عقل تقاضا کرتی ہے کہ آنے والے خطرے سے بچا جائے جو کسی واجب فعل کے چھوڑنے کی صورت میں عذاب الٰہی کی صورت میں ہوتا ہے لہذا واجب سمجھ کر سنت رسول ﷺ پر عمل کیا جائے۔

۲۔ نبوت ایک عالی مرتبت اور عظیم الشان عہدہ ہے جو اوصاف عالیہ کا حامل ہے عظیم کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کے افعال میں اسکی اطاعت کی جاتی ہے اس کی پیروی اس کی شان اور اس کی عظمت کا تقاضا بھی ہوتا ہے اور اس کی پیروی نہ کرنا مثلاً وہ نماز پڑھے لوگ بیٹھے رہیں وہ طواف کریں لوگ کوئی عمل کریں تو یہ اس عظیم کی حرمت کو پامال کرنے اور اس عظیم کی عظمت کا شیرازہ بکھیرنے کے مترادف ہے لہذا اس کی اطاعت و پیروی کی جائے عقل اس کا تقاضا کرتی ہے کہ نبی کی ہر کام میں پیروی کی جائے۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ جو فعل بھی انجام دیں وہ ہر صورت میں حق ہو گا حق کو چھوڑنا اس کی مخالفت کرنا عقل اسے قبیح قرار دیتے ہوئے ممتنع قرار دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس حق کو جو سنت رسول ﷺ ہے ترک نہ کیا جائے بلکہ اس پر عمل کیا جائے۔(۱)

متذکرہ بالا بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دلیل عقل بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت کی اطاعت کی جائے ان کی مخالفت نہ کی جائے ان کی مخالفت کرنا عقل کے مطابق بھی درست نہیں ہے اس لیے ضروری ہے کہ آپؐ کی اطاعت کی جائے اور سنت کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔

عصمت کا تقاضا

> العصمة : سلب قدرة المعصوم على المعصية فلايكنه فعلها ان الله تعالى سلب قدرته عليها(۲)

> معصوم سے گناہ کی طاقت کا خاتمہ اس طرح کہ وہ معصیت انجام ہی نہ دے سکے کر لینا اس طرح کہ معصوم سے اللہ تعالی نے گناہ کی قدرت سلب کر لی ہوتی ہے یہ عصمت کہلاتی ہے۔

> المعصوم : هو المختص فى بدنه او نفسه بخاصية تقتضى امتناع اقدامه على المعاصى(۳)

> کسی کے بدن یا نفس میں ایک ایسی خاصیت کا ہونا جو خاصیت گناہ کرنے سے روکے جس میں یہ پائی جائے وہ معصوم ہے۔

نبی اکرم ﷺ معصوم ہیں اور اس بات پر اجماع ہے کہ آپؐ گناہوں سے پاک ہیں کیونکہ گناہ تبلیغ دین سے مانع بن سکتے ہیں اور آپؐ کو خالق کائنات نے تبلیغ دین کے لیے ہی مبعوث فرمایا ہے اگر آپؐ معصوم نہ ہوتے تو اللہ تعالی کبھی

۱۔ آمدی، الاحکام، ص:۱/۲۵۵

۲۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۲/۷۳۸

۳۔ ایضاً، ص:۲/۷۳۹

جب دلیل سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ آپؐ جو بات فرمائیں گے وہ حق ہے اور درست راستہ وہی ہے جس کی طرف آپؐ رہنمائی فرمائیں گے تو اس سے کا تقاضا یہ ہے کہ اس سیدھے راستے کی اطاعت کے جائے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

سنت کے بغیر قرآن پر عمل ممکن نہیں

ضرورت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ سنت حجت ہے کیونکہ سنت کے بغیر قرآن پر کسی طرح سے عمل کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ قرآن مجمل، مبہم اور متشابہ پر مشتمل ہے ہم قرآن کو سنت کے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾[2]

نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾[3]

جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔

اللہ تعالی نے ان آیات میں تین کام کرنے کا حکم دیا ہے ایک نماز ادا کرو دوسرا زکوۃ ادا کرو اور تیسرا حج ادا کرو یہ اسلامی شریعت کے بنیادی ترین احکام ہیں سنت کے بغیر ان پر عمل کرنا ناممکن ہے نماز کے واجبات اسی طرح زکوۃ کے مسائل اور حج پر جانے سے لیکر اسے ادا کرنے تک ہزاروں دقیق ترین مسائل ہیں ان کا پتہ صرف سنت سے چلتا ہے سنت کے بغیر اسلامی احکام پر عمل ممکن نہیں ہے اس لیے ضروری ہے حجت ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

مبحث چہارم: مسالک کی آراء

جعفری نقطہ نظر

علامہ محمد رضا مظفر فرماتے ہیں کہ سنت شریعت اسلامی کے مصادر میں سے ایک بنیادی مصدر ہے اگر انسان بذات خود معصوم سے کوئی حکم شرعی سنتا ہے تو یقینی طور پر اسے حکم شرعی حاصل ہو جاتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے قرآن کریم سے کسی حکم کو لینا اب جب کہ سنت کو براہ راست اخذ نہیں کیا جاسکتا تو ضروری ہے کہ ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائے جو سنت کو نقل کرتی ہیں احادیث سنت سے ناقل ہوتی ہیں۔[4]

سید تقی حکیم نے حجیت سنت کی بحث میں فرماتے ہیں سنت کی حجیت واضح ہے اگر سنت نہ ہو تو دین کو سمجھا ہی نہیں جاسکتا اور نہ قرآن پر عمل کیا جاسکتا ہے اور سنت کے بغیر قرآن مجید سے کسی حکم کو تمام تر شرائط کے ساتھ حاصل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قرآن مجید میں احکام کی تمام خصوصیات کو ذکر نہیں کیا گیا اصل حکم کو ذکر کیا جاتا ہے جبکہ اس کی شرائط اور موانع سنت میں بیان کیے جاتے ہیں جیسے اللہ تعالی نے قرآن میں نماز، زکوۃ اور حج کا حکم دیا قرآن میں نماز زکوۃ اور حج کو

۱۔ النملہ،، المہذب ص:۲/۶۳۹

۲۔ سورۃ البقرۃ:۲/۴۳

۳۔ سورۃ آل عمران:۳/۹۷

۴۔ مظفر، اصول الفقہ، ص:۴۱۸ البجنوردی، سید محمد موسوی، مصادر الشریع عندالمامیہ و السنہ، پژھشگاہ امام خمینی، تہران، ۱۳۷۸، سال ایرانی، ص:۲۴

ترک کر دینا اسلام کا انکار کرنے کے مترادف ہے اور اس کی تعلیمات کو اور کی بنیادوں کو گرانے کے مترادف ہے سنت کی حجیت ضروریات دین میں سے ہے بلکہ سنت کے بغیر اسلام بے معنی ہے۔(۲)

فقہ جعفریہ میں ائمہ اہلبیتؑ کی حیثیت محض راویان حدیث کی نہیں ہے کہ ان کی حیثیت ثقہ راویوں کی سی ہو اور ان کی بات اس لیے حجت ہو کہ یہ ثقہ راوی ہیں اور نہ ہی ان کی بات اس لحاظ سے حجت ہے کہ انہوں نے اجتہاد کیا ہے اور مصادر تشریع سے استنباط کیا ہے بلکہ فقہ جعفریہ کے مطابق ان ائمہ کی بات خود مصدر تشریع کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے جب ائمہ اہلبیتؑ سے کوئی بات ثابت ہو جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ انسان نے اس حکم واقعی کو حاصل کر لیا جو اللہ تعالی نے انسان کے لیے تشریع فرمایا تھا ائمہ کے اقوال سے ایسے ہی استنباط لیا جاتا ہے جیسے قرآن و سنت سے استنباط کیا جاتا ہے۔(۳)

حنفی نقطہ نظر

امام ابو حنیفہؒ اور احناف قرآن کے بعد سنت کو شریعت کا مصدر قرار دیتے ہیں متواتر حدیث کو مطلقا قبول کرتے ہیں خبر مشہور کے بارے میں دو آراء ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ ظن کا باعث بنتی ہیں اور بعض کہتے ہیں یہ یقین کا باعث بنتی ہیں جہاں تک احادیث آحاد کی بات ہے تو ان کی نبی اکرم کی نسبت ظن کی بنا پر ہوتی ہے اس کا آپ ﷺ سے صدور قطعی نہیں ہوتا جن لوگوں نے حدیث کا انکار کیا وہ خبر واحد کا انکار ہے کیونکہ آپ ﷺ پر لوگوں نے بہت جھوٹ باندھا ہے وہ اس سے بچنے کے لیے اخبار آحاد قبول نہیں کرتے تھے جمہور فقہاء خبر واحد کو اس وقت قبول کرتے ہیں جب وہ ثقہ عادل سے ہو اور اس کی بنیاد پر کوئی عقیدہ نہیں بنایا جاتا صرف احکام میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔(۴)

علامہ شاشی فرماتے ہیں کہ سنت کے ذریعے اسی طرح علم حاصل کیا جاتا ہے جیسے قرآن سے علم حاصل کیا جاتا ہے اور سنت کے پر عمل کرنا اسی طرح واجب ہے جس طرح قرآن پر عمل کرنا واجب ہے کیونکہ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اس لیے رسول ﷺ کی اطاعت فرض ہے اور وہ اسی صورت میں ہو گی جب سنت پر عمل کیا جائے گا۔(۵)

علامہ خبازی فرماتے ہیں کہ خبر واحد سے حاصل ہونے والی سنت بھی دین و دنیا میں عمل کے لیے حجت ہے خبر واحد مفید ظن ہے اس لیے اس پر عمل کرنا ضروری ہے شہادت میں خبر واحد اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ وہاں اس خبر کا انکار کیا جا رہا ہوتا ہے جیسے کوئی آدمی دعوی کرتا ہے تو اصل یہ ہے کہ انسان بری الذمہ ہے اب یہ دعوی اس اصل کے خلاف ہے اب اس مقام پر خبر واحد قبول نہیں بلکہ اور گواہ بھی اطمینان کے لیے طلب کیے جائیں گے۔(۶)

مالکی نقطہ نظر

۱۔ الحکیم، الاصول العامہ، ص:۱۴۹

۲۔ الحکیم، الاصول العامہ، ص:۲۰۶

۳۔ مظفر، اصول الفقہ، ص:۴۱۷-۴۱۸ بحر العلوم، الاجتہاد اصولہ و احکامہ، ص:۶۹

۴۔ الصاغرجی، الشیخ اسعد محمد سعید، الفقہ الحنفی و ادلتہ، ط/۱، ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱۴۲۱ھ، ص:۱/۲۴

۵۔ الشاشی، اصول الشاشی، ص:۱۷۰، ۱۶۹

۶۔ الخبازی، المغنی، ص:۱۹۴-۱۹۵

ہو اسے قبول کر لو اور جو اس کے مخالف ہو اسے چھوڑ دو۔[۲]

امام مالکؒ نے یہ نظریہ قرآن کی اس آیت سے اخذ کیا ہے۔

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾[۳]

جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے منع کر دے اس سے رک جاؤ۔

امام مالکؒ بڑے محدث تھے انہوں نے مدینہ میں مکتب حدیث کی بنیاد رکھی ان کا زیادہ زور مرویات پر ہوتا ہے آپ نے موطا جیسی عظیم شان کتاب تحریر فرمائی جو حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہے آپ نے قرآن کے ساتھ سنت کو معیار قرار دیا ہے کہ جو کچھ قرآن و سنت کی کسوٹی کے مطابق ہو لے لو نہیں تو چھوڑ دو ان اقوال سے ان کے ہاں سنت کی تشریعی حیثیت واضح ہوتی ہے کہ ہر چیز کو اس کی طرف پلٹایا جائے گا۔ ان کی حتی المقدور کوشش ہوتی تھی کہ مسئلہ کا حل نص سے میسر آجائے۔ یہ قیاس پر سنت کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے جب کوئی نص نہ ملتی تو اس وقت اجتہاد، رائے اور قیاس کی طرف جاتے تھے امام مالکؒ حدیث مرسل اور حدیث موقوف پر بھی اپنی رائے قائم فرماتے تھے اس کے مقابل اجتہاد نہیں کرتے تھے کسی صحابی کا فتویٰ مل جاتا تو بھی قیاس سے گریز کرتے تھے۔

خبر واحد سے نقل ہونے والی سنت کے بارے میں امام مالکؒ کا رویہ یہ ہے کہ وہ اس بات کی قید لگاتے ہیں کہ وہ عمل اہل مدینہ کے خلاف نہ ہو اگر خبر واحد عمل اہل مدینہ کے خلاف ہو تو خبر واحد پر عمل نہیں کرتے اور عمل اہل مدینہ کو مقدم کرتے ہیں اس کی وجہ اہل مدینہ کا سب سے زیادہ سنت نبوی کا علم ہے ان کا عمل خبر واحد کے خلاف ہے تو اس کا مطلب ہے حدیث منسوخ ہو چکی ہے ورنہ اہل مدینہ کا عمل اس کے مطابق ہوتا امام مالکؒ اہل مدینہ کے عمل کو اس حیثیت سے مانتے ہیں جیسے ایک جماعت دوسری جماعت سے روایت کر رہی ہو ایک جماعت کی دوسری جماعت سے روایت یقیناً خبر واحد سے زیادہ قوی ہے اور اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اسے خبر واحد پر مقدم رکھا جائے اور حکم کی بنیاد بنایا جائے ابن رشد کہتے ہیں مام مالکؒ نے بعض خبر آحاد کو صرف اس بنیاد پر رد کر دیا کہ وہ عمل اہل مدینہ کے خلاف تھیں۔[۴]

امام شاطبی کہتے ہیں کہ سنت دلیل شرعی ہے۔ جب نبی اکرم ﷺ کسی فعل کو انجام دیتے ہیں تو آپ کا انجام دینا اس بات پر دلیل ہوتا ہے کہ اس فعل کے انجام دینے کی دلیل دی گئی ہے آپؐ کا کسی فعل کو ترک کرنا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ اس فعل کو ترک کرنا بہتر ہے اور اس فعل کو انجام دینے میں کوئی حرج نہیں جو آپؐ کے سامنے انجام دیا گیا آپؐ نے اس کی تائید فرمائی۔[۵]

شافعی نقطہ نظر

۱۔ الدھلوی، شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم، عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید، ط/۱، دار الفتح للطباعۃ والنشر والتوزیع، عمان، اردن، ۱۹۹۵ء، ص:۷۵

۲۔ ابن عبد البر القرطبی، الحافظ ابو عمر یوسف ابن عبد البر النمری القرطبی، جامع البیان العلم و فضلہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ، ص:۲/۳۲

۳۔ سورۃ الحشر:۵۹/۷

۴۔ ابن قیم، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ط/۱، دار الجیل، بیروت، سن، ص:۳/۸۳

۵۔ الجیلالی المیرینی، القواعد الاصولیہ عند الامام الشاطبی من خلال کتابہ الموافقات، ط/۱، دار ابن القیم، قاہرۃ، ۲۰۰۲ء، ص:۱۱۹

استاد ابوزہرہ مصری کہتے ہیں کہ سنت کے ذریعے قرآن میں آئے احکام کی تکمیل ہوتی ہے قرآن اور سنت استنباط احکام کے لیے ایک اصل شمار ہوتے ہیں۔[۲]

حنبلی نقطہ نظر

امام احمدؒ کے نزدیک قرآن و سنت کی نصوص کا ایک مقام ہے وہ قرآن کو سنت یا سنت کو قرآن پر مقدم نہیں کرتے جب تک احادیث صحیح ہوں وہ انہیں اور قرآن کو ایک ہی مرتبہ پر سمجھتے ہیں امام احمدؒ کے نزدیک سنت قرآن کے لیے بیان ہے جب ظاہر قرآن سنت کے خلاف ہو تو امام احمدؒ سنت کو رد نہیں کرتے اور اسی طرح بیان احکام نصوص قرآن کو نصوص سنت پر مقدم نہیں کرتے اگرچہ نصوص قرآن اس اعتبار سے نصوص سنت پر مقدم ہیں کہ سنت کی حجیت قرآن سے ثابت ہے۔

امام احمدؒ یہ فرض نہیں کرتے کہ ظاہر قران کا سنت سے تعارض ہو جائے کیونکہ ظاہر قرآن کو سنت پر حمل کیا جائے گا سنت قرآن کو بیان کرنے والی ہے امام احمدؒ ابن حنبل نے ان لوگوں کی رد میں کتاب لکھی جو ظاہر قرآن کو لے لیتے ہیں اور سنت کو ترک کر دیتے ہیں۔[۳]

سنت میں سے جو قرآن سے زائد ہے وہ نبی کریم ﷺ کی تشریع ہے۔ اس کی اطاعت فرض ہے اس کی معصیت جائز نہیں ہے ایسا کرنا سنت کو قرآن پر مقدم کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا جو حکم دیا ہے اسے بجالانا ہے اگر نبی کریم ﷺ کی قرآن سے زائد سنت کی اطاعت نہ کی جائے تو آپؐ کی اطاعت کا کوئی معنی نہیں رہے گا اور آپؐ کی مخصوص اطاعت کا جو حکم دیا گیا ہے وہ ساقط ہو جائے گا۔[۴]

امام شاطبی نے لکھا ہے کہ سنت کتاب کی قضاوت کرنے والی ہے کتاب سنت کی قضاوت نہیں کرتی کیونکہ قرآن میں دو یا دو سے زیادہ امور کا احتمال ہوتا ہے جبکہ سنت کسی ایک کا تعین کرتی ہے پس سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا مقتضی قرآن کو چھوڑ دیا جائے گا ،سنت قرآنی مطلق کی تقیید کرتی ہے اس کے عام کو خاص کرتی ہے سنت قرآن کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا دیتی ہے جیسے قرآن ہر چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے جبکہ سنت نے اسے نصاب سے مخصوص کیا ہے جیسے قرآن نے بظاہر تمام اموال سے زکوۃ کا حکم دیا ہے جبکہ سنت نے اسے مخصوص اموال تک محدود کیا ہے ایسی بہت ساری مثالیں ہیں جہاں ظاہر کتاب کو ترک کر کے سنت کو مقدم کیا گیا ہے اسی لیے قرآن سے استنباط کرتے ہوئے سنت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے کیونکہ سنت قرآن کی متمم اور مبین ہے۔[۵]

امام احمدؒ بن حنبل یہ سمجھتے ہیں کہ سنت قرآن کریم کی بیان کرنے والی ہے آپ مقام عمل میں قرآن و سنت میں فرق نہیں کرتے اسی وجہ سے جب ابن قیم نے اجمالی طور پر ان اصول کو ذکر کیا جن پر امام صاحب کے فتاوی کی بنیاد ہے تو اصل اول میں نصوص کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے جب نص موجود ہو گی تو اس کے مطابق فتوی دیا جائے گا اور جو بھی اس کی مخالفت کرے گا اس کی پرواہ نہیں کی جائے گی نص سے مراد قرآن و سنت ہیں۔[۶]

۱۔ الشافعی،الرسالۃ،ص:۶

۲۔ ابوزہرہ،اصول الفقہ،ص:۱۰۵

۳۔ الترکی،اصول مذہب الامام احمد،ص:۱۰۵

۴۔ ابن القیم،اعلام الموقعین،ص:۲/ ۳۰۹الترکی،اصول مذہب الامام احمد،ص:۲۲۷

۵۔ الترکی،اصول مذہب الامام احمد،ص:۲۳۵-۲۶

۶۔ ایضاً،ص:۲۴۱

بازگشت بھی سنت کی طرف ہی ہوتی ہے۔(۱)

شاطبی کہتے ہیں کہ سنت صحابہ وہ سنت ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے اور اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔(۲)

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

سنت کی حجیت پر آراء درج ذیل کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا۔

۱۔ سنت پیغمبر ﷺ کی حجیت ۲۔ سنت صحابہ کی حجیت ۳۔ سنت اہلبیت کی حجیت۔

۱۔ سنت کی پہلی قسم پر تمام مسلمان مسالک کا اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت حجت ہے۔

۲۔ سنت صحابہ کو فقہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی میں حجت سمجھا جاتا ہے۔

۳۔ اہلبیت کی سنت کو فقہ جعفری میں حجت سمجھا جاتا ہے۔

اس تمام بحث کے بعد یہ کہنا مناسب ہو گا کہ تمام علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ سنت حجت ہے یہ شریعت کا ایک بنیادی ماخذ ہے اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے تمام فقہی مسالک نور سنت سے منور ہونا چاہتے اور ان کی کوشش یہ ہے کہ ان کی زندگی سنت رسول ﷺ کے مطابق گذرے سنت صحابہ اور سنت اہلبیت میں دو رائے سامنے آتی ہیں مگر یہاں بھی تمام مسالک کی کوشش یہ ہے کہ سنت رسول ﷺ کے مطابق عمل کیا جائے ایک گروہ کی رائے میں صحابہ کرام کی رائے سے سنت نبوی کا پتہ چلتا ہے اس لیے انہوں نے اسے حجت قرار دیا ہے اور دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ اہلبیت کے ذریعے سنت نبوی ﷺ کا پتہ چلتا ہے اس لیے ان کے نزدیک اہلبیت کی سنت حجت ہے دونوں سنت نبی ﷺ کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ نملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۲/ ۲۹۴

۲۔ بحر العلوم، اجتہاد اصولہ و احکامہ، ص:۷۰

مبحث اول: صحاح ستہ

مبحث دوم: کتب اربعہ

کرتے ہیں ان کا تعارف انتہائی ضروری ہے تاکہ ان منابع کا علم ہو سکے جن سے تمام مسالک سنت نبویؐ کا علم حاصل کرتے ہیں۔

مبحث اول: صحاح ستہ

ا۔ الجامع الصحیح

محمد بن اسمعیل البخاری کی ولادت ۱۹۴ھ میں بخارا میں ہوئی اسی نسبت سے آپ کو بخاری کہا جاتا ہے اور آپ کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی بخاری شریف کا پورا نام "الجامع الصحیح المسند المختصر من حدیث رسول اللهﷺ و امورہ "ہے۔ امام بخاری کے شیوخ قتیبہ بن سعد، یحیی بن معین، مکی بن ابراہیم امام احمدؒ بن حنبل، علی بن المدینی اور اسحق بن راہویہ شامل ہیں۔ امام بخاری نے بخاری شریف کی ترتیب میں سولہ سال کا عرصہ صرف کیا آپ نے اس کے تصنیف کے لیے عالم اسلام کے مختلف ممالک کا سفر کیا آپ جہاں جاتے آپ کا بھرپور استقبال کیا جاتا تھا۔

امام بخاری نے صحیح احادیث جمع کرنے کی یہ عظیم الشان کاوش اس لیے کہ اس سے پہلے جتنی کتابیں موجود تھیں ان میں صحیح وضعیف ہر طرح کی احادیث تھیں اسے لیے امام بخاری نے صرف صحیح احادیث کو جمع کرنے کی کوشش شروع کی۔ (۱)

امام ابن خزیمہ کہتے ہیں میں نے آسمان کی چھت کے نیچے بخاری سے بڑا کوئی حدیث جاننے والا اور حدیث حفظ کرنا والا کوئی نہیں دیکھا جب امام بخاری نے صحیح بخاری تالیف کی تو اسے علی بن المدینی، یحیی بن معین اور امام احمد بن حنبل کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے امتحان لیا اور سب نے کہا یہ کتاب سوائے چار حدیثوں کے ٹھیک ہے اسی طرح عبد اللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میرے والد کہا کرتے تھے حفظ حدیث چار لوگوں پر ختم ہو گیا ان میں سے ایک امام بخاری ہیں۔ (۲)

دور حاضر کے مشہور محقق ڈاکٹر محمود غازی کہتے ہیں امام بخاری کی کتاب جو صحت کے اعتبار سے سب سے اونچی ہے اور تفقہ کے اعتبار سے بڑی نمایاں ہے وہ سب سے مقبول قرار پائی ہے امام بخاری نے علم حدیث اور اس سے کیسے تفقہ پیدا کیا جائے اسے بخاری میں جمع کر دیا ہے۔ (۳)

امام بخاری کی اس کتاب کو شہرت عامہ اور مقبولیت خاصہ حاصل ہوئی امام بخاری نے بخاری شریف لکھنے کا آغاز مسجد نبوی سے کیا روضہ رسولﷺ پر حاضری دی دو رکعت نماز ادا کی امام بخاری نے جتنی احادیث جمع کیں سب کی سب صحیح ہیں اکثر احادیث مستفیض درجے کی ہیں بخاری شریف کی کچھ احادیث عزیز ہیں۔ بہت کم احادیث آحاد ہیں۔

صحیح بخاری میں مکررات کو ملا کر کل احادیث کی تعداد نو ہزار آٹھ سو بیاسی بنتی ہے مکررات کو نکال کر چار ہزار دو سو احادیث رہ جاتی ہیں۔ (۴)

۱۔ ابو زاھو، محمد محمد، الحدیث و المحدثون، المکتبہ التوفیقیہ، قاہرہ س ن، ص: ۳۷۳

۲۔ عسقلانی، ابی الفضل احمد بن علی بن الحجر، تھذیب التھذیب، ط/ا، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد ۱۳۲۶ھ، ص: ۹/ ۵۱-۵۴

۳۔ غازی، محمود احمد، تاریخ تدوین حدیث اور صحاح ستہ کا مقام، ط/ا، جامعہ امدادیہ، فیصل آباد، ۲۰۰۸ء، ص: ۳۴

۴۔ ابن خلدون، مقدمہ، ص: ۲۷۹

عادل ہیں اور ان کا خود روایت سننا ثابت ہو صحیح بخاری پہلی کتاب ہے جو ان دقیق شرائط کے ساتھ لکھی گئی اس میں ضعیف اور حسن احادیث نہیں ہیں سب کی سب احادیث صحیح ہیں۔[۱]

بخاری شریف کی دو سو سے زیادہ شروح لکھی گئی ہیں یہ شرحیں عربی، فارسی، اردو، انگریزی، ترکی اور فرانسیسی زبان میں لکھی گئی ہیں اور ان میں سے بیشتر کو میں دیکھا ہے ان سب شروح میں جسے آپ سب سے بہترین شرح قرار دے سکتے ہیں وہ امام حافظ ابن حجر کی فتح الباری ہے ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب لکھتے ہیں کہ کسی بھی شرح میں جو چیزیں ہونی چاہیں وہ اس میں موجود ہیں انہوں نے یہ شرح لکھ کر حق ادا کر دیا ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ جامعہ ازہر کے دو اساتذہ حافظ ابن حجر اور حافظ بدر الدین عینی نے بخاری کی جو شروح لکھی دونوں بے مثال ہیں اور اتفاق کی بات ہے یہ دونوں ایک ہی وقت جامعہ ازہر کے استاتذہ تھے۔[۲]

امام ابن خلدون جو امام ابن حجر سے نصف صدی پہلے گذرے ہیں انہوں نے جس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ صحیح بخاری کی شروح تو ہیں مگر اس کا حق کسی نے ادا نہیں کیا۔[۳]

علامہ ابن خلدون کی یہ خواہش بھی ابن حجر نے پوری کر دی ہے فتح الباری فی شرح البخاری کے نام سے ان کی لکھی ہوئی شرح سب سے بہتر ہے۔[۴]

بخاری شریف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ کوئی بھی مفتی جب کسی مسئلہ کے لیے کوشش کرتا ہے تو حدیث میں اس کی کوشش ہوتی ہے کہ بخاری شریف کی طرف رجوع کرے جب بخاری سے کوئی حدیث مل جاتی ہے تو اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۲۔ صحیح مسلم

اسے ابو الحسن مسلم بن حجاج نیشاپوری نے تالیف فرمایا آپ ایران کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے نیشاپور علما کا مرکز تھا اس شہر کو اسلامی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہے آپ نے تحصیل علم کے لیے حجاز، عراق، مصر اور بلاد اسلامی کے دیگر کی علاقوں کا سفر کیا آپ کے اساتذہ میں محمد بن اسماعیل بخاری، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ اور احمد بن یونس جیسے بڑے محدثین شامل ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں امام ترمذی، احمد بن مسلمہ، ابن خزیمہ، صالح بن محمد، ابو حاتم رازی اور محمد بن مخلد دوری جیسے محدثین ہیں

امام مسلم کی تالیفات میں المسند الکبیر، طبقات طابعین، اولاد الصحابہ اور مشایخ مالک وغیرہ شامل ہیں ذھبی نے آپ کو امام کبیر، حافظ اور صادق کے القابات سے یاد کیا ہے۔[۵]

آپ نے بھی امام بخاری کی طرح صحیح احادیث کو جمع کیا آپ نے صرف ان احادیث کو جمع کیا جن پر علما کا اتفاق تھا مسلم شریف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ امام مسلم مختلف ابواب میں احادیث مکرر نہیں لائے مسلم شریف میں ۵۴

۱۔ ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل بن عمر الدمشقی، جامع المسانید و السنن الھادی لاقوم سنن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع ثانیہ ۲۰۰۲ء، ص:۵۶

۲۔ غازی، محمود احمد، محاضرات حدیث، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور ۲۰۱۲ء اشاعت ہفتم، ص:۳۸۶-۳۹۱

۳۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، ص:۲۸۰

۴۔ ابو شھبہ، محمد محمد، فی رحاب السنۃ الکتب الصحاح الستۃ، سلسلۃ البحوث الاسلامیہ، قاہرۃ، ۱۹۹۵ء، ص:۹۵

۵۔ ذہبی، سیر اعلام البلاء، ص:۱۰/۳۱۷

ابن خلدون نے لکھ لکھا ہے کہ اس کا بہت فائدہ ہوا اس سے ایک ہی باب میں ایک حدیث کے مختلف طرق جمع ہو گئے ہیں بخاری شریف میں جو طرق بکھرے ہوئے ہیں مسلم شریف میں انہیں ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے ابن خلدون مسلم کا مقام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلم کی طرف علمائے مغرب نے بڑی توجہ دی ہے وہ اس پر ٹوٹ پڑتے۔ (۲)

ابن کثیر کہتے ہیں سب سے پہلے جس نے صرف صحیح احادیث کو جمع کیا وہ محمد بن اسماعیل ہیں اور اس کے بعد ان کی پیروی مسلم بن الحجاج نیشاپوری نے کی جس نے صرف صحیح احادیث پر مبنی کتاب لکھی۔ (۳)

ابن حجر کہتے ہیں صحیح مسلم کو مسلم امت میں عظیم مقام حاصل ہوا جو اس طرح کی دوسری کتاب کو حاصل نہ ہو سکا بعض لوگ مسلم کو بخاری سے بہتر خیال کرتے ہیں کیونکہ اس میں بہتر انداز میں طرق کو جمع کیا گیا ہے سیاق کا بڑی خوبصورتی سے خیال رکھا گیا ہے حدیث کے الفاظ کو خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ (۴)

۳۔ سنن ابی داود

سنن ابی داود حدیث کی بنیادی کتب میں سے ہے اس میں ہر طرح کی احادیث ہیں یعنی صحیح، حسن اور ضعیف تمام طرح کی احادیث ہیں اس حوالے سے یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے مختلف ہے یہ ایک طرح سے زیادہ دقیق کام ہے کہ اس میں ہر طرح کی احادیث ہیں جن کو ان کی اسناد کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔

اسے سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن الازدی السجستانی نے مرتب کیا آپ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے آپ کو بچپن سے ہی علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا علما سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے آپ کو سفر کرنے کا بہت شوق تھا آپ کے اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، مسلم بن ابراھیم، عبد اللہ بن رجاء، ابو الولید الطیالسی شامل ہیں۔ (۵)

ان افراد میں سے ہیں جنہوں نے عراقیوں، شامیوں خراسانیوں، مصریوں اور حجازیوں سے نقل حدیث کی ہے امام مزی نے آپ کی شیوخ کی ایک طویل فہرست ذکر کی ہے امام ابو داود بصرہ میں رہتے تھے کئی بار بغداد آئے انہوں نے اپنی کتاب السنن کو امام احمدؒ کے سامنے پیش کیا امام احمدؒ بن حنبل نے اس کی تعریف کی۔

علامہ مزی نے تہذیب الکمال میں لکھا ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے منقول پانچ لاکھ احادیث لکھیں اور پھر ان پانچ لاکھ میں سے انتخاب کر وہ احادیث لکھیں جو اب سنن میں موجود ہیں ان کی تعداد چار ہزار آٹھ سو احادیث ہے میں ان میں صرف صحیح احادیث لکھی ہیں کسی بھی انسان کے لیے ان تمام میں سے چار احادیث کافی ہیں۔

۱۔ الاعمال بالنیات

۲۔ من حسن الاسلام المرء ترکہ من لایعنیہ

۳۔ لایکون المؤمن مؤمنا حتی یرضی لاخیہ مایرضی لنفسہ

۱۔ ضمیری، کتاب شناسی، ص:۳۸۸

۲۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، ص:۲۸۰

۳۔ ابن کثیر، جامع المسانید، ص:۵۹ الحسنی، ہاشم معروف، دراسات فی الکافی للکلینی، ط/۱، مطبع صور الحدیثہ، بیروت، ۱۹۶۸ء، ص:۱۰۹

۴۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، ص:۱۰/ ۱۱۴

۵۔ ابوشہبہ، فی رحاب السنۃ، ص:۱۳۰

کے لیے ایک مصحف کی صورت اختیار کر گئی وہ اس کی پیروی کرتے تھے اور اس کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔(۲)

اس کتاب میں صرف صحیح احادیث کو جمع نہیں کیا بلکہ صحیح، حسن، ضعیف اور محتمل احادیث کو بھی جمع کیا ہے جن کے ترک کرنے پر علما جمع نہیں ہوئے تھے ان تمام کو جمع کیا ہے البتہ جو احادیث شدید ضعیف تھیں ان کو بیان بھی کر دیا ہے اور ان پر تنبیہ بھی کر دی ہے۔(۳)

ابو بکر الخلال کہتے ہیں کہ ابو داود اپنے زمانے کے امام تھے تخریج علوم کی معرفت میں آپ سے پہل کسی نے نہیں کی صاحب تقوی آدمی تھے محمد بن مخلد کہتے ہیں کہ جب آپ نے کتاب السنن لکھی اور لوگوں کو پڑھ کر سنائی تو آپ کی کتاب اصحاب حدیث کے لیے ایک مصحف کی صورت اختیار کر گئی جس کی وہ اتباع کرتے تھے اس کی مخالفت نہیں کرتے تھے موسی بن ہارون کہتے ہیں کہ ابو داود حدیث اور آخرت کے لیے پیدا ہوئے امام ابن حاتم نے آپ کو فقہ اور حفظ کا امام قرار دیا ہے۔(۴)

آپ کے شاگردوں کی تعداد کافی زیادہ ہے جن میں مشہور ابو عیسی ترمذی، ابو عبد الرحمن نسائی، ابو بکر بن ابی داوود۔(۵)

آپ نے پوری زندگی علم کی خدمت کی احادیث کو جمع کیا ان کو نشر کیا آپ کا انتقال ۲۷۶ھ میں ہوا۔(۶)

۴۔ جامع الترمذی

جامع ترمذی حدیث کی انتہائی معتبر اور بنیادی کتاب ہے علما نے اسے صحیحین کے بعد تیسری معتبر ترین کتاب بھی کہا ہے۔

جامع ترمذی کا نام امام حافظ ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورۃ بن موسی بن الضحاک السلمی الترمذی ہے امام ترمذی کے نام سے معروف ہیں کا شمار مشہور محدثین میں ہوتا ہے آپ کی کتب بہت مشہور ہوئیں آپ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے آپ کو بچپن ہی سے علم اور اور حدیث کا شوق تھا۔(۷)

آپ نے مختلف اسلامی شہروں کے سفر کیے خراسان، عراق اور حجاز کے محدثین سے احادیث سنیں امام ترمذی ان ائمہ حدیث میں سے ہیں جن کی علم حدیث میں پیروی کی جاتی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں میں مسند الصحیح کو لکھا اور پھر اسے علمائے عراق، حجاز اور خراسان کو پیش کیا سب اس سے راضی ہوئے۔(۸)

۱۔ مزی، حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف، تحقیق الدکتور بشار عواد معروف، تہذیب الکمال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع الثانیہ ۱۹۸۷ء، ص:۱۱/۳۶۴

۲۔ ابن کثیر، جامع المسانید، ص:۶۹

۳۔ ابو شھبہ، فی رحاب السنۃ، ص:۱۳۷، ابن کثیر، جامع المسانید، ص:۶۹

۴۔ المزی، تہذیب الکمال، ص:۷/۳۶۵

۵۔ ابو شھبہ، فی رحاب السنۃ، ص:۱۳۰

۶۔ ایضاً، ص:۱۳۵

۷۔ ابو شھبہ، فی رحاب السنۃ، ص:۱۴۵

۸۔ ضمیری، کتابشناسی، ص:۳۹۴

میں یہ کہا تھا میں نے تم سے جتنا فائدہ تم سے اٹھایا ہے اتنا فائدہ تم نے مجھ سے نہیں اٹھایا۔[۱]

آپ کے اساتذہ میں امام بخاری، امام مسلم، ابو داود اور اسحق بن موسی شامل ہیں۔[۲]

ترمذی صحاح ستہ میں تیسری کتاب ہے ابو العلی محمد عبد الرحمن مبارک پوری کہتے ہیں جامع ترمذی کا فائدہ ابی داود اور نسائی دونوں سے زیادہ ہے اس میں ان دونوں کتابوں کے فائدے موجود ہیں نور الدین عتر کہتے ہیں کہ انصاف یہ ہے کہ ترمذی کا رتبہ صحاح ستہ میں تیسرے سے کم نہیں ہے یہ صحیحین کے بعد رتبے کے لحاظ سے تیسری معتبر کتاب ہے شیخ الاسلام عبد اللہ بن محمد انصاری کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ترمذی بخاری اور مسلم سے زیادہ فائدہ مند ہے کیونکہ بخاری اور مسلم علما کے لیے ہیں اور ترمذی علما کے ساتھ ساتھ عوام کے لیے بھی ہے ابن اثیر کہتے ہیں ترمذی بہترین کتاب ہے اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں اس کی ترتیب بہترین ہے اس تکرار کم ہے اس میں مذاہب اور ان کے طریقہ استدلال پر کم بات کی گئی ہے اس میں سند حدیث کی انواع صحیح، حسن اور غیریب کو بیان کیا گیا ہے حافظ ابو بکر ابن العربی المعافری کہتے ہیں کہ ترمذی عمل کے نزدیک ہے اس سند بیان ہوئی ہے صحیح و سقیم کو بیان کیا گیا ہے اس میں طرق حدیث بہت اچھے انداز میں بیان ہوئے ہیں اس میں جرح کی گئی ہے اسما اور کنیتوں کو بیان کیا گیا ہے علما کے درمیان حدیث کو قبول ورد کے اختلاف کو ذکر کیا ہے۔[۳]

ابن کثیر کہتے ہیں کہ امام ترمذی نے احادیث کو لینے میں امام ابو داود کے منہج کو اختیار کیا ہے وہ ائمہ اور فقہا سے احادیث لیتے ہیں ابو داود نے صرف احکام کی احادیث جمع کی تھیں مگر امام ترمذی نے صرف احکام پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امام بخاری کی طرح تمام ابواب میں احادیث جمع کیں بلکہ اس میں یہ اضافہ بھی کیا کہ اس میں صحابہ، تابعین مختلف شہروں کے فقہا کے مذاہب کو بھی بیان کر دیا ہے۔[۴]

آپ نے اس میں صحیح، حسن، ضعیف اور معلل احادیث کو لکھا ہے مگر جہاں بھی معلل حدیث بیان کی ہے وہاں پر تعلیل بھی بیان کر دی ہے آپ نے ایسی کوئی حدیث بیان نہیں کی جس پر فقہا عمل نہ کرتے ہوں اور اس کو بطور دلیل نہ لاتے ہوں یہ بہت وسیع شرط ہے اسی لیے کہا جاتا ہے اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔[۵]

محقق ضمیری کی تحقیق کے مطابق اس کے مجموعی طور پر آٹھ کلی عنوانات ہیں ۱۔ عقائد ۲۔ احکام ۳۔ دقائق ۴۔ آداب ۵۔ تفسیر ۶۔ تاریخ و سیر ۷۔ فتن و ملاحم ۸۔ مناقب اس طرح امام بخاری نے ان آٹھ عنوانات کے تحت احادیث کو جمع کیا ہے ایک حدیث کئی ابواب میں آ گئی ہے۔[۶]

۵۔ سنن نسائی

۱۔ عسقلانی، تہذیب التہذیب، ص:۹/ ۳۸۷-۳۸۹

۲۔ ابو شہبہ، فی رحاب السنۃ، ص:۱۴۶

۳۔ الصقلی، محمد بن عبد الرحمن، جامع الترمذی فی الدراسات المغربیۃ روایۃ و درایۃ، ط/۱، دار الصمیعی للنشر والتوزیع، ریاض، ۲۰۰۸ء، ص:۵۰،۴۹

۴۔ ابن کثیر، جامع المسانید، ص:۲۷

۵۔ ابو شہبہ، فی رحاب السنۃ، ص:۱۵۳

۶۔ ضمیری، کتاب شناسی، ص:۳۸۶

دقت سے مرتب کیا اس میں فقط صحیح احادیث کو جمع کیا۔

اسے امام حافظ شیخ الاسلام ابو عبد الرحمن احمد بن علی بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر الخراسانی نے مرتب کیا آپ ۲۱۵ھ کو پیدا ہوئے آپ نے بچپن میں ہی قرآن کو حفظ کیا اور اپنے شہر کے علما سے علم حاصل کیا صرف پندرہ سال کی عمر میں آپ نے تحصیل علم کے لیے حجاز کا سفر اختیار کیا آپ عراق، شام، مصر اور جزیرہ میں بھی گئے آپ نے یہاں کے علما کو سنا یہاں تک کہ آپ کے علم حدیث کی شہرت ہو گئی۔(۱)

امام نسائی نے جب کتاب السنن الکبری تالیف کی تو اسے امیر رملہ کو ھدیہ کیا اس نے آپ سے پوچھا کیا اس میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں اس میں تمام احادیث ٹھیک نہیں ہیں بلکہ اس میں صحیح، حسن اور جو ان دونوں کے قریب کی احادیث ہیں وہ سب شامل ہیں اس پر شاہ نے کہا کہ میرے لیے صحیح احادیث کو الگ کر دیں اس پر آپ نے سنن صغری لکھی جس کا نام المجتبی من السنن رکھا اسے فقہ کے ابوب کی ترتیب سے لکھا گیا ہے آپ نے سنن صغری کی تالیف میں بہت دقت کی ہے اسی لیے بعض علما کہتے ہیں کہ سنن صغری کا مرتبہ صحیحین کے بعد بنتا ہے کیونکہ اس میں صحیحین کے بعد سب سے کم ضعیف احادیث ہیں۔(۲)

علما کی تحقیق یہ ہے کہ سنن نسائی صغری میں تمام کی تمام احادیث کو صحیح کہنا تساہل ہے اور یہ قول دقت کے خلاف ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی اکثر احادیث صحیح ہیں شائد جنھوں یہ کہا ہے کہ سب صحیح ہیں ان کی اس سے مراد یہ ہو کہ غالب اکثریت صحیح احادیث پر مشتمل ہے۔(۳)

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حافظ ابن طاہر سے سعد بن علی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ ثقہ ہے سوال کرنے والے نے کہا مگر امام نسائی نے اس کو ضعیف کہا ہے اس پر ابن طاہر نے کہا اے بیٹے امام نسائی کی رجال میں شرائط امام بخاری سے بھی سخت ہیں۔(۴)

سنن نسائی کی کی بہت سی شروح لکھی گئی ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں

۱۔زھر الربی علی المجتبی اسی جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے یہ ایک لطیف شرح ہے اس میں راویوں کے اسما، مشکل الفاظ کے معانی کی شرح کی گئی ہے اس میں بعض احکام اور آداب کا ذکر کیا گیا جو احادیث میں آئے ہیں یہ مختصر ہونے کے باوجود مفید ہے۔

۲۔ سنن نسائی کی ایک شرح علامہ ابی الحسن محمد بن عبد الھادی الحنفی نے جو سندھی کے نام سے معروف ہیں لکھی ہے آپ ۱۱۳۸ھ میں مدینہ منورہ میں تشریف لائے وہ اس شرح کے مقدمے میں لکھتے ہیں یہ سنن نسائی پر ایک تعلیق ہے اس میں ان چیزوں کو حل کیا گیا ہے جن کی پڑھنے والے کو ضرورت ہوتی ہے لغت کو بیان کیا ہے اعراب اور مشکل الفاظ کو بیان کیا ہے یہ ہند اور مصر سے چھپ چکی ہے۔(۵)

۶۔ سنن ابن ماجہ

اسے امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ ربعی قزوینی نے تالیف کیا آپ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے آپ کو بچپن ہی سے علم سے محبت تھی۔ آپ نے حدیث جمع کرنے کے لیے بہت سفر کئے عراق، حجاز، کوفہ، بصرہ، شام اور مصر گئے آپ

۱۔ ضمیری، کتاب شناسی، ص:۳۹۷ ابو شھبہ، فی رحاب السنة، ص:۱۵۸۔۱۶۰

۲۔ ابو شھبہ، فی رحاب السنة، ص:۱۶۵

۳۔ ایضاً، ص:۱۶۶

۴۔ ابن کثیر، جامع المسانید، ص:۶۷

۵۔ ابو شھبہ، فی رحاب السنة، ص:۱۶۸

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ سنن ابن ماجہ کو حافظ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی نے تالیف فرمایا ہے آپ نے مصر ،خراسان، عراق، شام اور دوسرے کئی بلاد اسلامی کا سفر کیا اور وہاں کے شیخوخ سے علم حدیث حاصل کیا آپ حدیث کے بہت بڑے عالم تھے آپ نے حدیث تاریخ اور تفسیر میں کئی مصفات چھوڑیں حدیث میں آپ کی کتاب مشہور اور معتبر ہے خلیلی آپ کے بارے میں کہتے ہیں آپ ثقہ بزرگ ہیں آپ کی حدیث تسلیم کی جائے گی اس پر سب کا اتفاق ہے۔(۲)

ابو یعلی القزوینی کہتے ہیں کہ ابن ماجہ بہت بڑے ثقہ ہیں ان کی احادیث قابل استدلال ہیں آپ حدیث کی معرفت رکھتے تھے اور حافظ حدیث تھے حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ابن ماجہ جنہوں سنن لکھی یہ کتاب آپ کے علم اور عمل کو بتاتی ہے اور آپ کی سنت کی پیروی کا پتہ دیتی ہے۔(۳)

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ کی کتاب کی بائیس ذیلی کتابیں ہیں پندرہ سو ابواب ہیں چار ہزار احادیث ہیں سوائے تھوڑی سی احادیث کے تمام کی تمام اچھے درجے کی ہیں ابن صلاح کہتے ہیں کہ یہ ایک مفید کتاب ہے فقہ میں اس کی ابواب بندی بہت اعلی ہے۔(۴)

سنن ابن ماجہ میں صحیح، حسن، ضعیف بلکہ منکر اور موضوع احادیث بھی موجود ہیں اگرچہ موضوعات کی تعداد کم ہے سنن ابن ماجہ دوسری کتب حدیث سے مختلف ہے کیونکہ اس میں احادیث ضعیفہ کثرت سے موجود ہیں یہاں تک کہ حافظ مزی نے کہا ہے کہ تمام احادیث جن میں ابن ماجہ منفرد ہیں یعنی یہ احادیث صحاح ستہ میں سے فقط اسی میں آئی ہیں وہ تمام احادیث ضعیف ہیں حافظ مزی کی بات درست نہیں ہے کیونکہ ایسی بہت سی احادیث ہیں جو صرف سنن ابن ماجہ میں ہی آئی ہیں مگر وہ صحیح ہیں حافظ شہاب الدین نے مصباح الزجاجہ فی زوائد ابن ماجہ کے نام سے کتاب لکھی اس میں ان تمام روایات کو جمع کر دیا ہے جو باقی پانچ کتابوں میں نہیں ہیں اور اس کے ساتھ ان روایات کی سندی حیثیت کو بھی بیان کر دیا ہے کہ یہ صحیح ہیں حسن ہیں ضعیف ہیں یا موضوع ہیں۔(۵)

مبحث دوم: کتب اربعہ

فقہ جعفری میں حدیث کی چار بنیادی کتب ہیں جنہیں کتب اربعہ کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی کتبِ حدیث لکھی گئی ہیں مگر جو شہرت اور قبولیت انہیں حاصل ہوئی وہ کسی دوسری کتاب کو حاصل نہ ہو سکی۔ ان چار میں الکافی سب سے مقدم ہے ہم بالترتیب ان چار کا تعارف کرائیں گے۔

۱۔ الکافی

یہ کتب اربعہ میں معتبر ترین کتاب سمجھی جاتی ہے اہل بیت رسول ﷺ کی مرویات کی حامل اس جیسی اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اسے ثقہ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحق الکلینی متوفی ۳۲۷ھ نے تالیف کیا یہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے دین اور حدیث میں ثقہ تھے امام بغوی نے انہیں امامیہ کا چوتھی صدی کا مجدد اور ابن حجر نے بزرگ فقہاء اور محدثین میں شمار کیا ہے[۶] آپ نے اپنے دور کے مشہور محدثین سے کسب فیض کیا تھا حدیث میں آپ کے

۱۔ابن کثیر، جامع المسانید، ص: ۷۴، ابوشھبہ، فی رحاب السنۃ، ص: ۱۷۱

۲۔ عسقلانی، تہذیب التہذیب، ص: ۹/ ۵۳۱

۳۔ ابوشھبہ، فی رحاب السنۃ، ص: ۱۷۳

۴۔ ابن کثیر، جامع المسانید، ص: ۷۶

۵۔ ابوشھبہ، فی رحاب السنۃ، ص: ۱۷۶-۱۷۷

۶۔ الحسنی، دراسات فی الکافی، ص: ۱۲۰

کتاب کافی احادیث کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہے اس میں اصول اور فروع دونوں موضوعات پر احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور اہلبیت کی رویات پر مبنی یہ بہت بڑا مجموعہ ہے بالخصوص اس میں موضوعات کے اعتبار سے بہت اعلی ابواب بندی کی گئی ہے (۱)

کافی کی تالیف کی وجہ علماء نے لکھا ہے کہ کافی اس شخص کے اظہار تمنا کرنے پر تحریر کی گئی جس نے ثقۃ الاسلام کلینی سے تقاضا کیا کہ کوئی ایسی کتاب ہونی چاہیے جو دین کے تمام فنون کو شامل ہو اور متعلم کے لیے کافی ہو لوگ اس کی طرف رجوع کریں اور اس سے علم دین حاصل کریں اس کے ذریعے دین خدا اور سنت نبی ﷺ پر عمل کریں علامہ کلینی نے اس پر کافی کو جمع کیا جس کی ضرورت محدث، فقیہ، متکلم، واعظ، مجادل متعلم غرض ہر کسی کو تھی۔ (۲)

علامہ کلینی نے نے روایات کو اکٹھا کرنے کے لیے شہروں، قصبوں حتی دیہات کے سفر کیے اور جہاں سے آپ کو احادیث ملیں آپ نے بڑی دقت کے ساتھ ان کو جمع کیا ہے اس محنت اور دقت کے نتیجہ میں احادیث کا یہ قیمتی مجموعہ منظر عام پر آیا ہے شیخ مفید فرماتے ہیں کافی معتبر شیعہ کتابوں میں سے ہے اور اس میں بہت زیادہ فائدہ ہے علامہ کلینی نے ایک اہم کام یہ کیا ہے کہ معصوم تک تمام روایت کو سند کے ساتھ مکمل طور پر بیان کر دیا ہے۔ (۳)

کافی کی اصول پر دو، فروع پر چار جلدیں جبکہ روضہ کافی کے نام سے ایک جلد ہے اس میں تیس کتابیں اور تین سو چھبیس ابواب ہیں اس میں کل سولہ ہزار ایک سوننانوے احادیث ہیں۔

علمائے متاخرین نے سند کے اعتبار سے کافی کی احادیث کی یوں درجہ بندی کی ہے ۱۔ پانچ ہزار بہتر احادیث صحیح درجہ کی ہیں ۲۔ ایک سو چوالیس حسن درجہ کی ہیں ۳۔ ایک ہزار ایک سو اٹھارہ مؤثق درجہ کی ہیں ۴۔ نو ہزار چار سو پچاسی احادیث ضعیف ہیں۔ (۴)

معروف کتاب شناس محقق آقائے بزرگ تہرانی لکھتے ہیں کہ یہ ایک بے مثال کتاب ہے جسے ثقۃ الاسلام کلینی نے بیس سال کی مدت میں تالیف فرمایا۔ (۵)

شیخ مفید لکھتے ہیں کہ کافی کا مقام بہت اونچا ہے اور اس کتاب میں بہت زیادہ فائدے ہیں یہ کافی کی اہمیت کا اعتراف ہے (۶)

اس کے بعض حصوں کا اردو زبان میں ترجمہ بھی ہوا ہے نواب سید محمد حسین کانپوری نے کتاب العلم کا ترجمہ کیا مولا سید ظہور نے کتاب الکفر والایمان کا ترجمہ اور تشریح کی۔ (۷)

شیخ یوسف بحرانی نے کافی پر اپنی تحقیق میں لکھا ہے کہ کافی کی ۵۰۷۲ احادیث صحیح ہیں ۱۴۴ احادیث حسن ہیں ۱۱۱۸ موثق ہیں اور ۳۰۲ احادیث قوی ہیں (۸)

۱۔ القائینی، علم الاصول، ص:۷۶

۲۔ الحسنی، دراسات فی الکافی، ص:۱۲۴

۳۔ ضمیری، کتابشناسی، ص:۳۴۶

۴۔ نصیری، علی، علوم حدیث کا تعارف، ط/۱، جامعہ تعلیمات اسلامی، کراچی ۲۰۱۴ء، ص:۷۰

۵۔ تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج۱۷، ص:۱۷/۲۴۵

۶۔ القائینی، علم الاصول، ص:۷۶

۷۔ نقوی، حسین عارف، امامیہ مصنفین، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد طبع اولی ۱۹۹۷ء، ص:۱/۳۷

۸۔ سید محمد حسین جلالی، مذہب امامیہ میں منابع احادیث، تنظیم المکاتب، لکھنو سن، ص:۱۶

لکھنے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ جو علمی مراکز سے دور ہیں جن کی رسائی علما تک مشکل یا ناممکن ہے وہ اس کتاب کے ذریعے احکام شرعیہ کو آسانی سے حاصل کرلیں یہ کتاب ایک فقیہ کا کام دے۔

یہ کتب اربعہ کی دوسری کتاب ہے اسے ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسی بن بابویہ القمی المعروف شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ نے تالیف فرمایا۔ شیخ صدوق نے ابتدائی تعلیم اپنے والد جو خود بہت بڑے محدث تھے ان سے حاصل کی اس کے بعد آپ نے شیخ محمد بن حسن اور احمد بن ولید سے تعلیم حاصل کی اس کے علاوہ محمد بن علی بن ماجیلویہ ، محمد بن موسی بن متوکل اور احمد بن یحیی عطار جیسے مشاہیر علما سے کسب فیض کیا آپ تین سو کتابوں کے مصنف ہیں۔

آپ کی کتاب من لایحضرہ الفقیہ جسے فقیہ بھی کہا جاتا ہے یہ کافی کے بعد حدیث کی جامع ترین کتاب سمجھی جاتی ہے اس کتاب میں احکام سے متعلق روایات کو جمع کیا گیا ہے یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے اس میں مجموعی طور پر پانچ ہزار نو سو اٹھانوے احادیث ہیں اس کے ابواب کی تعداد چھ سو چھیاسٹھ ہے اس میں تین ہزار نو سو تنتالیس روایات سند کے ساتھ ہیں۔ دو ہزار پچپن روایات مرسل بیان ہوئی ہیں۔

اس میں روایات کو فقہی ابواب کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے مثلا پہلے باب میں پانی کے احکام، طہارت و نجاست پر رایات لائی ہیں اس کے بیت الخلا کے احکام پھر بالترتیب غسل، تیمم اور مردوں کے احکام بیان کیے گئے ہیں اس کے بعد احکام نماز کے ابواب ہیں۔ شیخ صدوق نے اس کتاب میں صرف ایسی روایات نقل کی ہیں جو ان کے فتاوی کے مطابق ہیں۔[1]

شیخ صدوق کہتے ہیں کہ مجھے بلخ کے ایک گاؤں میں ایک سید ملا جس نے مجھے بتایا کہ مشہور طبیب محمد بن زکریا الرازی نے طب کے موضوع پر من لایحضرہ الطبیب لکھی ہے آپ بھی کوئی فقہی احکام پر مشتمل ایسی کتاب لکھیں اور بہترین نام من لایحضرہ الفقیہ یعنی یہ کتاب اس شخص کے لیے نعمت ہے جو فقیہ کے پاس نہیں جا سکتا تجویز کیا۔

ان کے بارے میں نجاشی نے لکھا ہے یہ صاحب الرائے، شیخ اور فقیہ خراسان سے تعلق رکھتے تھے بغداد سے علم حاصل کیا ان کی کتب کی تعداد بہت زیادہ ہے کتاب التوحید، کتاب النبوۃ، کتاب المعرفہ فی فضل النبی ﷺ اور کتاب ابطال الغلو والتقصیر زیادہ مشہور ہیں۔[2]

شیخ صدوق نے اپنی کتاب میں آخری راوی کے علاوہ باقی اسناد کو حذف کیا ہے اور ان راویوں تک اپنی سند کو کتاب کے آخر میں "مشیخہ" کے عنوان سے بیان کیا ہے اس کی دو مشہور شرحیں ہیں ا روضۃ المتقین فی شرح اخبار الآئمۃ المعصومین ۲ لوامع صاحبقرانی اس کے علاوہ بھی اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

۳۔ تہذیب الاحکام

یہ بنیادی طور پر شیخ مفید کی مشہور فقہی کتاب المقنعہ پر ایک حاشیہ ہے اسے شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی جنہیں " شیخ الطائفہ " کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے نے تحریر کیا آپ ۳۸۵ھ میں خراسان کے شہر طوس میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم ایران میں حاصل کرنے کے بعد ۴۰۸ھ میں بغداد تشریف لے گئے بغداد عباسی حکومت کا دار الخلافہ تھا جس وقت شیخ طوسی بغداد پہنچے اس وقت بغداد علم و دانش کا مرکز تھا اور اس کے کتب خانے نادر کتابوں سے بھرے ہوئے تھے ہر مذہب و مکتب کے دانشوروں کی موجودگی نے اس شہر کی اہمیت اور ہی بڑھا دی بغداد میں آپ نے مشہور عالم، محدث شیخ

۱۔ نصیری، علوم حدیث کا تعارف، ص:۷۶

۲۔ النجاشی ،ابولعباس احمد بن علی بن احمد بن عباس الاسدی الکوفی ، رجال النجاشی ،مؤسسہ النشر الاسلامی ، قم ۱۴۲۴ھ طبع السابع، ص:۳۸۹

شیخ طوسی نے بغداد ہی میں اپنی مشہور کتب تحریر کیں جب بغداد کے حالات خراب ہوئے اور آپ کے کتب خانے اور گھر کو نذر آتش کر دیا گیا تو آپ نجف اشرف تشریف لائے اور یہیں مستقل سکومت اختیار کی اور وہاں ایک علمی مرکز کی بنیاد رکھی جو آج تک قائم ہے اور دنیائے اسلام کی علمی پیاس بجھانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

مشہور محقق علی نصیری لکھتے ہیں کہ شیخ طوسی کی کتابوں کے تنوع کو دیکھ کر آپ کی وسعت علمی کا اندازہ ہوتا ہے آپ کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد پچاس کے لگ بھگ ہے حدیث کے موضوع پر تہذیب اور استبصار جیسی شاہکار کتب تحریر کیں علم کلامت میں تلخیص الشافی اور المفصح و الغیبۃ تحریر کیں، علم تفسیر میں کئی جلدوں پر مشتمل کتاب التبیان لکھی جبکہ علم فقہ میں النہایہ، المبسوط اور الخلاف جیسی کتابیں لکھیں علم اصول الفقہ میں العدۃ تحریر کی جبکہ علم رجال میں الفہرست اور اختیار معرفۃ الرجال جیسی شاندار کتابیں تحریر فرمائیں۔[۱]

شیخ طوسی کے استاد شیخ مفید نے علم فقہ میں ایک کتاب المقنعہ کے نام سے تحریر فرمائی جس میں انہوں نے فقط اپنے فتاوی کو ذکر کیا اور ان فتاوی پر دلیلوں کو ذکر نہیں کیا لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ شیخ مفید نے بغیر دلیل کے فتوے دے دیے ہیں تو شیخ طوسی نے اپنے استاد کے فتاوی کے مستندات احادیث کو بیان کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی آپ نے اس میں ایک موضوع سے متعلق تمام روایات لا کر ان پر جرح کی ہے اور صحیح کو سقیم سے الگ کیا ہے۔[۲]

مشہور محقق صاحب الذریعہ محقق تہرانی کی تحقیق کے مطابق اس کتاب میں تین سو ترانوے ابواب ہیں جبکہ احادیث کی تعداد تیرہ ہزار پانچ سو نوے ہے۔[۳]

اس میں صرف نقل حدیث پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ مختلف جہات سے بحث بھی کی گئی ہے اس لحاظ سے یہ باقی تینوں بنیادی کتابوں سے زیادہ جامع ہے اس کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ ایک موضوع کے متعلق موافق و مخالف روایات ذکر کی ہیں صرف اپنے فتوی کے موافق احادیث پر ہی اکتفا نہیں کیا۔

۴۔ الاستبصار فیما اختلف من الاخبار

کتب اربعہ میں شامل اس کتاب کو بھی شیخ طوسی نے تالیف فرمایا اس میں شیخ طوسی نے ایک بنیادی مشکل کو حل کیا وہ مشکل یہ تھی کہ ایک ہی موضوع پر ایک ہی مسئلہ میں دو یا دو سے زیادہ احادیث موجود ہوتی ہیں جو آپس میں تعارض کر رہی ہوتی ہیں اس سے عام شخص کو جو سنت کے مطابق زندگی گزارنا چاہتا ہے اسے بہت پریشانی ہوتی تھی اس پریشانی کے حل کے طور پر انہوں نے یہ کتاب لکھی جس میں ان احادیث کا حل پیش کیا۔

بزرگ تہرانی کی تحقیق کے مطابق اس کے تین اجزاء ہیں دو جز احکام عبادت پر مشتمل ہیں جبکہ تیسرے جزء میں عقود، ایقاعات، حدود، دیات اور دیگر فقہی ابواب مذکور ہیں اس میں احادیث کی تعداد چھ ہزار پانچ سو اکتیس ہے اس کتاب کا خود مؤلف کے ہاتھ سے تحریر کردہ نسخہ آل کاشف الغطاء کے کتاب خانہ میں محفوظ ہے اس کتاب کی بہت زیادہ شروح لکھی گئی ہیں۔[۴]

کتاب استبصار کا شمار اہم ترین کتب حدیث میں ہوتا ہے کوئی بھی مجتہد جب کسی مسئلہ میں اجتہاد کر کے فتوی دینا چاہتا ہے تو وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرتا ہے شیخ طوسی نے کتاب استبصار کے شروع میں وہ احادیث جو صحیح اور معتبر

۱۔ نصیری، علوم حدیث کا تعارف، ص:۷۸

۲۔ ایضاً، ص:۷۸

۳۔ تہرانی، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج۴، ص:۴/ ۵۰۴

۴۔ ایضاً، ص:۲/ ۱۴

[illegible]
مشتمل ہے جس میں عقود، حدود اور دیات شامل ہیں۔[1]

اس کتاب کی معروف تشریحات جن علما نے لکھی ہیں ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ محمد امین بن محمد شریف استر بادی متوفی ۱۰۴۱ھ نے شرح لکھی۔

۲۔ مشہور فلسفی میر محمد باقر شمس الدین محمد الحسینی جو کہ میر داماد کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے بھی اس کی شرح لکھی۔

۳۔ عبد الرشید بن مولی نورالدین تستری متوفی ۱۰۸۷ھ نے بھی شرح لکھی۔[2]

۱۔ ضمیری، کتابشناسی، ص:۳۴۹

۲۔ طوسی، ابی جعفر محمد بن حسن، الاستبصار فیما اختلف من الاخبار، دار الکتب الاسلامیہ، تہران ۱۳۹۰ھ، ص:۱/ ۱۸

فصل چہارم: سنت کی اقسام

مبحث اول: خبر متواتر

مبحث دوم: خبر واحد

سند کے لحاظ سے سنت کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں ا۔ خبر متواتر ۲۔ خبر واحد سنت ہم تک انہی دو بنیادی ذرائع سے پہنچی ہے جب ہم خبر کی قسموں کی بات کرتے ہیں تو یہاں اور قسمیں بھی ہیں جن کا محدثین نے ذکر کیا ہے ا۔ خبر مستفیض ۲۔ خبر مشہور ہم سب سے پہلے ان دو اقسام کے بارے میں علمائے کرام کی آراء پیش کرتے ہیں۔

خبر مستفیض اور خبر مشہور

مشہور نے سند کے اعتبار سے حدیث کو خبر واحد اور خبر متواتر میں تقسیم کیا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خبر مشہور اور خبر مستفیض کس قسم میں داخل ہو گی؟

المستفیض: ما نقلہ جماعۃ تزید علی الثلاثۃ، فلا بد ان یکون الرواۃ فصاعدا

جس کو ایک ایسا گروہ نقل کرے جس کی تعداد تین سے زیادہ ہو یعنی اس کو نقل کرنے والے راویوں کی تعداد تین سے زیادہ ہو۔

جمہور نے خبر مشہور کی یہی تعریف کی ہے۔

المشهور: ما اشتهرو لو فی القرن الثانی او الثالث[1]

جو مشہور ہو جائے اگرچہ یہ دوسری یا تیسری صدی ہجری میں ہی ہو۔

دور حاضر کے مشہور محقق ڈاکٹر عبد الکریم النملہ نے اپنی مشہور تالیف المھذب میں تحقیق کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں خبر واحد داخل ہیں کیونکہ یہ دونوں ظن کا فائدہ دیتی ہیں۔[2]

مشہور حنبلی عالم علامہ ابن النجار نے بھی یہی کہا ہے کہ خبر مشہور اور خبر مستفیض خبر واحد میں داخل ہے۔[3]

علام ابن المفلح المقدسی نے خبر واحد کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ جو بھی متواتر کے علاوہ ہے وہ خبر واحد ہے اس طرح خبر مشہور اور مستفیض خبر واحد میں داخل ہو جاتی ہیں۔[4]

علما کرام کی ان آراء کے نتیجے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ خبر مشہور اور خبر مستفیض خبر واحد میں داخل ہیں اس لیے ہم مزید بحث خبر واحد اور خبر متواتر کی ہی کریں گے کیونکہ یہ دونوں خبر واحد میں داخل ہیں ان دونوں کا وہی حکم ہو گا جو خبر واحد کا ہو گا اس لیے اسی لیے اصولیوں نے ان دونوں کی الگ سے کوئی بحث بھی نہیں کی ہے۔

مبحث اول: خبر متواتر

لغت میں تواتر یکے بعد دیگرے تھوڑے فاصلے سے آنے کو کہتے ہیں[5] جیسے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَىٰ﴾[6]

پھر ہم نے یکے بعد دیگرے اپنے رسولؑ بھیجے۔

ا۔ النملہ، المھذب، ص:۲/ ۶۸۴

۲۔ ایضاً، ص:۲/ ۶۸۵

۳۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۲/ ۳۴۵

۴۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۲/ ۴۸۶

۵۔ ۵ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۲/ ۲۰

۶۔ سورۃ المؤمنون:۲۳/ ۴۴

گروہوں میں زمانے کا فرق ہے صحابہ کا زمانہ تابعین کے زمانے سے پہلے آتا ہے اور تابعین کا زمانہ صحابہ کے زمانے کے بعد آتا ہے۔

جعفری نقطہ نظر

المتواتر: ماافاد سکون النفس سکونا یزول معه الشك و یحصل القطع من اجل اخبار جماعة یمتنع تواطؤهم علی الکذب[۱]

خبر متواتر وہ خبر ہے جو اطمینان نفس کا فائدہ دیتی ہے جس سے شک ختم ہو جاتا ہے اس کے ذریعے قطع حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ایک جماعت کی جانب سے مروی ہوتی جن کا جھوٹ پر اتفاق محال ہوتا ہے۔

المتواتر: نقل الروایة من قبل عدد من الرواة بطریقة لایحتمل معها الا العلم بصدورها قطعا عن المعصوم[۲]

متواتر وہ خبر ہوتی ہے جو کئی راویوں سے کچھ اس طرح منقول ہوتی ہے کہ اس کے یقینا معصوم سے صادر ہونے کے علاوہ اور احتمال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

حنفی نقطہ نظر

المتواتر: ان یروی قوم لا یحصی عددهم ولا یتوهم تواطؤهم علی الکذب لکثرتهم و عدالتهم و تباین اماکنهم و یدوم هذا الحد فیکون آخره کاوله و اوسطه کطرفیه[۳]

متواتر وہ خبر ہے جسے اتنا بڑا گروہ روایت کرتا ہے جن کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اور ان کی کثرت، ان کی عدالت اور ایک دوسرے سے دور ہونے کی وجہ سے ان تمام کا جھوٹ پر اتفاق کرنے کا گمان بھی نہیں۔

المتواتر: خبر اقوام بلغوا فی الکثرة الی حیث حصل العلم بقولهم[۴]

ایک ایسے گروہ کی خبر جن کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ ان کی بات سے یقین حاصل ہو جائے۔

هو ما یرویه قوم لا یحصی عددهم ولایتوهم تواطؤهم علی الکذب لکثرتهم و عدالتهم و تباین اماکنهم و یدوم هذا الحد الی ان یتصل برسول الله ﷺ[۵]

اس کو ایک ایسا گروہ روایت کرتا ہے جس کی تعداد قابل شمار نہیں ہوتی اور ان کی کثرت، ان کی عدالت اور ایک دوسرے سے دور ہونے کی وجہ سے ان

۱۔ المظفر، اصول الفقه، ص:۴۲۵

۲۔ صدر الدین، التمهید فی اصول الفقه، ص:۲۲۸

۳۔ عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی، صدف پبلشر، کراچی، ص:۲/ ۳۶۱ سرخسی، اصول السرخسی، ص:۱/ ۲۹۴

۴۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص:۱/ ۱۲۸

۵۔ الخبازی، المغنی فی اصول الفقه، ص:۱۹۱

المتواتر: ھو اخبار قوم لا یتصور تواطؤھم علی الکذب ،عن قوم لا یتصور اتفاقھم علی الکذب ھکذا یتصل برسول اللہ[1]

ایک ایسے گروہ کی خبر جن کا جھوٹ پر اتفاق کرنے کا گمان ہی پیدا نہیں ہوتا اس کی دوسرے ایسے گروہ سے خبر جن کا جھوٹ پر اتفاق کرنے کا تصور ہی نہیں ہوتا یہاں تک سلسلہ روایت اسی طرح نبی اکرم ﷺ تک پہنچ جائے۔

المتواتر: ھو الکامل الذی رواہ قوم لایحصی عددھم ولا یتوھم تواطؤھم علی الکذب[2]

وہ کامل روایت ہے جس کو ایسا گروہ نقل کرے جس کی تعداد قابل شمار نہ ہو اور ان کے جھوٹ پر اتفاق کرنے کا گمان بھی نہ ہو۔

مالکی نقطہ نظر

فخبر التواتر :کل خبر واقع العلم لمخبرہ ضرورۃ من جھۃ الاخبار بہ[3]

ہر وہ خبر جس میں جس چیز کی خبر دی جارہی ہے اس کے بارے میں یقینی علم حاصل ہو۔

المتواتر: ھو الذی انتقالہ بجمع یبعد فی العادۃ ان تواطؤا علی خلاف الصدق[4]

خبر متواتر وہ خبر ہے جس کو نقل کرنے والا ایک پورا گروہ ہوتاہے اور پورا گروہ عام طور پر جھوٹ پر اتفاق نہیں کرتا۔

شافعی نقطہ نظر

متواتر: ھو خبر اقوام بلغوا فی الکثرۃ الی حیث حصل العلم بقولھم[5]

یہ ان گروہوں کی خبر ہے جن کی کثرت اس قدر زیادہ ہے کہ اس سے ان کے قول کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

المتواتر: عبارۃ عن خبر جماعۃ مفید بنفسہ للعلم بمخبرہ[6]

خبر متواتر ایسی خبر ہے جسے ایک گروہ بیان کرتا اور اس خبر سے ہی جس چیز کے بارے میں یہ خبر دی جارہی ہے اس کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

حنبلی نقطہ نظر

۱۔ البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص:۱۱۸

۲۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۱۱۹

۳۔ الباجی، الاحکام فی فصول الاحکام، ص:۲۳۵

۴۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۴۸

۵۔ رازی، المحصول، ص:۳/۹۰۴

۶۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۲/۲۱

جائے۔

ما رواہ جماعۃ بلغوافی الکثرۃ مبلغایحصل العلم بقولھم[۲]

جس کو ایک گروہ نقل کرے اور اس گروہ کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ ان کے قول سے اس خبر کے سچ ہونے کا یقین حاصل جائے۔

فقہی مسالک کے علمائے کرام کی متذکرہ بالا تعریفوں سے یہ نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔اس بات پر علمائے کرام نے اتفاق کیا ہے کہ خبر متواتر میں ایک گروہ سے دوسرے گروہ خبر دے رہا ہوتا ہے۔

۲۔اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس جماعت کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ اس سے انسان کو یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

۳۔اس پر بھی اتفاق ہے کہ خبر نقل کرنے والوں کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ باہمی اتفاق سے عام طور پر وہ جھوٹ پر جمع نہیں ہو سکتے۔

۴۔کچھ علمانے یہ قید لگائی ہے کہ خبر دینے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ شمار ہی نہ ہو سکے۔

۵۔تواتر کی یہ خصوصیات ہر طبقہ میں پائی جائیں یعنی صحابہ کا ایک طبقہ ہے اسی طرح تابعین کا ایک طبقہ اسی طرح یہ سلسلہ آخر تک پہنچے۔

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ خبر متو کے متعلق اتر تمام مسالک کی رائے یہ ہے کہ اسے اتنے لوگ نقل کریں کہ اس خبر کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے اور ایسے ہی معلوم ہو جائے جیسے ہمارے سامنے کوئی واقعہ ہوا ہے اور ہم نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا اس کے بارے میں ایسے یقین ہو جائے کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو جیسے بہت سے لوگوں نے شام اور عراق نہیں دیکھا مگر سب کو اس کے موجود ہونے کا یقین ہے اسی طرح خبر متواتر کے ذریعے سے حاصل ہونے والی معلومات کا یقین ہو جاتا ہے۔

خبر متواتر کا حکم

جعفری نقطہ نظر

معروف اصولی شیخ مظفر اور موجودہ دور کے مشہور محقق علامہ صدرالدین کی تحقیق کے مطابق خبر متواتر کے ذریعے سے قطع حاصل ہو جاتا ہے اور روایت ثابت ہوتی ہے اور جب کسی روایت کے متعلق یقین حاصل ہو جائے اور اس کا معصوم سے صادر ہونا یقینی ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔[۳]

حنفی نقطہ نظر

امام بزدوی کہتے ہیں کہ خبر متواتر کا انکار کرنے والا بالکل اسی طرح کافر ہے جس طرح قرآن کا انکار کرنے والا کافر ہے اکثر علما کی یہی رائے ہے اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ خبر متواتر کو قبول کرنا واجب ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا بھی واجب ہے اس پر شریعت اسلامی کے بہت سے احکم کی بنیاد ہے۔[۴]

۱۔ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۸۱

۲۔الترکی، اصول مذہب الامام احمد، ص:۲۴۸

۳۔المظفر، اصول الفقہ، ص:۴۲۵ صدر الدین، التمہید فی اصول الفقہ، ص:۲۲۸

۴۔البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص:۱۲۱-۱۲۳

نہیں۔[۱]

علامہ شاشی کہتے ہیں کہ خبر متواتر موجب علم و قطع بنتی ہے اور اس کا انکار کفر ہے علما کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے کہ خبر متواتر موجب عمل ہوتی ہے۔[۲]

مالکی نقطہ نظر

علامہ الباجی مالکی اپنی مشہور کتاب الاحکام فی فصول الاحکام میں لکھتے ہیں کہ جب کسی واقعہ سے متعلق کوئی خبر متواتر مل جاتی ہے تو اس خبر متواتر کے ملنے سے اس واقعہ کے ہونے کا علم حاصل ہو جاتا ہے جب علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔[۳]

ابن قصار کہتے ہیں کہ خبر متواتر موجب علم بنتی ہے مخبر کے سچے ہونے پر دلالت کرتی ہے[۴] علامہ الولاتی کی رائے بھی یہی ہے کہ خبر متواتر قطعی حکم کا فائدہ دیتی ہے۔[۵]

شافعی نقطہ نظر

علامہ فخر الدین رازی خبر متواتر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں جو علم خبر متواتر سے حاصل ہوتا ہے وہ علم ضروری ہے یعنی اس کے ذریعے کسی بھی واقعے کا یقین ہو جاتا ہے اگر حکم دیا جا رہا ہو تو اس کا پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر عمل ضروری ہو جاتا ہے[۶] علامہ آمدی لکھتے ہیں کہ خبر متواتر سے علم حاصل ہوتا ہے اور خبر متواتر کے ذریعے سے علم حاصل ہونے پر علمائے کرام کا اتفاق ہے۔[۷]

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ خبر متواتر قطع کا فائدہ دیتی ہے اس سے حاصل ہونے والا علم ضروری علم ہے جیسے مکہ کے ہونے کا علم ہے جب کسی چیز کے بارے میں یقین حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔[۸]

فقہی مسالک کے ان علمائے کرام کی آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ اس بات پر علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ خبر متواتر کے ذریعے قطع حاصل ہو جاتا ہے اس قطع کے نتیجے میں علم حاصل ہو جاتا ہے یعنی خبر متواتر علم اور یقین کا فائدہ دیتی ہے۔

۲۔ تمام فقہی مسالک کے علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب کوئی حکم خبر متواتر کے ذریعے معلوم ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

علمائے کرام کی آراء کی روشنی میں یہ بات کہنا بے جا نہ ہو گی کہ تمام فقہی مسالک کا اس بات اتفاق ہے کہ خبر متواتر یقینی علم کا فائدہ دیتی ہے اور اس کے مطابق عمل کرنے پر تمام علمائے کرام کا اتفاق ہے تمام اسلامی مسالک میں وہ

۱۔ الخبازی، المغنی، ص:۱۹۲

۲۔ شاشی، اصول الشاشی، ص:۱۷۲، ۱۷۱

۳۔ الباجی، الاحکام فی فصول الاحکام، ص:۲۳۵

۴۔ ابن القصار، المقدمۃ فی اصول الفقہ، ص:۶۵

۵۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۴۸

۶۔ رازی، المحصول، ص:۳/۹۰۴

۷۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۲/۲۲

۸۔ ابن القدامہ، روضۃ الناظر، ص:۴۹

خبر متواتر میں راویوں کی تعداد

جعفری نقطہ نظر

اس بات پر علما کا اتفاق ہے کہ حدیث متواتر کو نقل کرنے والوں کی کوئی خاص تعداد معین نہیں ہے بس اتنی تعداد ہونی چاہیے جن کے ذریعے اس حدیث کے معصوم سے صادر ہونے کا قطع حاصل ہو جائے اور یہ تعداد مختلف ہو سکتی ہے۔[۱]

حنفی نقطہ نظر

قول صحیح یہ ہے کہ راویوں کی تعداد معین نہیں ہے اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اتنے ہونے چاہیے جن کی تعداد سے علم حاصل ہو جائے۔[۲]

یہاں افراد کی تعداد معین نہیں ہے کثرت درکار ہے جس سے اطمینان حاصل ہو جائے۔[۳]

مالکی نقطہ نظر

علامہ ابن قصار مالکی اپنی تصنیف مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ امام مالک کا مذہب یہ کہ وہ خبر جو مشہور ہو جائے اسے اتنے لوگ نقل کریں کہ وہ اس بات سے بے نیاز ہو جائے کہ اسے کتنے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ کیونکہ اسے اتنے زیادہ لوگوں نے نقل کیا ہو جیسے نماز کے اوقات ہیں یا ارکان حج ہیں۔[۴] مشہور مالکی اصولی علامہ الولاتی فرماتے ہیں کہ خبر متواتر کے راویوں کی تعداد اہل بدر کی تعداد کے برابر ہو۔[۵]

شافعی نقطہ نظر

اس بارے میں درج ذیل اقوال ہیں:

۱۔ان کی تعداد نقبا حضرت موسیٰ جتنی یعنی بارہ ہو۔ ۲۔ان کی تعداد چار یا پانچ ہو۔ ۳۔ان کی تعداد بیس ہو۔ ۴۔ان کی تعداد چالیس ہو۔ ۵۔ان کی تعداد ۳۱۳ ہو۔ ۶۔ان کی تعداد معین نہیں ہے اتنے ہونے چاہیں جن سے علم حاصل ہو جائے علامہ شیرازی اور علامہ آمدی کا اختیار کردہ قول چھٹا قول ہے کہ ان کی تعداد معین نہیں ہے بلکہ اتنے ہوں جن کی بات سے یقین حاصل ہو جائے۔[۶]

حنبلی نقطہ نظر

اسی طرح ابن اللحام حنبلی نے بھی یہی کہا ہے کہ محققین کے ہاں کوئی خاص تعداد معین نہیں ہے۔[۷] علامہ ابن قدامہ نے بھی مختلف اقوال کو ذکر کرنے کے بعد یہی فرمایا ہے کہ قطع کے حاصل ہونے کے لیے کوئی خاص تعداد معین نہیں ہے بلکہ جس سے اطمینان حاصل ہو جائے۔[۸]

۱۔صدر الدین، التمہید فی اصول الفقہ، ص:۲۲۹

۲۔عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، ص:۲/۳۶۱

۳۔قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۱۲۱

۴۔ابن القصار، المقدمہ، ص:۶۵

۵۔الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۴۹ رازی، المحصول، ص:۳/۹۲۶

۶۔آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۲/۳۹ الشیرازی، التبصرۃ فی اصول الفقہ، ص:۲۹۵

۷۔ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۸۱

۸۔ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۵۰

۲. خبر مواتر میں راویوں کی تعداد بارہ ہو جتنے نقبائے بنی اسرائیل تھے۔
۳. خبر مواتر میں راویوں کی تعداد چالیس ہو۔
۴. خبر مواتر میں راویوں کی تعداد ستر ہونی چاہیے۔
۵. خبر مواتر میں راویوں کی تعداد بیس ہوں۔
۶. خبر مواتر میں راویوں کی تعداد اہل بدر کی تعداد کے مطابق ہوں یعنی تین سو تیرہ۔
۷. خبر متواتر میں راویوں کی کوئی خاص تعداد معین نہیں ہے اتنے ہونے چاہیں جن سے علم حاصل ہو جائے۔

تمام مسالک کی آراء کی روشنی میں تمام مسالک کا مندرجہ ذیل امور پر اتفاق ہے۔

ا۔ تمام فقہی مسالک کے اکثر علمانے اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر متواتر کے راویوں کی کوئی خاص تعداد معین نہیں ہے۔

۲۔ اس بات پر تمام مسالک کا اتفاق ہے کہ راویوں کی تعداد اتنی ہونی چاہیے جس سے انسان کو کسی واقعہ کے ہونے کا یقین اور علم حاصل ہو جائے۔

اس تمام بحث کے نتیجے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام فقہی مسالک میں خبر متواتر کے راویوں کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ذکر ہوئے ہیں مگر اکثر علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ خبر متواتر کے لیے کوئی خاص تعداد معین نہیں ہے کہ یہ پوری ہو جائے گی تو خبر متواتر ہو جائے گی بلکہ جو چیز مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ ان راویوں کی تعداد اتنی ہونی چاہیے اس کے نتیجے میں اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ اتنے سارے لوگ مل کر جھوٹ نہیں بول سکتے بلکہ یہ جو بات کر رہے ہیں وہ سچ پر مبنی ہے۔

خبر متواتر کی شرائط

علمائے علم اصول نے خبر متواتر کی بہت سی شرائط کا ذکر کیا ہے یہاں ان تمام میں سے ان شرائط کا تذکرہ کریں گے جو متفقہ ہیں۔

ا۔ خبر دینے والے اس بات کو جانتے ہوں کہ وہ کس چیز کی خبر دے رہے ہیں اور وہ حواس خمسہ میں سے کسی ایک کے ذریعے یہ خبر جانتے ہوں اور خبر کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کریں رائینا، سمعنا یا لمسنا وغیرہ کہ ہم نے دیکھا ہم نے سنا یا ہم نے محسوس کیا اگر ایسا نہ ہو تو سہو، غلطی یا غفلت کا امکان رہتا ہے جس کے ہوتے ہوئے علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

۲۔ خبر دینے والوں کی تعداد پہلے طبقے سے لیکر آخری طبقے تک پوری رہے کسی ایک طبقہ میں بھی یہ تعداد کم نہ ہو کیونکہ ہر طبقہ کا تواتر شرط ہے ہر زمانے کے لوگوں کی خبر مستقل حیثیت رکھتی ہے۔

۳۔ خبر کو سننے والا عالم اور اہل علم میں سے ہو وہ متشدد یا متساہل نہ ہو[۱]

۴۔ نقل کرنے والے اتنے ہوں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عام پر ناممکن ہو[۲]

علما خبر متواتر کی بنیادی طور پر یہی شرائط بیان کی ہیں اس پر اتفاق کیا ہے کہ ہر طبقہ میں تواتر ہو وہ خود خبر سنیں ان کی تعداد اتنی ہو کہ جھوٹ اتفاق نہ کر سکتے ہوں اور یہ بہت زیادہ سخت یا بہت زیادہ حسن ظن رکھنے والے نہ ہوں جس بھی خبر میں یہ شرائط پائی جائیں گی وہ خبر متواتر ہو گی۔

ا۔ النملہ، المہذب، ص:۲/۶۵۷-۶۵۸ المظفر، اصول الفقہ، ص:۴۲۵ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۸۱ ابن القدامہ، روضۃ الناظر، ص:۵۰ الولاتی، نیل السول علی مرتضی الوصول، ص:۱۵۰ صدر الدین، التمہید فی اصول الفقہ، ص:۲۳۰، ۲۲۹

۲۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۲/۳۸

گروہ نے سنا اور اسی طرح ہر طبقہ میں لوگوں کی اتنی تعداد نے سنا جن سے تواتر ثابت ہو جاتا ہے تو یہ خبر متواتر ہے مگر سنت متواتر نہیں ہے کوئی بھی عمل اس وقت سنت متواتر ہو گا جب آپؐ نے اس عمل کو بہت بار انجام دیا ہے یعنی خبر متواتر میں تواتر کی وجہ راوی ہیں اور سنت متواتر میں آپؐ کا کثرت عمل تواتر حاصل ہوتا ہے۔

مبحث دوم: خبر واحد

جعفری نقطہ نظر

و ان کان المخبر اکثر من واحد ولکن لم یبلغ المخبرون حد التواتر[1]

خبر دینے والا خواہ ایک سے زیادہ ہو مگر ان کی تعداد تواتر تک نہ پہنچی ہو تو یہ خبر واحد کہلاتی ہے۔

خبرواحد: هو الحدیث الذی وصلنا عن طریق راو واحد او عدد من الرواة لا یصل به الی التواتر[2]

وہ حدیث جو ایک راوی کے ذریعے ہم تک پہنچے یا اتنے راویوں کے ذریعے ہم تک پہنچے کہ ان کی تعداد تواتر کی حد تک نہ پہنچے۔

حنفی نقطہ نظر

خبرواحد: وهو کل خبر یرویه الواحد او الاثنان فصاعدا لا عبرة للعدد فیه بعد ان یکون دون المشهور و المتواتر[3]

ہر وہ خبر جسے ایک یا دو یا اس سے زیادہ راوی نقل کریں مگر راویوں کی یہ تعداد حد شہرت یا حد تواتر تک نہ پہنچے۔

الخبر الواحد: هو الذی یرویه الواحد او الاثنان فصاعدا بعد ان یکون دون المشهور و المتواتر[4]

ہر وہ خبر جسے ایک یا دو یا اس سے زیادہ راوی نقل کریں مگر راویوں کی یہ تعداد حد شہرت یا تواتر تک نہ پہنچے۔

الخبر الواحد: ما لم یبلغ حد الشهرة[5]

ہر وہ خبر جو شہرت کی حد تک نہ پہنچے وہ خبر واحد ہے۔

مالکی نقطہ نظر

الخبر الواحد: ما لم یقع العلم للمخبرہ ضرورة من جهة الاخبار به[6]

۱۔ المظفر، اصول الفقه، ص:۴۲۵

۲۔ صدر الدین، التمهید فی اصول الفقه، ص:۲۳۵

۳۔ عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، ص:۲/ ۳۷۰

۴۔ الخبازی، المغنی، ص:۱۹۴

۵۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۱۲۶

۶۔ الباجی، الاحکام فی فصول الاحکام، ص:۲۳۵ فلمیان، احسان بن محمد حسین، خبر واحد اذا خالف اهل المدینة دراسة و تطبیقتها، دار البحوث للدراسات الاسلامیہ و احیاء التراث، جدۃ، طبع ثانیہ ۲۰۰۲ء، ص:۳۴

الخبر الواحد: ھو خبر الواحد او الجماعة الذین لایبلغون حد التواتر[۱]

ایک یا گروہ کی خبر جن کی تعداد تواتر تک نہ پہنچی ہو وہ خبر واحد کہلاتی ہے۔

شافعی نقطہ نظر

ما کان من الاخبار غیر منتہ الی حد تواتر[۲]

خبر واحد وہ خبر ہوتی ہے جو تواتر کی حد تک نہ پہنچی ہو۔

کل خبر یرویہ الواحد او الاثنان او الاکثر عن رسول اللہ ﷺ ولا یتوافر فیہ شرط المشهور[۳]

ہر وہ خبر جسے ایک، دو یا دو سے زیادہ رسول ﷺ سے روایت کریں اور اس میں مشہور کی شرط نہ پائی جائے۔

حنبلی نقطہ نظر

الخبر الواحد: بانہ ما عدا التواتر[۴]

ہر وہ خبر جو متواتر کے علاوہ ہو وہ خبر واحد ہے۔

متذکرہ بالا تعریفوں کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ خبر واحد کے ذریعے سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔ خبر واحد میں راویوں کی تعداد ایک یا دو یا اس سے زیادہ ہو سکتی ہے۔

۳۔ ہر وہ خبر خبر واحد ہو گی جو متواتر نہ ہو۔

۴۔ بعض علمائے کرام نے کہا ہے کہ خبر واحد وہ خبر جو مشہور نہ ہو یہ اس اختلاف کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی نظر میں خبر مشہور خبر واحد میں داخل نہیں ہے بلکہ الگ قسم ہے۔

تمام بحث کو سمیٹتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ علمائے کرام کے نزدیک خبر واحد ہر وہ خبر ہے جو حد تواتر تک نہ پہنچی ہو اور اس کے ذریعے یقین بھی حاصل نہیں ہوتا اس خبر کے راویوں کی تعداد ایک دو یا تین ہو خبر واحد ہو سکتی ہے ذخیرہ حدیث میں اکثر احادیث خبر واحد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

خبر واحد کا حکم

جعفری نقطہ نظر

فقہا احکام شریعت کو حاصل کرنے کے لیے خبر واحد پر اعتماد کرتے ہیں اور اس سے احکام کو استنباط کرتے ہیں یہ موجب عمل ہے۔[۵]

حنفی نقطہ نظر

خبر واحد موجب عمل بنتی ہے اس کے ذریعے حاصل ہونے والے احکام شریعت پر عمل کیا جاتا ہے۔[۶]

۱۔ الشعلان، اصول الفقہ الامام مالک، ص:۲/ ۳۴۷

۲۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۲/ ۴۹

۳۔ ابو زہرہ، اصول الفقہ، ص:۱۰۸

۴۔ الترکی، اصول مذہب الامام احمد، ص:۲۲۹؛ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۲/ ۳۴۵

۵۔ صدر الدین، التمہید فی اصول الفقہ، ص:۲۳۶

۶۔ شاشی، اصول الشاشی، ص:۱۷۲

بھی نہ ہو۔ (۲)

مالکی نقطہ نظر

خبر واحد سے اسی طرح استفادہ کیا جاتا ہے جیسے قرآن سے بطور ماخذ احکام ہونے میں استفادہ کیا جاتا ہے بس خبر واحد ظنی الصدور ہے اور اس سے حاصل ہونے والا حکم بھی ظنی ہوتا ہے۔ (۳)

شافعی نقطہ نظر

خبر واحد اگر ایسے قرائن کے ساتھ ہو تو علم کا فائدہ دیتی ہے اور اگر قرائن سے خالی ہو تو یہ علم کا فائدہ نہیں دیتی اکثر علما خبر واحد کی حجیت کے عقلا قائل ہوئے ہیں۔ (۴)

حنبلی نقطہ نظر

خبر واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے اور خبر واحد موجب عمل ہوتی ہے۔ (۵)

خبر واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ اگر خبر واحد یقین کا فائدہ دیتی تو تمام انبیائے کرامؑ کی باتیں ان کی امتوں کو قبول کرنے چاہیے تھیں کیونکہ وہ علم ویقین کا باعث بن رہی ہوتیں اسی طرح جب نبی اکرم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے اور آکر بتایا کہ میں معراج پر گیا تھا۔ تب تمام مشرکین کو آپؐ کی بات تسلیم کر لینی چاہیے تھی مگر ان لوگوں نے انکار کیا ان مثالوں سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ خبر واحد عموماو عرفا ظن کا فائدہ دیتی ہے۔

متذکرہ بالا بحث سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ فقہی مسالک کے علما کرام کے مطابق خبر واحد موجب ظن ہے یعنی اس سے کسی واقعے کے ہونے کا ظن وگمان حاصل ہوتا ہے علم ویقین حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر واحد موجب عمل ہے یعنی جس کام کے کرنے کا حکم خبر واحد میں آجائے گا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

۳۔ بعض علمانے کہاہے کہ اگر خبر واحد قرائن کے ساتھ ہو تو اس سے علم ویقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

اس تمام بحث کے بعد یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ جب خبر واحد کے ذریعے کسی حکم کا پتہ چل جائے تو اس حکم کے مطابق عمل کیا جائے گا روایات کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ ان کے ذریعے شریعت اسلامی کے احکام ثابت ہوں اور ان کے مطابق عمل کیا جائے خبر واحد میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ اس سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں اور ان کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔

خبر واحد کی حجیت

جعفری کا نقطہ نظر

فقہ جعفری میں شیخ طوسی کے دور سے لیکر آج تک کے تمام علما کا اس بات پر اجماع ہے کہ خبر واحد حجت ہے۔ (۶)

۱۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۱۲۶

۲۔ شاشی، اصول الشاشی، ص:۱۷۶

۳۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۴۶ فلمبان، خبر واحد اذا خالف عمل اهل مدینه، ص:۴۶

۴۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۲/۶۸

۵۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۵۳

۶۔ سبحانی، الموجز، ص:۱۹۵

میں خبر واحد کو قبول کیا جاتا ہے[1] امام سرخسی لکھتے ہیں کہ عادل راوی کی خبر دینی امور میں عمل کے لیے حجت ہے اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا۔[2]

خبر واحد عبادات، معاملات اور حقوق العباد وغیرہ دینی امور میں حجت ہے اس پر عمل کرنا لازم ہے اس میں عدد کی شرط نہیں ہے نہ ہی خاص الفاظ کی کوئی شرط ہے بلکہ محض راوی میں چند صفات کا ہونا کافی ہے جس کی بنیاد پر اس کی روایت کو قبول کیا جائے گا خبر واحد میں احتمال کذب باقی رہتا ہے مگر سچائی کا گمان ہوتا ہے صحابہ کرام خبر واحد کو قبول کیا کرتے تھے انہوں نے عدد کی شرط نہیں لگائی تھی ہاں بعض اوقات احتیاط کے طور پر حدیث بیان کرنے والے سے گواہ طلب کیا یا قسم دے دی۔[3]

خبر واحد کی حجیت قرآن کی آیت کی طرح ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ معصوم ہیں اور جھوٹ اور غلط کلام نہیں کرتے یہ بات دلائل سے ثابت ہے قرآن کا اللہ تعالی سے ثابت ہونا آپؐ کی خبر پر موقوف ہے۔[4]

مالکی نقطہ نظر

ابن العربی مالکی فرماتے ہیں کہ خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہے اور اس پر تمام علما کا اتفاق ہے[5] مشہور مالکی عالم اور اصولی ابن قصار نے اپنی مشہور تالیف المقدمہ میں کہا ہے کہ امام مالک خبر واحد عدل کو قبول فرماتے تھے یہ موجب عمل ہے موجب علم نہیں ہے۔[6]

عبد الرحمن الشعلان نے بہت تفصیل سے امام مالک اور مالکی مکتب فکر کے حوالے سے خبر واحد کی حجیت کی بحث کی ہے اور آخر میں لکھتے ہیں کہ خبر واحد امام مالک اور ملا لکی علما کے نزدیک موجب عمل ہے۔[7]

شافعی نقطہ نظر

علامہ فخر الدین رازی نے کہا ہے وہ خبر واحد جس کے کی صحت کا یقین نہیں ہوتا تمام صحابہ کا اس پر عمل کرنے پر اجماع قائم ہے۔[8]

جب خبر واحد قرائن کے ساتھ ہو تو علم کا فائدہ دیتی ہے[9] امام جوینی شرائط کے ساتھ خبر واحد پر عمل ضروری قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک خبر واحد موجب علم نہیں ہے لیکن خبر واحد پر عمل کرنے کو ضروری قرار دینے پر جو ادلہ موجود ہیں وہ قطعی ہیں اور موجب علم ہیں۔[10]

حنبلی نقطہ نظر

۱۔ البخاری، کشف الاسرار، ص:۲/ ۳۷۵

۲۔ سرخسی، اصول السرخسی، ص:۱/ ۳۳۳

۳۔ ایضاً، ص:۱/ ۳۴۵

۴۔ دبوسی، تقویم الادلۃ فی اصول الفقہ، ص:۲۲

۵۔ ابن العربی، المحصول فی اصول الفقہ، ص:۱۱۶

۶۔ ابن القصار، المقدمۃ فی اصول الفقہ، ص:۶۷

۷۔ الشعلان، اصول الفقہ الامام مالک، ص:۲/ ۷۳۶

۸۔ رازی، المحصول، ص:۹۹۶

۹۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۲/ ۵۰

۱۰۔ الجوینی، البرہان، ص:۱/ ۳۸۸

اصول میں مذکور ہے کہ امام احمد بن حنبل صرف یہ نہیں کہتے کہ خبر واحد کو قبول کرنا صرف سمعی دلیل سے ثابت ہے بلکہ عقلی ادلہ سے بھی خبر واحد کی حجیت ثابت ہے۔

حنبلی علما کی اکثریت کی رائے یہ کہ جب خبر واحد صحیح سند سے ثابت ہو تو علم کا فائدہ دیتی ہے[1] ابن اللحام حنبلی نے لکھاہے کہ خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہے یا نہیں امام احمد سے دو رائے منقول ہیں اکثر یہ کہتے ہیں کہ علم کا فائدہ نہیں دیتی جو کہتے ہیں کہ خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہے ان کی مراد وہ خبر واحد ہے جن کو وہ ائمہ نقل کریں جن کی عدالت اوار وثاقت پر اتفاق ہے اور امت نے اسے قبول کیا ہو۔[2]

ان تمام آراء کے جائزے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تمام مسالک کے فقہاو علما خبر واحد کو حجت مانتے ہیں اس کے مطابق عمل کرتے ہیں اس کی روشنی میں احکام کو ان کی دلیلوں سے استنباط کرتے ہیں ان آراء سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ علمائے کرام کی اکثریت یہ رائے رکھتی ہے کہ خبر واحد کے ذریعے علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے نتیجے میں کسی بھی حکم کا ظن حاصل ہوتا ہے مگر اس بات پر دلیل قطعی موجود ہے کہ خبر واحد حجت ہے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے گا اس کی حجیت پر دلیل قطعی ہونے کی وجہ سے اسے پر عمل کیا جاتا ہے اور یہ ظن کی ان اقسام میں سے نکل جاتی ہے جن پر عمل کرنے سے شارع نے منع فرمایاہے اس لیے خبر واحد حجت ہے اور اس کے مطابق عمل کی جائے گا۔

خبر واحد کی حجیت پر ادلہ

خبر واحد کی حجیت پر قرآن، سنت اور اجماع دلالت کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ بحث کی جائے گی۔

قرآن

ا۔وہ آیات جو سوال کرنے کا حکم دیتی ہیں۔

﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾[3]

اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے حکم دیاہے کہ سوال کریں جب جاننے والے سے سوال کیا جائے گا تو جو عالم ہے اس کا جواب دے گا تو اب اگر اس کے جواب کو خبر واحد قرار دے کر حجیت سے خالی قرار دے دیں تو اس کا قبول کرنا سائل کے لیے ضروری نہیں ہو گا جب جواب قبول کرنا ضروری نہیں تو سوال کا حکم بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اس لیے ماننا پڑے گا کہ خبر واحد حجت ہے۔[4]

۲۔عہد بیان کی آیات

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ﴾[5]

اِن اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہو گا، انہیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہو گا۔

ا۔الترکی، اصول مذہب الامام احمد، ص:۲۸۳

۲۔ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۸۳

۳۔سورۃ النحل:۱۶/۴۳

۴۔البخاری، کشف الاسرار، ص:۲/۳۷۲

۵۔سورۃ آل عمران:۳/۱۸۷

۳۔حق کے چھپانے پر عذاب کی وعید سنانے والی آیات

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾(۲)

جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، در حالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی اُن پر لعنت بھیجتے ہیں۔

اظہار کے واجب ہونے اور اس کے قبول ہونے کے درمیان یہاں پر عقلی لزوم موجود ہے اگر قبول واجب نہ ہو تو اس کا اظہار بے فائدہ ہو گا۔(۳)

۴:وہ آیت جس میں دین سیکھنے اور ڈرانے کا حکم ہے۔

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ﴾(۴)

مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبر دار کرتے۔

جب یہ لوگ دین سیکھ کر واپس آجائیں اور اپنی قوم کو ڈرائیں اور دوسری طرف سے ان کے ڈرانے پر ان کی قوم پر ان کی بات کو قبول کرنا واجب ہی نہ ہو تو دین سیکھنے اور واپس آکر سیکھانے کا عمل بے کار ہو جائے گا اس لیے ضروری ہے کہ ان کی بات قبول کی جائے ان کی بات کا قبول کرنا بتاتا ہے کہ خبر واحد حجت ہے۔(۵)

۵۔فاسق کی خبر کی چھان بین کے حکم والی آیت

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾(۶)

اے ایمان والوں جب کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی چھان بھٹک کر لیا کرو۔

فاسق کی خبر کو اس وقت قبول کیا جائے گا جب وہ ثابت ہو گی اللہ تعالی نے فاسق کی خبر کو قبول کرنے لیے ثابت ہونے پر موقوف قرار دیا ہے اس کا مطلب ہے جو فاسق کے علاوہ عادل خبر دے تو اسے قبول کیا جائے۔(۷)

۱۔البخاری، کشف الاسرار، ص:۲/ ۳۷۱

۲۔سورۃ البقرۃ:۲/ ۱۵۹

۳۔مظفر، اصول الفقہ، ص:۴۳۷

۴۔سورۃ التوبہ:۹/ ۱۲۲

۵۔مظفر، اصول الفقہ، ص:۴۳۵ الترکی، اصول مذہب الامام احمد، ص:۲۹۱

۶۔سورۃ الحجرات:۴۹/ ۶

۷۔الترکی، اصول مذہب الامام احمد، ص:۲۹۱ ابن القصار، المقدمۃ فی اصول الفقہ، ص:۶۸

سلسلہ ختم ہو جائے گا لوگوں کی عام زندگی بہت مشکل ہو جائے گی فاسق کی بات بھی قبول نہ کی جائے اور مومن کی بات بھی بے حیثیت ہو یہ غیر معقول امر ہے ایک طرف خدا ڈرانے کا حکم دے اور دوسری طرف جن کو ڈرایا جائے ان پر ڈرنا واجب ہی نہ ہو یہ متضاد رویہ خالق اکبر سے ممکن نہیں ہے اس لیے قرآن کی ان آیات کی روشنی میں ضروری ہے کہ خبر واحد کے مطابق عمل کیا جائے۔

خبر واحد کی حجیت پر سنت سے دلائل

صحابہ کرام کا اس بات اجماع ہے کہ وہ خبر واحد کو قبول کرتے تھے اہل قبا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے کسی صحابی نے آکر بتایا کہ قبلہ تبدیل ہو گیا ہے تو تمام بہت ساری روایات ملتی ہیں جو سنت کی حجیت کا بتاتی ہیں

ا۔ خبر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آپؐ کے پاس کھجوروں سے بھرا ایک طشت لے کر آئے آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا یہ صدقہ ہے آپؐ نے ان کھجوروں کو تناول نہیں فرمایا اور صحابہ نے ان کھجوروں کو کھا لیا دوسرے دن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پھر کھجوروں سے بھرا ایک طشت لائے آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا یہ ہدیہ ہے آپؐ نے تناول فرمالیا اور اصحاب کو بھی کھلایا۔[۱]

اس پر غور کریں تو ایک بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ آپؐ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی بات کو دونوں دن تسلیم کیا اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے پہلے دن کھجوریں نہیں کھائیں اور دوسرے دن ان کو کھا لیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی بات تو خبر واحد ہے جو حجت نہیں ہے اس طرح آپؐ نے عملی طور پر خبر واحد کے مطابق عمل کر کے اس حجیت کو دوام بخشا۔

۲۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجنا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا کہ وہاں کے لوگوں کو تبلیغ دین فرمائیں دونوں کو الگ الگ مواقع پر یمن روانہ فرمایا اب آپؐ بھی جانتے تھے کہ ان کی بات تو خبر واحد ہے لہٰذا اگر حجت نہ ہوتی تو کبھی ایک آدمی کو تبلیغ پر روانہ نہ فرماتے اسی طرح یمن کے لوگوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ کی بات خبر واحد ہے ہم قبول نہیں کرتے یہاں سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ آپؐ اور اس وقت کے مسلمان خبر واحد کے مطابق عمل کرتے تھے۔[۲]

خبر واحد کی حجیت پر صحابہ کا عمل

صحابہ نے فوراً قبلہ کو بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تبدیل کر لیا یہ اس بات کی دلیل ہے صحابہ کرام خبر واحد کو قبول فرماتے تھے۔[۳]

صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع تھا کہ وہ خبر واحد پر عمل کرتے تھے اور صحابہ کا خبر واحد پر عمل کرنا تواتر سے ثابت ہے بعض صحابہ اختلاف کی صورت میں راوی کو قسم دیتے تھے لیکن اخبار آحاد کو قبول کرتے تھے۔[۴]

ا۔ عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، ص: ۲/ ۳۷۳

۲۔ ایضاً، ص: ۲/ ۳۷۳

۳۔ البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص: ۱۳۱

۴۔ الجوینی، البرہان، ص: ۳۸۹

تھی پس خبر واحد پر رسول اکرم ﷺ کا عمل تواتر سے ثابت ہے۔[1]

۲۔ خبر واحد پر عمل کرنے پر اجماع صحابہ ہے

صحابہ کرام بالاجماع خبر واحد پر عمل کرتے تھے اور صحابہ کا خبر واحد پر عمل کرنا تواترا ثابت ہے بعض صحابہ اختلاف کی صورت میں راوی کو قسم دیتے تھے لیکن اخبار آحاد کو قبول کرتے تھے۔[2]

ا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا عمل

تدفین نبی اکرم ﷺ کے موقع پر مختلف آرا سامنے آئیں جس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کی حدیث مبارکہ پیش کی۔

الانبیاء یدفنون حیث یموتون۔[3]

انبیا اسی مقام پر دفن کیے جاتے ہیں جہاں وہ فوت ہوتے ہیں

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے جب حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ روایت کی کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

سنوا بهم سنة اهل الكتاب[4]

ان کے ساتھ اہل کتاب والا برتاؤ کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خبر واحد کو قبول فرمایا۔

حضرت علیؑ کا عمل

حضرت علیؑ سے یہ ثابت ہے کہ آپ اخبار آحاد قبول کیا کرتے تھے البتہ کبھی بیان کرنے والے سے قسم کھانے کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔[5]

۳۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل

جمہور صحابہ اس بات کے قائل تھے کہ فقط ختنین کے ملنے سے غسل واجب نہیں ہوتا مگر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث پہنچی کہ آپؐ نے فرمایا:

اذا مس الختان الختان فقد وجب الغسل[6]

جب ختنان ملتے ہیں غسل واجب ہو جاتا ہے۔

ا۔ الجوینی، البرھان، ص:۳۸۹

۲۔ ایضاً، ص:۳۸۹

۳۔ عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، ص:۲/۳۷۴

۴۔ ابن قدامہ، روضة الناظر، ص:۵۴ النملہ، المھذب، ص:۲/۶۹۰

۵۔ الباجی، احکام الفصول، ص:۲۵۴ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد یزید القزوینی، السنن، باب ماجاء فی وجوب الغسل اذا التقی الختنانان، حدیث نمبر:۶۰۸ دار الفکر، بیروت، ص:۱/۱۹۹

۶۔ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد یزید القزوینی، السنن، باب ما جاء فی وجوب الغسل اذا التقی الختنانان، حدیث نمبر:۶۰۸ دار الفکر، بیروت، ص:۱/۱۹۹

۴۔ حضرت خزیمہ کی گواہی

حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی کو نبی کریم ﷺ نے حجت تام قرار دیا۔[۲]

خبر واحد کی حجیت پر اجماع

علمائے کرام نے خبر واحد کے حجت ہونے پر امت کے اجماع کی تصریح کی ہے کہ تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر واحد کی حجیت پر اجماع ہے

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ خبر واحد پر عمل کرنے پر صحابہ کا اجماع ہے۔[۳]

امام جوینی شافعی لکھتے ہیں کہ خبر واحد پر عمل کرنے پر صحابہ کا اجماع ہے تمام صحابہ کرام خبر واحد پر عمل کرتے تھے اور صحابہ کا خبر واحد پر عمل کرنا تواتر ثابت ہے بعض صحابہ اختلاف کی صورت میں راوی کو قسم دیتے تھے لیکن اخبار آحاد کو قبول کرتے تھے۔[۴]

امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ خبر واحد روز اول سے حجت ہے وکلا، نمائندوں، معاملات غرض تمام موارد میں خبر واحد کو قبول کیا جاتا ہے۔[۵]

علامہ فخر الدین رازی نے کہا ہے وہ خبر واحد جس کے صحیح ہونے کا قطع نہیں ہوتا تمام صحابہ کا اس پر عمل کرنے پر اجماع قائم ہے۔[۶]

علامہ ابوالولید الباجی مالکی لکھتے ہیں کہ خبر واحد پر عمل کرنے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔[۷]

صحابہ کرام نے خبر واحد پر عمل کرنے کے جواز پر اجماع کیا ہے خبر واحد کے مطابق عمل کرنا صحابہ کے درمیان معروف تھا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔[۸]

خبر واحد کی حجیت پر عقلی دلیل

خبر واحد اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک نقصان کا ظن موجود ہے جو خبر واحد پر عمل نہ کرنے سے پیش آسکتا ہے عقل یہ کہتی ہے کہ مظنون ضرر سے بچنا ضروری ہے جب مظنون ضرر سے بچنا ضروری ہے تو خبر واحد کے مطابق عمل کرنا ضروری ہو جائے گا۔

عادل راوی نے یہ گواہی دی کہ رسول اکرم ﷺ نے اس فعل کو انجام دینے کا حکم دیا ہے تو ہمیں رسول اکرم ﷺ سے اس حکم کے صدور کا ظن حاصل ہو گیا کہ یہ حکم آپؐ نے دیا ہے اب اس کی مخالفت کرنے سے موجب عقاب بن سکتے ہیں تو واجب ہے کہ اس حکم پر عمل کیا جائے دوسرا ہمیں اس کے صدور کا ظن ہوا ہے ظن کی طرف راجح ہے اس لیے اس طرف راجح کے مطابق عمل کیا جائے گا۔[۹]

۱۔ عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، ص:۲/ ۳۷۴ النملہ، المھذب، ص:۲/ ۶۹۰ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۵۴

۲۔ سرخسی، اصول السرخسی، ص:۱/ ۳۴۵

۳۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۵۴

۴۔ الجوینی، البرھان، ص:۳۸۹

۵۔ عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، ص:۲/ ۳۷۵

۶۔ رازی، المحصول، ص:۹۹۶

۷۔ الباجی، احکام الفصول، ص:۲۵۴

۸۔ فلمبان، خبر واحد اذا خالف عمل اھل مدینہ، ص:۴۱

۹۔ رازی، المحصول، ص:۳/ ۱۰۱۶

خطرے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں ہم یہ کبھی نہیں سوچتے کہ یہ تو خبر واحد ہے لہٰذا اس کی پرواہ نہ کی جائے اس لیے عقل کا تقاضا یہ ہے کہ خبر واحد کو قبول کیا جائے۔(۱)

خبر واحد کی حجیت پر عقل کی دلالت

جب کسی خبر کے سچے ہونے کا علم ہو جائے تو اس پر عمل کیا جاتا ہے کسی بھی خبر میں دو احتمال ہوتے ہیں ایک احتمال صدق ہے اور دوسرا احتمال کذب ہے۔ جب راوی کی عدالت کے بعد خبر کے صادق ہونے کو ترجیح حاصل ہو گئی ہے یہ سچ ہونے کا رجحان آنے کے بعد عقل کہتی ہے کہ یہ عمل حجت ہے۔(۲)

علامہ آمدی نے خبر واحد کی حجیت پر مندرجہ ذیل دلائل دیے ہیں۔

۱۔ خبر واحد میں اس کے سچے ہونے کا احتمال موجود ہوتا ہے اور اگر اس کے مطابق عمل نہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ترک ہو جائے اور اس طرح خبر واحد پر عمل نہ کرنا احتیاط کے خلاف ہے۔

۲۔ جب کوئی نیا مسئلہ درپیش ہو اور مفتی سے فتوی مانگا جائے اور اس کے پاس فقط خبر واحد ہو اگر وہ خبر واحد کے ذریعے حکم نہیں لگاتا تو مسئلہ بغیر حکم کے رہ جائے گا۔ مسئلہ ہو گا مگر اس کا حکم نہ ہو گا جو کہ ایک امر ممتنع ہے۔

۳۔ اگر اس بات کے قائل ہو جائیں کہ خبر واحد قابل قبول نہیں ہے تو عصر رسولؐ کے لوگوں کے لیے خود ذاتِ رسولؐ کی تحقیق ممکن نہ رہے گی اب یا تو سب انسان تحقیق رسالت کے لیے خود نبی اکرمؐ کے پاس آئیں یا نبی اکرم ﷺ ان سب کے پاس چلے جائیں یہ دونوں کام ناممکن ہیں اور نبی کی نبوت کا صرف خبر متواتر کے ذریعے ثابت ہونا ہر ایک آدمی لیے یہ ایک امر مشکل ہے پس خبر واحد کو حجت ماننا پڑے گا۔

۴۔ رسولؐ کی کسی بھی امر و نہی میں مخالفت کرنا موجب سزا ہے اور جب خبر واحد کے ذریعے سے کسی امر رسولؐ کا پتہ چل گیا تو اس خبر سے امر رسولؐ کا ظن حاصل ہو گیا۔ اب یا تو راجح اور مرجوح دونوں پر عمل کیا جائے یا دونوں کو ترک کر دیا جائے یا طرف مرجوح پر عمل کیا جائے راجح کو چھوڑ دیں یا اس کا الٹ کہ راجح پر عمل کریں اور مرجوح کو چھوڑ دیں پہلی دوسری اور تیسری پر عمل نہیں ہو سکتا چھوتی صورت پر عمل کیا جائے گا اور یہی ہمارا مطلوب ہے جو ثابت ہو گیا ۔(۳)

امام بزدوی کہتے ہیں کہ خبر واحد کو قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ بنی اکرم ﷺ اس بات پر مامور کیے گیے ہیں کہ جو وحی ان پر نازل ہو وہ اس کی تبلیغ کریں اور یہ تبلیغ کرنا صرف اخبار آحاد کے ذریعے ہی ممکن ہے اس لیے ان کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے کیونکہ صدق کو قبول کرنا ضروری ہے اور کذب کو ترک کرنا ضروری ہے مگر اس وقت صدق کو رد نہیں کر سکتے جب کذب کا احتمال ہو۔(۴)

علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ خبر واحد پر عمل کرنا ضروری ہے اور عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ اگر ہم یہ کہیں قطع پر عمل کرنا ضروری ہے تو شریعت میں قطع کے ذریعے ثابت ہونے والے احکام کی تعداد انتہائی کم ہے اس لیے شریعت میں معطل ہو جائے گی پس عقل اس بات کو ضروری قرار دیتی ہے کہ خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہے تا کہ شریعت پر عمل ہو اور یہ معطل نہ ہو جائے۔(۵)

۱۔ فلمبان، خبر واحد اذا خالف عمل اھل مدینہ، ص:۴۳

۲۔ عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، ص:۲/ ۳۷۵

۳۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۲/ ۷۸-۸۰

۴۔ البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص:۱۳۱

۵۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۵۳

مبحث اول: سنت کے ذریعے قرآن کی تخصیص

مبحث دوم: نسخ اور سنت

مبحث سوم: خبر واحد کے ذریعے حکم قرآن کا منسوخ ہونا

قرآن کی سنت کے ذریعے تخصیص کرنا درست ہے اصولیوں نے کتاب کی خبر واحد سے کرنے میں اختلاف کیا ہے لیکن شیخ طوسی اور تمام متاخرین اس بات کے قائل ہیں خبر واحد کے ذریعے کتاب کی تخصیص کی جاسکتی ہے۔[۱]

سنت کے ذریعے قرآن کی تخصیص ہو سکتی ہے چاہے ہم تک خبر متواتر کے ذریعے پہنچی ہو یا یہ سنت خبر واحد کے ذریعے پہنچی ہو۔[۲]

مشہور ایرانی محقق علی اصغر رضوانی نے لکھا ہے کہ خبر متواتر کے ذریعے قرآن کی تخصیص کی جاسکتی ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور خبر واحد کے بارے میں جمہور مسلمین کی رائے یہ ہے کہ اس سے قرآن کی تخصیص کی جا سکتی ہے۔[۳]

حنفی نقطہ نظر

علامہ شاشی لکھتے ہیں کہ خبر واحد کے ذریعے قرآن کی تخصیص کی جاسکتی ہے[۴] امام بزدوی کہتے ہیں کہ تمام متاخرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر واحد کے ذریعے قرآن کی تخصیص کی جاسکتی ہے البتہ متقدمین نے اس سے اختلاف کیا ہے[۵] قرآن پاک یقینی الصدور ہے عام کتاب کی خبر واحد کے ذریعے تخصیص نہیں کی جاسکتی صرف امام شافعی نے اس کے اجازت دی ہے۔[۶]

مالکی نقطہ نظر

عموم سنت کی تخصیص قرآن سے جاسکتی ہے کیونکہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾[۷]

ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے۔

قرآن ہر چیز کو بیان کرنے والا ہے لہذا عموم کے لیے بھی بیان واقع ہو سکتا ہے۔[۸]

علامہ قرافی لکھتے ہیں کہ سنت متواترہ کے ذریعے قرآن کی تخصیص کی جاسکتی ہے۔[۹]

علامہ تلمسانی فرماتے ہیں کہ کتاب کی کتاب سے اور سنت کی سنت اسی طرح سنت متواترۃ سے قرآن کی تخصیص جائز ہے جمہور کی یہی رائے ہے قرآن کی خبر واحد کے ذریعے سے تخصیص لگانا اکثر علما کے نزدیک مطلقا جائز ہے ہمارے نزدیک ادلہ کو جمع کرتے ہوئے عموم قرآنی کی خبر واحد کے ذریعے سے تخصیص ہو جاتی ہے کیونکہ عموم قرآنی نص نہیں ہے بلکہ ظاہر ہے اور عموم قرآنی کی خبر واحد کے ذریعے تخصیص جمع بین الادلۃ کی وجہ سے ہے۔[۱۰]

۱۔ قمی، تسدید الاصول، ص:۱/ ۵۳۲ سبحانی، الموجز فی اصول الفقہ، ص:۱۳۷

۲۔ الحکیم، الاصول العامہ، ص:۲۵۲

۳۔ رضوانی، اصول فقہ مقارن، ص:۷۹

۴۔ شاشی، اصول شاشی، ص:۲۰

۵۔ البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص:۲۷

۶۔ عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، ص:۳/ ۸

۷۔ سورۃ النحل:۱۶/ ۸۹

۸۔ الباجی، احکام الفصول، ص:۱۷۰

۹۔ قرافی، العقد المنظوم فی الخصوص والعموم، ص:۲/ ۳۰۳

۱۰۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۸۰

دیتے ہیں۔[۲] اسی طرح امام قرافی نے کہا ہے کہ شافعیہ، مالکیہ اور احناف کے نزدیک خبر واحد سے عموم قرآنی کی تخصیص ہو سکتی ہے۔[۳]

علامہ ابن حاجب نے بھی خبر واحد کے ذریعے قرآن کی تخصیص کو جائز قرار دیا ہے علامہ السبکی اپنی شہرہ آفاق شرح رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جمہور علما اور ائمہ اربعہ اس کے قائل تھے۔[۴]

شافعی نقطہ نظر

علامہ تاج الدین السبکی الشافعی لکھتے ہیں کہ سنت متواترہ کے ذریعے قرآن کی تخصیص کی جاسکتی ہے اسی طرح جمہور کے نزدیک خبر واحد کے ذریعے بھی قرآن کو تخصیص لگائی جاسکتی ہے۔[۵]

امام الحرمین امام الجوینی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک خبر واحد کے ذریعے عموم قرآن کی تخصیص کی جاسکتی ہے جیسے حضرت ابو بکر نبی اکرم ﷺ سے کسی عموم قرآنی کی تخصیص کی روایت کریں تو سارے صحابہ قبول کرتے اور کوئی بھی انکار نہ کرتا۔[۶]

حنبلی نقطہ نظر

قرآن کی سنت کے ذریعے تخصیص کرنا جائز ہے اور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ سنت کے ذریعے قرآن کی تخصیص ہوتی ہے اس کی بہت سے مثالوں ہیں جہاں سنت نے قرآن کی تخصیص کر دی ہے مثلا قرآن میں ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ﴾[۷]

اِن کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعہ سے حاصل کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔

اس آیت مجیدہ کی نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث نے تخصیص کر دی ہے تم کسی عورت کے ساتھ شادی نہیں کر سکتے جس کی پھوپھی یا خالہ سے شادی کی ہوئی ہو۔

آیت نے تمام کے حلال ہونے کی تخصیص کر کے اس میں سے بعض افراد کو نکال دیا ہے۔

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾[۸]

۱۔ الباجی، احکام الفصول، ص:۱۶۷

۲۔ ابن العربی، المحصول فی اصول الفقہ، ص:۸۸

۳۔ قرافی، العقد المنظوم فی الخصوص والعموم، ص:۲/۳۱۶

۴۔ السبکی، تاج الدین ابی النصر عبد الوھاب بن علی بن عبد الکافی، رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب، ط/۱، عالم الکتب للطباعۃ والنشر و التوزیع، بیروت، ۱۹۹۹ء، ص:۳/۳۱۴

۵۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۵۱

۶۔ الجوینی، البرھان، ص:۱/۲۸۶

۷۔ سورۃ النساء:۴/۲۴

۸۔ سورۃ النساء:۴/۱۱

نہیں بن سکتا اس سے میں اس قاعدہ عمومی سے اس مورد کو نکال دیا گیا ہے۔

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾[1]

چور اور چورنی دونوں کے ہاتھ کاٹو۔

اس آیت میں تمام چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جارہا ہے لیکن نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لا قطع فی ثمر پھل کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اب ایک عمومی حکم تھا جس میں ہر چور کے ہاتھ کاٹنے تھے مگر اس حدیث مبارکہ نے اس مورد کو ہاتھ کاٹنے سے خارج کر دیا ہے۔[2]

خبر واحد کے ذریعے قرآن کی تخصیص کرنا درست ہے اس پر صحابہ کرام کا اجماع واقع ہوا ہے صحابہ کرام خبر واحد کے ذریعے قرآن کو تخصیص لگایا کرتے تھے۔[3]

مذکورہ بالا سطور سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ قرآن میں آئے ہوئے کسی بھی حکم کی سنت متواتر کے ذریعے سے تخصیص کی جاسکتی ہے اس پر سب مسالک کے فقہا کا اتفاق ہے۔

۲۔ علمائے کرام نے اس بات پر بھی اتفاق کیا ہے کہ خبر واحد کے ذریعے بھی قرآن کی تخصیص واقع ہو سکتی ہے بلکہ واقع ہوئی ہے۔

۳۔ خبر واحد کے ذریعے بھی قرآن کی تخصیص کی ہے اس پر موجودہ حنفی علما کا اتفاق ہے مگر متقدمین نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

نتیجہ بحث یہ ہوا کہ قرآن اور سنت احکام شریعت کو حاصل کرنے کے دو بنیادی ذریعے ہیں ان سے احکام کا پتہ چلتا ہے اسی لیے قرآن میں آئے ہوئے کسی بھی حکم کی سنت کے ذریعے سے تخصیص کی جاسکتی ہے اس پر علمائے کرام نے اتفاق کیا ہے کیونکہ شریعت اسلامی میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جہاں پر ایک قرآنی حکم کو خبر واحد کے ذریعے تخصیص لگائی گئی ہے۔

۱۔ سورۃ المائدۃ:۵/۳۸

۲۔ ابن القیم، اعلام الموقعین، ص:۲/۳۱۸

۳۔ النملہ، الجامع، ص:۲۶۷،۲۶۶

قرآن کا حکم سنت رسول اکرم ﷺ کے ذریعے منسوخ ہوتا ہے یا نہیں ہو سکتا؟ اس پر شریعت اسلامی کے بہت سے مسائل موقوف ہیں کیونکہ جواز کی صورت میں جہاں بھی سنت نے قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کیا ہے وہ ختم ہو جائے گا اور سنت کے مطابق عمل کرنا ہو گا اور اگر سنت کے ذریعے قرآن کے نسخ کے قائل نہ ہوں تو قرآن کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

جعفری نقطہ نظر

علامہ سید تقی الحکیم فرماتے ہیں کہ سنت متواترہ قرآن کے حکم کو منسوخ کر سکتی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے مگر بحث اس میں ہے کہ کتنے احکام منسوخ ہوئے ہیں کیونکہ منسوخ احکام منسوخہ کی تعداد بہت کم ہے۔[1]

حنفی نقطہ نظر

علامہ عبد العزیز بخاری کشف الاسرار میں لکھتے ہیں کہ اکثر حنفی علما کی رائے یہ ہے کہ قرآن کا حکم سنت کے ذریعے منسوخ ہو سکتا ہے اور سنت قرآن کے ذریعے نسخ ہو سکتی ہے عقلا ناممکن نہیں ہے اور کوئی نص بھی اس میں مانع نہیں ہے کیونکہ نسخ حکم کی مدت کو بتا رہا ہوتا ہے اب اگر اس کے ختم ہونے کی مدت قرآن کی بجائے سنت کے ذریعے بیان ہو گئی تو یہ درست ہے کیونکہ سنت حکم کو ثابت کرنے میں قرآن کی طرح ہے اور نسخ میں قرآن کا حکم منسوخ ہو رہا ہے۔[2]

مشہور حنفی اصولی ابن خبازی کہتے ہیں کہ کتاب کو سنت اور سنت کو کتاب سے منسوخ کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے[3] امام شوکانی نے کہا ہے جمہور کے نزدیک سنت متواترہ کے ذریعے قرآن کو نسخ کرنا جائز ہے۔[4]

مالکی نقطہ نظر

ابن العربی نے کہا ہے کہ سنت متواترہ کے ذریعے قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کیا جا سکتا ہے لیکن خبر واحد کے ذریعے قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے[5] امام الباجی نے یہ کہا ہے کہ ہمارے شیوخ کا بھی یہی قول ہے کہ خبر متواتر کے ذریعے قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کرنا جائز ہے۔[6] علامہ الولاتی سنت متواترۃ کے ذریعے قرآن کو نسخ کیا جا سکتا ہے کیونکہ استدلال میں سنت متواترہ کا وہی مقام ہے جو قرآن کا ہے۔[7]

علامہ آمدی اور ڈاکٹر عبد الکریم النملہ کہتے ہیں کہ امام مالک اور مالکی علما سنت متواترۃ کے ذریعے قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کرنا جائز سمجھتے ہیں۔[8]

شافعی نقطہ نظر

۱۔ الحکیم، الاصول العامہ، ص:۲۵۶

۲۔ عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار، ص:۳/ ۱۸۲-۱۸۳

۳۔ الخبازی، المغنی، ص:۲۵۵

۴۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص:۲/ ۶۸

۵۔ ابن العربی، المحصول فی اصول الفقہ، ص:۱۴۶

۶۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص:۲/ ۶۹

۷۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۳۹

۸۔ آمدی، الاحکام، ص:۳/ ۲۱۷ النملہ، المھذب، ص:۲/ ۷۸۵

شافعی نے کہا ہے کہ قرآن کو سنت چاہے متواتر ہو یا آحاد ہو کسی سے بھی منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔(۳)

علامہ آمدی کہتے ہیں کہ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا یہ کہنا ہے کہ قرآن سنت متواترہ کے ذریعے نسخ نہیں ہو تا اس کے مد مقابل امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ امام احمدؒ اور جمہور متکلمین اسے جائز سمجھتے ہیں۔(۴)

امام الجوینی لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ حکم قرآن کو سنت کے ذریعے منسوخ نہیں کیا جا سکتا لیکن متکلمین یہ کہتے ہیں جو درست ہے کہ قرآن کو سنت کے ذریعے نسخ کیا جا سکتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتے اور جو کچھ بیان کرتے ہیں اللہ کے حکم سے بیان کرتے ہیں اس لیے اگر سنت میں کوئی ناسخ ہے تو اللہ ہی کی طرف سے ہے اس لیے سنت قرآن کو نسخ کر سکتی ہے۔(۵)

حنبلی نقطہ نظر

حکم قرآن کو سنت متواترۃ کے ذریعے منسوخ کیا جا سکتا ہے کیونکہ سند کے لحاظ سے یہ دونوں ہی متواتر ہیں دونوں کا ثابت ہونا یقینی ہے دونوں اللہ تعالی کی طرف سے ہیں اس لیے ان یہاں نسخ درست ہے۔(۶)

امام احمدؒ بن حنبل کا قول ہے اللہ نے اپنے نبیؐ کو مبعوث فرمایا اس پر کتاب نازل کی اور اللہ تعالی نے رسول اکرمؐ کو یہ منزلت دی کہ وہ ظاہر باطن، خاص عام، اور ناسخ منسوخ کا ارادہ کر سکتے ہیں(۷) علامہ ابن الہام لکھتے ہیں کہ قران کو سنت متواترۃ کے ذریعے سے نسخ کرنا عقلا اور شرعا جائز ہے۔(۸)

متذکرہ بالا آراء کی روشنی میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ اس بات پر علمائے کرام نے اتفاق کیا ہے کہ خبر متواتر کے ذریعے قرآن کو نسخ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ امام شافعیؒ اور ان کے ساتھ کچھ اور شافعی علما کی رائے یہ ہے کہ خبر متواتر کے ذریعے حکم قرآن کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا مگر امام شافعیؒ، امام فخر الدین رازی اور امام جوینی اس رائے کے قائل ہیں کہ سنت کے ذریعے حکم قرآن کو منسوخ کیا جا سکتا ہے۔

تمام بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امام شافعیؒ کے علاوہ باقی علما کرام اس بات پر متفق ہیں کہ خبر متواتر کے ذریعے قرآن نسخ ہو جاتا ہے۔

مبحث سوم: خبر واحد کے ذریعے حکم قرآن کا منسوخ ہونا

خبر واحد کے ذریعے قرآن مجید کی کسی آیت میں آئے ہوئے حکم کو منسوخ کیا جا سکتا ہے یا ایسا کرنا درست نہیں ہے؟ خبر واحد کے ذریعے نسخ کے درست ہونے کے قائل ہونے کی صورت میں بہت سے عملی احکام اس پر مرتب ہوتے ہیں اس حوالے سے فقہی مسالک کے فقہا کی آرا ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ رازی، فخر الدین بن عمر، المحصول فی علم اصول الفقه، ط/۱، مکتبہ نزار مصطفی الباز، ریاض ۱۹۹۷ء، ص:۲/۴۵۷

۲۔ غزالی، المستصفی، ص:۱/۸۷

۳۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص:۲/۶۹

۴۔ آمدی، الاحکام، ص:۳/۲۱۷ النملہ، المھذب، ص:۲/۵۸۷

۵۔ الجوینی، البرھان، ص:۲/۸۵۱

۶۔ النملہ، الجامع، ص:۱۵۶، ۱۵۵

۷۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۲/۷۸۷

۸۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقه، ص:۱۳۸

مسلمانوں کا اتفاق ہے بلکہ بعض علمانے اس پر اجماع کا دعوی بھی کیا ہے۔(۱)

حنفی نقطہ نظر

علامہ الخبازی کے مطابق خبر واحد کے ذریعے نسخ کتاب محض نبی اکرم ﷺ کی حیات میں درست تھا۔ آپؐ کی وفات کے بعد یہ درست نہیں ہے لیکن آپؐ کی وفات حسرتِ آیات کے بعد خبر واحد سے نسخ کتاب درست نہیں ہے۔(۲)

یہ زمانہ نبیؐ میں جائز تھا اس کے بعد جائز نہیں ہے اس قول کو امام غزالی، ابو الولید الباجی اور علامہ قرطبی نے بھی اختیار کیا ہے۔(۳)

مالکی نقطہ نظر

خبر واحد کے ذریعے قرآن مجید کو نسخ کرنا زمانہ نبیؐ میں جائز تھا اس کے بعد جائز نہیں ہے اس قول کو امام غزالی، ابو الولید الباجی اور علامہ قرطبی نے اختیار کیا ہے۔(۴) علامہ الولاتی کہتے ہیں کہ خبر واحد کے ذریعے قرآن کو نسخ کرنا ممکن نہیں ہے علمائے مالکیہ میں سے امام الباجی نے خبر واحد کے ذریعے نسخ قرآن کی اجازت دی ہے۔(۵)

شافعی نقطہ نظر

علامہ فخر الدین الرازی نے کہا ہے کہ خبر واحد کے ذریعے قرآن مجید کی کسی آیت کو منسوخ کرنا اجماعا جائز نہیں ہے اس پر تمام علما کا اتفاق ہے۔(۶) علامہ تاج الدین السبکی کہتے ہیں کہ قرآن کو خبر واحد کے ذریعے نسخ کرنا ممکن نہیں ہے یعنی کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے کہ خبر واحد کے ذریعے قرآن کی کسی آیت کو نسخ کر دیا جائے۔(۷)

حنبلی نقطہ نظر

خبر واحد کے ذریعے سے قرآن کو نسخ کرنا درست نہیں ہے کیونکہ قرآن کا شارع کی طرف سے ہونا یقینی طور پر ثابت ہے اور سنت کا شارع کی طرف سے صادر ہونا یقینی طور پر ثابت نہیں ہے دوسرا یہ کہ کہیں بھی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ قرآن کو خبر واحد کے ذریعے سے نسخ کر دیا گیا ہے۔(۸)

مذکورہ بالا آراء سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موجودہ زمانے میں خبر واحد کے ذریعے نسخ قرآن درست نہیں ہے۔

۲۔ فقہ مالکی اور فقہ حنفی کے مطابق یہ زمان نبی اکرم ﷺ میں درست تھا۔ اس کا آج کے فقہی معاملات اور احکام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ان تمام نظریات کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ امت اسلامی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موجودہ زمانے میں خبر واحد کسی بھی قرآنی آیت کو منسوخ نہیں کر سکتی بعض علما اس بات کے قائل ہیں کہ زمانہ نبی اکرم ﷺ میں جائز تھا اب جائز نہیں ہے

۱۔ الحکیم، الاصول العامہ، ص:۲۵۶ رضوانی، اصول فقہ مقارن، ص:۸۲

۲۔ الخبازی، المغنی، ص:۲۵۷

۳۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص:۲/۶۷

۴۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ص:۲/۶۷

۵۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۳۹

۶۔ رازی، المحصول، ص:۲/۷/۴۷

۷۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۶۶

۸۔ النملہ، الجامع، ص:۱۵۶، ۱۵۵

تقابلی جائزہ: دلیلِ اجماع کے تناظر میں

فصل اول: اجماع کا مفہوم

فصل دوم: اجماع کی اقسام

فصل سوم: اجماع کی شرائط

فصل چہارم: حجیت اجماع پر دلائل

فصل پنجم متعلقہ مباحث

ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دینا کے ہیں امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ:

الجمع ضم الشئ بتقریب بعضه من بعض یقال جمعته فاجتمع[1]

جمع کا لغوی معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے قریب لا کر باہم ملانے کا ہے جیسے کہا جاتا ہے میں نے اسے ملایا تو وہ مل گیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے

﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾[2]

سورج اور چاند اکٹھے کر دیے جائیں گے۔

الاجماع: الاعداد و العزیمة علی االامر[3]

﴿فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ﴾[4]

تم ایک متفقہ فیصلہ کر لو۔

اجماع کا اصطلاحی مفہوم

جعفری نقطہ نظر

الاجماع: اتفاق من یعتبر قوله فی الفتاوی الشرعیة علی امر من الامور الدینیة قولا کان او فعلا[5]

وہ لوگ جن کا قول شریعت میں فتوی دینے میں معتبر سمجھا جاتا ہے جب کسی حکم دینی پر قول یا فعل کے ذریعے اتفاق کر لیں تو وہ اجماع کہلاتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

الاجماع: هو اتفاق من العلماء علی وجه یکشف ذلك الاتفاق عن رضا المعصوم سواء اتفق العلماء کلهم او کان الاتفاق من البعض[6]

اجماع علما کا وہ اتفاق ہے جس کے ذریعے معصوم کی رائے پتہ چلے خواہ اس اتفاق میں تمام علما شامل ہو یا بعض علما شامل ہوں۔

الاجماع: هو اتفاق جمیع الفقهاء الاحیاء فی زمن الحکم موضوع الاجماع فی کل بلاد الاسلام[7]

۱۔ اصفہانی، ابی القاسم حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، اشاعت اکیڈمی، سوات سن، ص: ۱۰۴

۲۔ سورة القیامة: ۷۵/ ۹

۳۔ ابن منظور، لسان العرب، ص: ۲/ ۳۵۸

۴۔ سورة یونس: ۱۰/ ۷۱

۵۔ محقق حلی، معارج الاصول، ص: ۱۷۹

۶۔ بشیر حسین نجفی، مرقاة الاصول، ص: ۱۵۱

۷۔ صدر الدین، التمہید فی اصول الفقه، ص: ۲۷۹

حنفی نقطہ نظر

الاجماع: هو اتفاق علماء كل عصر من اهل العدالة و الاجتهاد على حكم[1]

کسی بھی زمانے میں موجود وہ علما جو اجتہاد اور عدالت رکھتے ہیں ان کا کسی بھی حکم پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

الاجماع: هو اتفاق المجتهدين من امة محمد ﷺ فى عصر على حكم شرعى[2]

امت محمدیہ ﷺ کے مجتہدین کا کسی بھی زمانے میں حکم شرعی پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

مالکی نقطہ نظر

اتفاق علماء العصر على حكم الحادثة[3]

کسی نئے درپیش مسئلہ پر علما کا اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

الاجماع: هو اتفاق جميع اهل العلم المجتهدين بعد وفاة النبى ﷺ فى عصر على اتباع حكم شرعى[4]

تمام اہل علم مجتہدین کا نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کسی زمانے میں ایک حکم شرعی کی اتباع پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

اتفاق مجتهدى الامة الاسلامية فى عصر من العصور على حكم شرعى[5]

امت اسلامی کے مجتہدین کا کسی بھی زمانے میں حکم شرعی پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

شافعی نقطہ نظر

هو اتفاق مجتهدى الامة بعد وفاة محمد ﷺ فى عصر على اى امر كان[6]

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کے زمانے میں کسی بھی حکم پر امت کے مجتہدین کا اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

۱۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/ ۸۰ دبوسی، تقویم الادلۃ فی اصول الفقہ، ص:۲۸

۲۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۱۵۹ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۳۵۰

۳۔ الباجی، الحدود، ص:۶۳

۴۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۶۴

۵۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۲۴

۶۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۷۶

امت محمد ﷺ کے تمام اہل حل و عقد کا کسی بھی زمانے میں کسی بھی واقعہ کے حکم پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

الاجماع: اتفاق المجتهدين من هذه الامة في عصر على حكم شرعي[۲]

امت کے مجتہدین کا کسی بھی زمانے میں حکم شرعی پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

علامہ سبکی، غزالی اور آمدی نے جس حکم پر اتفاق ہو اس کے شرعی ہونے کی قید نہیں لگائی امام غزالی اور علامہ خضری نے اس قید کو اختیار کیا ہے علامہ سبکی، غزالی اور آمدی کی رائے میں اجماع کا دائرہ صرف امور دینی تک محدود نہیں ہے بلکہ امت کو درپیش کسی بھی مسئلہ پر جب علماو مجتہدین اتفاق کر لیں گے وہ اجماع ہو گا۔

حنبلی نقطہ نظر

اتفاق مجتهدي هذه الامة بعد وفاة نبينا محمد ﷺ على امر ديني[۳]

امت کے مجتہدین کا نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کسی بھی حکم شرعی پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

اتفاق علماء العصر من امة محمد ﷺ على امر ديني من امور الدين[۴]

امت محمد ﷺ کے کسی زمانے کے علما کا کسی حکم شرعی پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

اتفاق علماء العصر على حكم حادثة[۵]

کسی بھی نئے حکم پر کسی زمانے کے علما کا اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

اتفاق جميع المجتهدين من امة محمد ﷺ في عصر بعد وفاته على حكم شرعي عملي[۶]

امت محمد ﷺ کے تمام مجتہدین کا آپؐ کی وفات کے بعد کے زمانے میں کسی عملی حکم شرعی پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

مشہور محقق دکتور فواد عبدالمنعم، ابن المنذر کی کتاب الاجماع کے مقدمے میں اجماع کی تمام تعریفوں کو ذکر کرنے کے بعد اس تعریف کو سب سے بہترین تعریف قرار دیا ہے۔

۱۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۲۸۲
۲۔ خضری، اصول الفقہ، ص:۲۷۱
۳۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۷۴ ابن النجار، شرح الکوکب المنیر، ص:۲/۲۱۱ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۲۴
۴۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۶۷
۵۔ ابن مفلح، اصول الفقہ، ص:۲/۳۴۷
۶۔ ابن المنذر، الاجماع للامام ابن المنذر، تحقیق دکتور فواد عبدالمنعم احمد، مؤسسہ شباب الجامعہ، الاسکندریہ، ۱۹۹۱ء، ص:۱۸

امت محمدیہ ﷺ کے مجتہدین کا آپ کی وفات کے بعد کسی زمانے میں
کسی بھی حکم دینی پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔

اس تعریف میں بہت سی قیود کا ذکر ہوا ہے ہم باری ان قیود کی وضاحت کرتے ہیں

۱۔اتفاق: یہاں پر اتفاق سے مراد علما کا کسی بھی قول، فعل یا تقریر پر متحد ہونا ہے۔

۲۔مجتہدی العصر: اس سے مجتہدین کے علاوہ تمام لوگ خارج ہو گئے یعنی وہ طلبا جو مشغول اجتہاد ہیں اور عوام ان کو اجماع میں کوئی دخل حاصل نہیں ہے دوسرا اس زمانے کے سارے مجتہد جس میں یہ عمل اجماع واقع ہو رہا ہے وہ اس میں شامل ہیں۔

۳۔من امۃ محمد ﷺ: اس قید کے ذریعے سابقہ امتوں کے اتفاق کو اجماع سے خارج کر دیا گیا ہے یعنی یہود و نصاری کے مجتہدین اگر کسی حکم پر اتفاق کر لیں تو ان کا اتفاق اجماع نہیں کہلائے گا۔

۴۔بعد وفاتہ: اس سے نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں مجتہدین کے اتفاق کو خارج کر دیا اگر نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں مجتہدین کسی حکم پر اتفاق کریں تو وہ اجماع نہیں کہلائے گا کیونکہ اجماع عصر اجتہاد میں ہے۔

۵۔علی ای امر کان من امور الدین: اس قید کے ذریعے یہ بتایا کہ اجماع ہمیشہ حکم شرعی سے متعلق ہوتا ہے جو حکم مکلف کو درپیش ہوتا ہے اس کے ذریعے سے مجتہدین کا وہ اتفاق اجماع سے نکل جاتا ہے جو حکم شرع کے متعلق نہ ہو مثلاً وہ حساب یا لغت کے کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیں تو ان کا یہ اتفاق اجماع نہیں ہوگا۔[۲]

علمائے کرام کی مندرجہ بالا تعریفوں سے یہ نکات سامنے آتے ہیں

۱۔علما کرام کی آراء سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ اجماع میں مجتہد کی رائے کو اہمیت حاصل ہے جہاں پر علما کہا گیا ہے وہاں پر بھی اس سے مراد مجتہدین ہیں عام عوام کی رائے کو اس میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔

۲۔اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ وہ اتفاق اجماع میں معتبر ہے جو نبی اکرم ﷺ کی زندگی مبارکہ کے بعد ہوا ہو۔

۳۔اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ وہ اجماع مراد ہے یا وہ اجماع حجت ہوگا جو کسی حکم شرعی کے بارے میں ہوا ہو۔

۴۔اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس اجماع کو حیثیت حاصل ہے جو امت محمدیہ ﷺ کا ہو اس کے علاوہ کسی کے اجماع کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔

۵۔اس پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ اجماع کسی بھی زمانے میں ہو سکتا ہے یہ کسی ایک خاص زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

۶۔اس پر بھی تمام مسالک کا اتفاق ہے کہ اجماع کے واقع ہونے میں کسی خاص جگہ کی بھی قید نہیں ہے جیسے فقط اہل مدینہ یا اہل الحرمین کا اجماع حجت ہو بلکہ تعریفوں میں واضح طور پر مذکور ہے کہ مجتہدین کا اتفاق مراد ہے ان کا تعلق جس علاقے سے مرضی ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۷۔فقہ جعفری میں ضروری نہیں ہے کہ اجماع میں سب مجتہدین اتفاق کریں بلکہ اگر ان کی تعداد کم بھی ہو تو اگر معصوم کی رائے کشف ہو رہی ہے تو وہ حجت ہوگا۔

۱۔النملہ، المھذب، ص:۲/۸۴۵

۲۔ایضاً، ص:۲/۷۴۶، ۷۴۵

تعریفوں میں جس پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ مجتہدین کا اتفاق ہے اسی اتفاق کے ذریعے سے حکم شرعی کو جانا جاتا ہے جب سب متفق ہو جائیں گے تب اجماع واقع ہو جائے گا۔ فقہ جعفری میں اس اتفاق کو اہمیت حاصل ہے جو معصوم کے فرمان کو کشف کر رہا ہو مجتہدین کا اکٹھا ہونا کافی نہیں ہے۔

مبحث اول: فقہ جعفری میں اجماع کی اقسام

مبحث دوم: مسالک اربعہ میں اجماع کی اقسام

کر دیا ہے تا کہ اجماع کی ہر قسم پر تفصیل سے گفتگو کی جا سکے علمائے کرام نے اجماع کی مندرجہ ذیل اقسام کو ذکر کیا ہے۔

فقہ جعفری کا نقطہ نظر

علمائے جعفریہ نے اجماع کی تین طرح سے تقسیم کی ہے۔

ا۔ اجماع میں مجتہدین نے اپنی رائے کو بیان کیا ہے یا بیان نہیں کیا اس اعتبار سے اجماع کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ اجماع الصریح: هو ان یصرح کل واحد من المجتهدین بقبول ذلك الرای المنعقد علیه[۱]

اجماع صریح اس اجماع کو کہا جاتا ہے جس میں ہر مجتہد جس حکم پر اجماع ہوا اس کے بارے میں اپنی رائے کو صراحت سے بیان کرتا ہے۔

فقہا کے نزدیک اجماع کی یہ قسم قطعی طور پر حجت ہے۔[۲]

ب۔ اجماع سکوتی: وهو ان یذهب واحد من اهل الاجتهاد الی رای و یعرف عصره ولا ینکر[۳]

کوئی مجتہد ایک رائے اختیار کر لیتا ہے اور اس عصر کے علمائے کرام اس کی مخالفت نہیں کرتے تو اس رائے پر اتفاق جب دوسروں نے صراحت نہیں کی ہوتی اجماع سکوتی کہلاتا ہے۔

اس کی حجیت کے بارے میں تین رائے ہیں ا۔ یہ حجت نہیں ہے ۲۔ یہ اجماع ہے مگر اس رتبہ اجماع صریحی سے کم ہے ۳۔ تیسری رائے یہ ہے کہ یہ حجت ہے مگر اجماع نہیں کسی اور وجہ سے حجت ہے۔[۴]

۲۔ اجماع کو کیسے حاصل کیا جاتا ہے اس لحاظ سے اجماع کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ اجماع محصل: الذی یحصله الفقیه بنفسه بتتبع اقوال اهل فتوی[۵]

اجماع محصل اس اجماع کو کہتے ہیں جیسے فقیہ خود اہل فتوی کے اقوال سے تلاش کرتا ہے۔

ب۔ اجماع منقول: الذی لم یحصله الفقیه بنفسه، وانما ینقله له من حصله من الفقهاء سواء کان النقل له بواسطة امر بوسائط

اجماع منقول اس اجماع کو کہا جاتا ہے جسے فقیہ خود حاصل نہیں کرتا بلکہ اسے وہ نقل کرتا ہے جسے یہ حاصل ہوا ہوتا ہے اس کے نقل ہونے میں ایک یا کئی واسطے ہو سکتے ہیں۔

ا۔ بحر العلوم، اجتہاد اصولہ و احکامہ، ص:۷۵

۲۔ بحر العلوم، اجتہاد و اصولہ و احکامہ، ص۷۷

۳۔ ایضاً، ص:۸٦

۴۔ بحر العلوم، اجتہاد و اصولہ و احکامہ، ص:٦۷

۵۔ بشیر حسین نجفی، مرقاۃ الاصول، ص:۱۵۲ بحر العلوم، اجتہاد اصولہ و احکامہ، ص:۸۵

۳۔ قولِ معصوم کشف کرنے کے اعتبار سے چار اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اجماع کی تعریف میں یہ بات ذکر ہوئی تھی کہ فقہ جعفری میں اجماع کی حجیت کا معیار یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے قول معصوم کا پتہ چلنا چاہیے اور اگر اجماع کے ذریعے قول معصوم کا پتہ نہیں چل رہا تو یہ اجماع حجت نہیں ہو گا اس کی کوئی خاص حیثیت نہ ہو گا اب یہاں ایک بنیادی نوعیت کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ معصوم سامنے تو موجود نہیں ہیں کہ ان سے براہ راست مسئلہ کو پوچھ لیا جائے کہ ان کی رائے اجماع کرنے والوں کے ساتھ شامل ہے یا معصوم کی رائے اس کے خلاف ہے؟ تو اب یہ کیسے معلوم ہو گا کہ قول معصوم اجماع کرنے والے کے ساتھ ہے تو علمائے جعفریہ نے اس کے مندرجہ ذیل طریقے بتائے ہیں جن کے ذریعے سے یہ معلوم ہو گا کہ معصوم کی رائے اجماع میں داخل ہے یا داخل نہیں ہے اس حوالے سے اجماع کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ اجماع حسی

اس اجماع کو اجماع دخولی بھی کہا جاتا ہے قدما کے ہاں یہ طریقہ معروف تھا سید مرتضیٰ نے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے اس طریقہ میں علما کے ساتھ امام کے موجود ہونے کا یقین ہو جاتا ہے مگر امام کو پہچانا نہیں جاتا کیونکہ اگر امام کے موجود ہونے کو جان لیا جائے تو وہ حکم از باب تقریر معصوم حجت ہو جائے گا یہ طریقہ صرف اس وقت قابل تصور ہے جب امام زندہ ہوں اور علما کسی بات پر متفق ہو جائیں کوئی بھی مخالفت نہ کرے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رائے امام بھی ان کے ساتھ تھی سب علما ایک ہی حکم پر اتفاق نہ کرتے۔[۲]

۲۔ لطفی اجماع

امام کی موجودگی میں یا امام کی غیر موجودگی میں کسی ایک زمانے کے علما کا اتفاق کر لینا اس سے عقلی طور پر رائے معصوم کشف ہو جاتی ہے کیونکہ لطف خدا کا تقاضا یہ ہے کہ جب سب لوگ غلطی پر جمع ہو رہے ہوں تو وہ امام کے ذریعے لوگوں کی ہدایت کرے شیخ طوسی اس قاعدے کے قائل ہیں اور اجماع سے اس قاعدے کے ذریعے رائے معصوم کے کشف کے قائل ہیں جبکہ سید مرتضیٰ اس قاعدے کے قائل نہیں ہیں اور اسے قبول نہیں کرتے اس قاعدے کا لازمہ یہ ہے کہ جب کوئی آیت یا سنت قطعی اجماع کرنے والوں کے خلاف ہو تو اجماع حجت نہیں ہو گا۔[۳]

۳۔ حدسی اجماع

ایک مسئلے میں شروع سے آج تک تمام علما متفق چلے آ رہے ہیں تو اس اتفاق سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ رائے معصوم بھی اس میں شامل ہے اگر رائے معصوم ان میں شامل نہ ہوتی تو کوئی نہ کوئی ضرور مخالفت کرتا اس طریقہ میں مشکل یہ ہے کہ تمام زمانوں کے علما کا اتفاق ضروری ہے جس کو معلوم کرنا ایک امر محال ہے ایک زمانے کے سبھی علما کا اتفاق حدسی طریقے سے رائے معصوم کو کشف نہیں کرتا متاخرین علما جعفریہ اسی کے قائل ہیں محقق خراسانی اسی کے قائل تھے۔[۴]

۴۔ تقریری طریقہ اجماع

معصوم کے سامنے ان کی موجودگی میں اگر علما کا کسی مسئلہ پر اتفاق ہو جائے تو یہ اجماع کاشف از رائے معصوم ہو گا کیونکہ امام روک سکتے تھے لیکن انہیں نہیں روکا۔[۵]

۱۔ بشیر حسین نجفی، مرقاۃ الاصول، ص:۱۵۳

۲۔ مظفر، اصول الفقہ، ص۴۶۱ صدر الدین، تمہید فی اصول الفقہ، ص:۲۹۳

۳۔ مظفر، اصول الفقہ، ص:۴۶۲

۴۔ صدر الدین، تمہید فی اصول الفقہ، ص:۱۹۴ مظفر، اصول الفقہ، ص:۴۶۲

۵۔ مظفر، اصول الفقہ، ص:۴۶۲

اجماع میں مجتہد اپنی رائے کا اظہار کرے گا یا اپنی رائے کا اظہار نہیں کرے گا اس اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں

اجماع صریح: ثبوت الاجماع منهم قد يكون بنصهم عليه
تمام کے تمام علما کسی مسئلہ میں نص فرما دیں۔

اجماع سکوتی: قد يكون بنص بعضهم و سكوت الباقين على الرد[1]
بعض مجتہدین کسی مسئلہ میں کوئی حکم دے دیں اور باقی تمام مجتہدین اس پر خاموش رہیں تو یہ اجماع سکوتی ہے۔

اجماع صریح: در پیش مسئلہ میں مجتہدین اپنی آراء کا اظہار کرتے ہیں اور پھر ایک رائے پر اتفاق کر لیتے ہیں اس کی مثال یوں ہو گی کہ تمام مجتہدین ایک مقام پر جمع ہیں ان سے الگ الگ مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے تو ان میں اختلاف ہوتا ہے مگر پھر وہ سب اس مسئلہ میں کسی ایک رائے کو اختیار کر لیتے ہیں تو یہ اجماع محصل کہلاتا ہے۔[2]

یہ اجماع قطعی طور پر حجت ہے اس کی مخالفت جائز نہیں ہے اور اسی طرح اسے توڑنا بھی جائز نہیں ہے۔[3]

اجماع سکوتی

بعض علما نے کوئی فتویٰ دیں یا کوئی فیصلہ کریں باقی علما اس پر خاموش رہیں اور اس پر کافی مدت گذر جائے اور تقیہ بھی نہ ہو۔

اکثر احناف کے نزدیک یہ اجماع حجیت رکھتا ہے۔[4]

مالکی نقطہ نظر

اجماع کیسے حاصل ہو گا اس اعتبار سے مالکی علما نے اجماع کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

اجماع صریح: هو ما صرح فيه اهل الاجماع بالحكم
اس میں اجماع کرنے والے تمام کے تمام مجتہدین صراحت کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر دیتے ہیں۔

اس اجماع کو حاصل کرنا بہت مشکل ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ اجماع واقع ہی نہیں ہوا تو یہ بہتر ہو گا لیکن یہ امکان سے خارج نہیں اور یہ ناممکن بھی نہیں ہے۔

اجماع سکوتی: هو ان يصرح بعض المجتهدين بالحكم و يشتهر قوله و يسكت الباقون عن انكاره[5]
اجماعِ سکوتی میں بعض مجتہدین حکم کی صراحت کرتے ہیں اور ان کی یہ رائے مشہور ہو جاتی ہے اور باقی تمام مجتہدین خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔

شافعی نقطہ نظر

اجماع کیسے حاصل ہو گا اس اعتبار سے شافعیؒ علما نے اجماع کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ دبوسی، تقويم الادلة في اصول الفقه، ص:۲۸

۲۔ زیدان، الوجیز، ص:۱۸۳

۳۔ ایضاً، ص:۱۸۴

۴۔ عبد العلی، فواتح الرحموت، ص:۲/ ۲۸۳ ابو زہرہ، ابو حنیفہ حیاتہ، ص ۲۷۳

۵۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۲۶

اس میں ہر مجتہد جس رائے پر اجماع منعقد ہو رہا ہوتا ہے اس کے موافق اظہار رائے کرتا ہے۔

اجماع صریحی: تمام مجتہدین رائے کا اظہار کریں یا کوئی عمل انجام دیں ان کا یہ عمل انجام دینا اس فعل کے جائز ہونے پر دلیل ہو گا تو یہ اجماع صریح کہلاتا ہے۔[۲]

اجماع سکوتی: وھو ان یذھب واحد من اھل اجتھاد الی رای ویعرف فی عصرہ ولاینکر علیہ منکر[۳]

کوئی ایک مجتہد ایک رائے اختیار کرتا ہے اور یہ رائے مشہور ہو جاتی ہے اور اس زمانے کے تمام لوگ اسے جان لیتے ہیں اور کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتا تو یہ اجماع سکوتی ہو گا۔

اجماع سکوتی: بعض مجتہدین کسی مسئلہ میں رائے کا اظہار کرتے ہیں یا کوئی عمل کرتے ہیں اور ان کی یہ رائے یا عمل مشہور ہو کر سب کو معلوم ہو جاتا ہے اور باقی مجتہدین اس پر سکوت اختیار کرتے ہیں تو یہ اجماع سکوتی ہے۔[۴]

اجماع صریح جن فقہانے یہ کہا ہے کہ اجماع شرعی طور پر حجت ہے ان تمام فقہانے لکھا ہے کہ اجماع صریح یقینی طور پر حجت ہے۔[۵] اور اجماع سکوتی کے بارے میں قول صحیح یہ ہے کہ یہ حجت ہے۔[۶]

حنبلی نقطہ نظر

اجماع کیسے حاصل ہو گا اس اعتبار سے حنبلی علمانے اجماع کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

اجماع صریح: ان یصرح کل مجتھد برایہ فی المسئلۃ[۷]

وہ اجماع جس میں تمام مجتہدین مسئلہ میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔

یہ اجماع حجت ہے اس میں مشکل اس اجماع کے حاصل کرنے میں ہے کیونکہ اس عصر میں موجود تمام علما کی رائے کو سننا یہ ایک امر مشکل ہے۔[۸]

اجماع سکوتی: ان یعلن بعض المجتھدین رایا فی مسئلۃ و یسکت بقیۃ اھل عصرہ من المجتھدین[۹]

بعض مجہدین کسی مسئلہ میں اپنی رائے کو پیش کرتے ہیں اور یہ رائے مشہور ہو جائے اس زمانے کے باقی مجتہدین خاموشی اختیار کرتے ہیں۔

۱۔ ابوزہرۃ، اصول، ص:۲۰۵

۲۔ ابن الفرکاح، شرح الورقات، ص:۱۷۸، رازی، المحصول، ص:۴/۱۵۴

۳۔ ابوزہرۃ، اصول، ص:۲۰۵

۴۔ ابن الفرکاح، شرح الورقات، ص:۱۷۸، رازی، المحصول، ص:۴/۱۵۴

۵۔ ابوزہرۃ، اصول، ص:۲۰۵

۶۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۷۸

۷۔ النملہ، الجامع، ص:۳۲۹،۳۲۸، السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۳۰

۸۔ النملہ، الجامع، ص:۳۲۹،۳۲۸، السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۳۰

۹۔ ابن المفلح، اصول الفقہ، ص:۲/۴۲۶ النملہ، الجامع، ص:۳۲۹،۳۲۸ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۳۰ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۷۸ النملہ، المہذب، ص:۲/۹۳۳

رائے پر اجماع کا علان کر دیا جاتا ہے۔[1]

ڈاکٹر عبدالکریم النملہ نے ایک اور طرح سے اجماع کی تقسیم کی ہے اجماع سے قطع حاصل ہو تا ہے یا ظن حاصل ہو تا ہے اس اعتبار اس کی قسمیں ہیں۔

ا۔ اجماع قطعی: یہ وہ اجماع ہے جس میں یہ تین خصوصیات پائی جاتی ہوں ا۔ اس اجماع میں وہ تمام بنیادی شرائط موجود ہوں جو کسی بھی اجماع کے منعقد ہونے کے لیے ضروری ہیں ۲۔ اس مسئلہ میں تمام مجتہدین اپنی رائے کو بیان کر دیں یا بعض اپنی رائے کو صریحاً بیان کر دیں اور باقی اس رائے کے مطابق عمل کر لیں ۳۔ یہ اجماع نقل متواتر کے ذریعے ہم تک پہنچ جائے جن کسی اجماع میں یہ تین خصوصیات پائی جائیں تو وہ اجماع قطعی طور پر حجت رکھتا ہو گا۔

۲۔ اجماع ظنی: ان تین شرائط میں سے کسی ایک میں کوئی خلل آ جائے تو یہ اجماع ظنی ہو جائے گا جیسے ایک اجماع صریحی واقع ہو امگر وہ اجماع صریحی ہم تک خبر واحد کے ذریعے پہنچا تو یہ اجماع ظنی ہو جائے گا۔[2]

علمائے کرام کی مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

ا۔ علمائے کرام نے اجماع کی بنیادی تقسیم پر اتفاق کیا اور اس کی دو قسمیں کی ہیں۔

۲۔ مذکورۃ بالا آراء میں اس بات پر اتفاق پایا گیا کہ اجماع صریحی میں تمام مجتہدین اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں جب وہ باہم ایک ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں اجماع واقع ہو تا ہے۔

۳۔ اس بات پر بھی علمائے کرام نے اتفاق کیا ہے کہ اجماع سکوتی میں بعض رائے کا اظہار کرتے ہیں اور باقی خاموش رہتے ہیں ان کی اسی خاموشی اور مخالفت نہ کرنے کو ہی ان تمام کی رضامندی تصور کیا جاتا ہے۔

۴۔ علمائے کرام نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اجماع صریح حجت ہے اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے

۵۔ اجماع سکوتی کے بارے میں بھی اکثر علما کی رائے یہ ہے کہ یہ حجت ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

۶۔ فقہ جعفری میں اجماع محصل تو حجت ہے مگر اجماع منقول کے بارے میں تین آراء ہیں اس کے ساتھ ساتھ فقہ جعفری میں اجماع محصل اور منقول میں تقسیم ہو تا ہے اور اس کے ساتھ قول معصوم کے کشف ہونے کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم ہو تا ہے۔

اس تمام بحث سے یہ چیز کھل کر سامنے آتی ہے کہ اجماع کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں اور یہ قسمیں تمام مسالک فقہیہ میں مشترک ہیں علمائے کرام اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اجماع صریحی حجت ہے اور اس کی حجیت قطعی اور یقینی ہے اس کی حجیت کے یقینی طور پر واجب العمل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور اجماع سکوتی کے بارے میں بھی علماء کی واضح اکثریت یہ رائے رکھتی ہے کہ یہ بھی حجت ہے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے گا البتہ اجماع سکوتی کی حجیت قطعی نہیں ظنی ہے مگر مقام عمل میں دونوں پر عمل کیا جائے گا۔

ا۔ ا بن المفلح ،اصول الفقہ، ص:۲/ ۴۲۶ النملہ،الجامع،ص:۳۲۹،۳۲۸ السلمی،اصول الفقہ،ص:۱۳۰ ابن قدامہ،روضۃ الناظر،ص:۷۸،النملہ،المہذب،ص:۲/ ۹۳۳

۲۔ النملہ،المہذب،ص:۲/ ۹۱۹،۹۱۷

فصل سوم: اجماع کی شرائط

مبحث اول: تمام امت کا اتفاق ضروری ہے یا اکثر کا اتفاق کافی ہے؟

مبحث دوم: کیا اجماع کے لیے کسی مستند کا ہونا ضروری ہے؟

مبحث سوم: کیا اجماع کرنے والوں کا مجتہد ہونا ضروری ہے؟

مبحث چہارم: کیا اجماع میں شرط ہے کہ یہ حکم شرعی پر ہو؟

مبحث پنجم: اجماع کی وہ اقسام جن کی حجیت میں اختلاف ہے

اجماع کے واقع ہونے کے لیے علما کرام نے مختلف شرائط کو ضروری قرار دیا ہے جب تک یہ شرائط نہیں ہوں گی اس وقت تک کوئی بھی اجماع واقع نہیں ہو سکتا ہم ان بنیادی شرائط کو تمام مسالک کی آراء کی روشنی میں دیکھیں گے۔

مبحث اول: تمام امت کا اتفاق ضروری ہے یا اکثر کا اتفاق کافی ہے؟

جعفری نقطہ نظر

فقہ جعفری کے مطابق اجماع کے حجت ہونے میں معیار قول معصوم کا کشف ہونا ہے جب معصوم کا قول کشف ہو رہا ہو تو اگرچہ بعض علما اس اجماع کی مخالفت ہی کیوں نہ کر رہے ہوں وہ اجماع حجت ہو گا اس میں افراد کا کم یا زیادہ ہونا مانع نہیں بن سکتا۔(۱)

حنفی نقطہ نظر

اگر اہل حل و عقد میں کسی ایک بھی شخص نے مخالفت کی جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو تو اجماع واقع نہیں ہو گا(۲)

علامہ عبد العلی لکھنوی کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اکثر کے کسی مسئلہ پر اتفاق کر لینے اور بہت کم کے اختلاف کرنے کو اجماع کہا ہے مگر قول حق یہ ہے کہ اسے اجماع نہیں کہا جائے گا اس کو حجیت حاصل نہیں۔(۳)

عبد الکریم زیدان لکھتے ہیں کہ اجماع میں یہ شرط ہے کہ تمام کے تمام مجتہدین اتفاق کریں اگر کوئی ایک مجتہد بھی مخالفت کرتا ہے تو اس وقت یہ اجماع حجت نہیں ہو گا۔(۴)

مالکی نقطہ نظر

امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ اکثر کے جمع ہونے اجماع واقع ہو جائے گا اور وہ حجت ہو گا جہاں تک علمائے مالکیہ کی بات ہے تو ان کی رائے منقسم ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ ایک معتبر آدمی کی مخالفت بھی اجماع کے انعقاد سے مانع ہو گی۔(۵)

شافعی نقطہ نظر

علامہ آمدی لکھتے ہیں کہ اکثر علما کے اتفاق سے اجماع واقع نہیں ہو گا کیونکہ جو روایات اجماع کو حجت قرار دیتی ہیں ان میں بتایا گیا ہے کہ خطا سے عصمت صرف اس اجماع کو حاصل ہے جس اجماع میں تمام علما کا اتفاق ہو۔(۶)

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اکثر کا اتفاق اجماع نہیں کہلائے گا امام رازی اور محمد بن جریر نے کہا ہے کہ ان کا یہ اتفاق اجماع ہو گا کیونکہ شاذ کی پیروی سے احادیث میں منع کیا گیا ہے ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ عصمت تمام امت کے اتفاق کو حاصل ہے اور یہ تمام کا اجماع نہیں ہے بلکہ اس میں اختلاف واقع ہوا ہے۔(۷)

علامہ ابن المفلح المقدسی کہتے ہیں کہ امام احمدؒ اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ ایک یا دو کی مخالفت کرنے سے اجماع منعقد نہیں ہو گا۔(۸)

۱۔ مظفر، اصول الفقه، ص: ۴۶۹ صدر الدین، التمهید فی اصول الفقه، ص: ۲۹۱

۲۔ النسفی، کشف الاسرار، ص: ۲/ ۱۸۸

۳۔ عبد العلی، فوتح الرحموت، ص: ۲/ ۲۷۲

۴۔ زیدان، الوجیز، ص: ۱۷۰

۵۔ الشعلان، اصول فقه الامام مالک، ص: ۲/ ۱۰۲۲

۶۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص: ۱/ ۳۳۷

۷۔ ابن قدامہ، روضة الناظر، ص: ۷۱

۸۔ ابن المفلح، اصول الفقه، ص: ۲/ ۴۰۳

علامہ ابن اللحام نے کہا ہے کہ اگر ایک یا دو علما مخالفت کرتے ہیں تو اجماع واقع نہیں ہو گا۔[۲]
علمائے کرام کی مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔
۱۔ اس بات پر علما کا اتفاق ہے کہ اس وقت تک اجماع واقع نہیں ہو گا جب سب کے سب مجتہدین کا اتفاق نہیں ہو جاتا۔
۲۔ فقہ جعفری میں اجماع کی حجیت کا دارومدار امام کی رائے کشف ہونے پر ہے وہ جتنے علما کے اتفاق سے پتہ چل جائے وہ حجت ہے۔
۳۔ ایک یا دو مجتہدین کی مخالفت بھی اجماع سے مانع بن جاتی ہے اس لیے جب تک سب کا اتفاق حاصل نہ ہو اجماع نہ ہو گا۔
۴۔ امام مالکؒ کی رائے کے مطابق اکثر کے اتفاق سے اجماع واقع ہو جاتا ہے مگر جہاں تک مالکیہ کی رائے کی بات تو ان کے ہاں ایک معتبر آدمی کی مخالفت بھی اجماع سے مانع بن جاتی ہے۔

مبحث دوم: کیا اجماع کے لیے مستند کا ہونا ضروری ہے؟

جعفری نقطہ نظر

فقہ جعفری میں اجماع کے دو بنیادی ارکان ہیں ا۔ کسی حکم شرعی پر فقہا کا اتحاد کرنا کم ہوں یا زیادہ اس سے فرق نہیں پڑتا ۲۔ یہ اتفاق رائے معصوم پر مشتمل ہو اجمالی طور پر اس بات کا قطعی علم ہونا چاہیے کہ امام اس اجماع میں داخل ہے۔[۳]

اس پر غور کیا جائے تو امامیہ کے ہاں مستند اجماع معصوم کی رائے بن رہی ہوتی ہے کیونکہ جب تک وہ اس اتفاق میں شامل نہیں ہو گی اتفاق محض کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس لیے مستند رائے معصوم ہے اور دوسرا اس رائے کو اجمالی طور پر معلوم ہونا چاہیے تاکہ اجماع حجت ہو سکے۔

محقق حلی لکھتے ہیں کہ اجماع مستند ظنی سے حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اجماع کو اس لیے مانا جاتا ہے کہ اس میں معصوم موجود ہے اور معصوم کا قول دلیل قطعی ہے مگر جس طرح سے خبر واحد کے ذریعے سے ظن حاصل ہوتا ہے۔[۴]

حنفی نقطہ نظر

علامہ ابن نجیم اور علامہ عبد العلی نے لکھا ہے خبر واحد اور قیاس اجماع کے لیے مستند واقع ہو سکتے ہیں ظاہریہ نے کہا ہے کہ قیاس اور خبر واحد مستند واقع نہیں ہو سکتے ان کا یہ قول درست نہیں ہے۔[۵]

قاضی محب اللہ بہاری نے مسلم الثبوت میں لکھا ہے اجماع اس وقت تک واقع نہیں ہوتا جب تک اس کے لیے کوئی مستند شرعی نہ ہو کیونکہ بغیر دلیل کے فتوی دینا حرام ہے اور بغیر کسی وجہ کے تمام علما کا ایک بات پر اتفاق ہونا عام طور پر محال ہے علامہ عبد العلی لکھنوی نے بھی اس مسلم الثبوت کی شرح میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔[۶]

۱۔ نملہ، الجامع، ص:۳۲۳ بدران، المدخل مذھب الامام احمد بن حنبل، ص:۲۸۰ النملہ، المھذب، ص:۲/۸۹۹
۲۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۷۴
۳۔ صدر الدین، التمھید فی اصول الفقہ، ص:۲۹۱
۴۔ محقق حلی، معارج الاصول، ص:۱۸۶
۵۔ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۳۵۴ عبد العلی، فواتح الرحموت، ص:۲/۲۹۰
۶۔ عبد العلی، فواتح الرحموت، ص:۲/۲۸۹

مسئلہ پر اتفاق کرتے ہیں تو ہم قطعی طور پر جان لیتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی قطعی دلیل تھی جس کی وجہ سے مجتہدین نے اس رائے پر اتفاق کیا ہے۔[1]

علامہ نسفی حنفی کہتے ہیں کہ سبب اجماع کبھی خبر واحد اور قیاس ہوتا ہے اور کبھی کتاب و سنت ہوتی ہیں بعض علما کی رائے یہ ہے کہ اجماع کا سبب خبر واحد بنتی ہے کتاب اور سنت متواترۃ اجماع کا سبب نہیں بن سکتیں کیونکہ قرآن اور سنت متواترۃ کسی بھی حکم کو ثابت کرنے لیے اجماع کے محتاج نہیں ہیں۔[2]

مالکی نقطہ نظر

علامہ الشنقیطی کہتے ہیں کہ علما کے نزدیک اجماع کے لیے مستند کا ہونا ضروری ہے یہ مستند نص یا امارۃ میں سے کوئی بھی ہو سکتی ہے اسی طرح علما کے نزدیک قیاس کا مستند واقع ہونا درست ہے۔[3]

اجماع کے لیے کسی نہ کسی مستند کا ہونا ضروری ہے وہ مستند دلیل، امارۃ یا قیاس میں سے کوئی ایک ہو سکتا ہے۔[4]

شافعی نقطہ نظر

علامہ خضری بک کہتے ہیں کہ اجماع صرف اس وقت واقع ہوتا ہے جب اس کی کوئی نہ کوئی مستند ہو مستند کے بغیر کوئی اجماع بھی حجت نہیں ہوتا کیونکہ بغیر مستند کے فتوی دینا ایسے ہی ہے جیسے بغیر علم کے دین کے بارے کوئی بات کرنا۔[5]

علامہ خضری نے مستند اجماع کی دو قسمیں یہاں کی ہیں۔

۱۔ قطعی: مستند اجماع قطعی ہو گی جیسا اکثر جن ادلہ کی طرف اجماع کی نسبت دی جاتی ہے وہ قطعی ہیں۔

۲۔ ظنی: مستند اجماع دلیل ظنی بھی ہو سکتی ہے جیسے قیاس اور خبر واحد یہ دونوں ظنی ادلہ ہیں جب یہ اجماع کی مستند بن رہی ہوں گی تو ان یہ مستند بھی ظنی ہو گی۔

البتہ یہاں ایک بات قابل توجہ رہے کہ قیاس کا اجماع کے لیے مستند بننا علما کے ہاں اختلاف رکھتا ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ قیاس اجماع کے لیے مستند واقع ہو سکتا ہے کیونکہ قیاس ادلہ احکام میں سے ایک دلیل ہے۔[6]

اکثر علما کے نزدیک قیاس اور اجتہاد اجماع کی مستند واقع ہو سکتے ہیں۔[7]

علامہ آمدی کہتے ہیں اجماع کے لیے کسی بھی مستند کی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالی کی دی ہوئی توفیق سے اجماع فقط حق بات پر ہی ہوتا ہے۔[8]

۱۔ زیدان، الوجیز، ص:۱۸۳

۲۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/ ۱۹۲

۳۔ الشنقیطی، درر الاصول، ص:۶۸

۴۔ الشعلان، اصول فقه الامام مالك، ص:۲/ ۱۰۲۵

۵۔ خضری، اصول الفقه، ص:۲۸۲، ۲۸۱

۶۔ ایضاً، ص:۲۷۱

۷۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/ ۳۷۹

۸۔ الحکیم، الاصول العامه، ص:۲۶۴

ہو۔[1]

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن قدامہ اور علامہ ابن المفلح کہتے ہیں کہ وہ اجماع حجت ہے جس کی مستند قرآن و سنت میں سے کوئی ایک بن رہا ہوں۔[2]

شیخ بدران کہتے ہیں کہ اجماع صرف وہ ہو گا جس پر دلیل ہو جس پر دلیل نہ ہو وہ اجماع ہی نہیں ہو گا کیونکہ اجماع مجتہدین کی آراء کی روشنی میں تشکیل پاتا ہے اور مجتہد کوئی بات بغیر دلیل کے نہیں کہتا اور بغیر دلیل کے کوئی بات کہنا خطا ہے قیاس اور اجتہاد اجماع کے لیے مستند بن سکتے ہیں۔[3]

اجماع کے حجت ہونے میں یہ شرط ہے کہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی مستند یا دلیل کا ہونا ضروری ہے جو اس اجماع کا موجب بن رہی ہو تمام امت کے علما کسی بات پر اس وقت تک جمع نہیں ہو سکتے جب تک کوئی دلیل نہ ہو جس پر یہ اعتماد کریں اس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ قطعی جیسے قرآن و سنت ۲۔ ظنی جیسے خبر واحد۔[4]

ڈاکٹر عبد الکریم النملہ نے اس پر بہت سی دلیلوں کو ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ ہر چیز وحی کے ذریعے بتاتے تھے جیسے تو اس امت کے علما بھی جب کسی مسئلہ پر اجماع کرتے ہیں وہ کسی مستند کی بنیاد پر ہی کرتے ہیں اور ایک اور انتہائی اہم بات وہ یہ ہے کہ جب کسی دلیل یا امارہ کے بغیر کسی مسئلہ میں اتفاق کریں گے تو اس بات کا امکان رہتا ہے کہ وہ جس قول پر اجماع کریں وہ حق نہ ہو اس لیے ضروری ہے کہ اجماع کے لیے کوئی نہ کوئی مستند ہو۔[5]

مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

ا۔ علمائے کرام کی رائے کے مطابق کوئی اجماع اس وقت تک واقع نہیں ہو سکتا جب تک اس اجماع کی کوئی مستند نہ ہو۔

۲۔ بعض علمائے کرام جیسے علامہ آمدی نے اجماع کے لیے کسی بھی مستند کے ضروری ہونے کا انکار کیا ہے۔

۳۔ یہ مستند کبھی دلیل قطعی ہو گی جیسے کسی بھی اجماع کی مستند اگر قرآن بن رہا ہو تو یہ مستند دلیل قطعی ہے۔

۴۔ بعض اوقات کسی اجماع کی مستند دلیل ظنی ہوتی ہے جیسے کسی اجماع کا مستند خبر واحد ہو۔

علمائے کرام کی آراء کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اجماع بغیر کسی سبب کے واقع نہیں ہوتا جب بھی کسی حکم پر پوری امت کے مجتہدین اتفاق کرتے ہیں تو اس کی کوئی نہ کوئی مستند ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کا اس مسئلہ پر اتفاق ہو رہا ہوتا ہے اصل میں یہی مستند ہی اس بات کا باعث بنتی ہے کہ تمام مجتہدین جن کے علاقے مختلف جن حالات الگ الگ ہیں جن کا قرآن و سنت کا علم الگ الگ ہے مگر اس کے باوجود وہ کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیتے ہیں۔

کیا اجماع کا تواتر سے نقل ہونا شرط ہے؟

اکثر علمائے احناف، بعض مالکیہ، بعض شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اجماع کا تواتر سے نقل ہونا شرط نہیں ہے جو اجماع خبر واحد کے ذریعے سے نقل ہو گا وہ بھی حجت ہے کیونکہ وہ اجماع جو خبر واحد کے ذریعے ہم تک پہنچے گا وہ ظنی ہو گا

ا۔ ابوزہرۃ، اصول الفقہ، ص:۲۰۹

۲۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۱۳۳؛ المفلح، اصول الفقہ، ص:۳۰۶

۳۔ بدران، المدخل مذہب الامام احمد بن حنبل، ص:۲۸۳

۴۔ النملہ، الجامع، ص:۳۲۵، ۳۲۴

۵۔ النملہ، المہذب، ص:۲/۹۰۰

ہوتی ہے۔

مبحث سوم: کیا اجماع کرنے والوں کا مجتہد ہونا شرط ہے؟

جعفری نقطہ نظر

علمائے جعفریہ کی رائے کے مطابق مجتہدین کا اتفاق ہی اجماع کہلاتا ہے اور اجماع کرنے والوں میں یہ شرط ہے کہ وہ مجتہد ہوں۔[۲]

حنفی نقطہ نظر

اجماع میں یہ شرط ہے کہ جو لوگ اجماع کر رہے ہوں وہ سب مجتہد ہوں غیر مجتہد لوگوں کا اتفاق اجماع نہیں ہوتا۔[۳]

مالکی نقطہ نظر

علامہ ابن العربی مالکی کہتے ہیں کہ اہل حل و عقد کے اتفاق سے ہی اجماع حاصل ہوتا ہے اور مذہب کے اہل حل و عقد مجتہدین ہیں۔[۴]

شافعی نقطہ نظر

علامہ تاج السبکی کہتے ہیں لکھتے ہیں امت محمد ﷺ کے مجتہدین کا اتفاق ہی اجماع کہلاتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اجماع مجتہدین کی رائے کے نتیجے میں ہی معرض وجود میں آئے۔[۵] علامہ آمدی نے اہل حل و عقد کی قید لگائی ہے کہ اجماع ان کی آراء سے تشکیل پائے گا ایک ہی بات ہے کیونکہ حل و عقد سے مراد مجتہدین ہی ہیں۔[۶]

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن اللحام اور علامہ ابن النجار حنبلی لکھتے ہیں کہ اجماع اس وقت واقع ہو گا جب اس اجماع کو انجام دینے والے مجتہدین ہوں ان مجتہدین کے اتفاق کو ہی اجماع کہا جائے گا۔[۷]

علمائے کرام کی مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے اجماع کا واقع ہونا مجتہدین کی رائے پر موقوف ہے کسی بھی مسئلہ میں اس وقت ہی اجماع واقع ہوتا ہے جب اس میں تمام مجتہدین کا اتفاق ہو جائے گا اور ان کے اتفاق سے حاصل ہونا والا اجماع شریعت اسلامی میں حجت ہے۔

مبحث چہارم: کیا اجماع میں شرط ہے کہ یہ حکم شرعی پر ہو؟

جعفری نقطہ نظر

۱۔ النملہ، المہذب، ص:۲/ ۹۱۲

۲۔ صدر الدین، التمہید فی اصول الفقہ، ص:۲۷۹

۳۔ زیدان، الوجیز، ص:۱۷۹ شاشی، اصول شاشی، ص:۱۸۲

۴۔ ابن العربی، المحصول، ص:۱۲۱

۵۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۷۶

۶۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/ ۲۸۲

۷۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۷۴ ابن النجار، شرح الکوکب المنیر، ص:۲/ ۱۲۱۱ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۲۴

حنفی نقطہ نظر

مجتہدین جس مسئلہ پر اجماع کر رہے ہوں وہ اجماع کسی حکم شرعی پر ہونا چاہیے کسی حکم کے واجب ہونے حرام ہونے مکروہ ہونے پر تو وہ اجماع حجت ہو گا مثلا طب یا ریاضی میں اگر مجتہدین اتفاق کر لیں تو یہ وہ اجماع نہیں ہے جس کی حجیت کی ہم بات کر رہے ہیں امام شاشی نے بھی کہا ہے کہ اجماع حکم شرعی پر ہونا چاہیے۔(۲)

مالکی نقطہ نظر

علامہ الولاتی مالکی لکھتے ہیں کہ اجماع میں مجتہدین کسی حکم شرعی پر اتفاق کرتے ہیں ان کا حکم شرعی پر اتفاق کرنا معتبر ہوتا ہے۔(۳)

شافعی نقطہ نظر

فقہ شافعی میں اس مسئلہ میں دو رائے موجود ہیں علامہ آمدی لکھتے ہیں کہ اہل حل و عقد کا کسی بھی واقعہ پر اتفاق کر لینا اجماع ہے۔(۴) اس کے ساتھ علامہ خضری بک لکھتے ہیں کہ جس حکم پر اجماع واقع ہو رہا ہے اس کا حکم شرعی ہونا ضروری ہوتا ہے۔(۵)

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن قدامہ، علامہ ابن اللحام حنبلی اور دیگر بہت سے حنبلی علما نے لکھا ہے کہ اجماع میں جس حکم پر اتفاق کیا جا رہا ہے وہ کوئی دینی حکم ہونا چاہیے اس کا تعلق شریعت سے ہونا چاہیے۔(۶)

علمائے کرام کی ان آراء کے نتیجے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مجتہدین جس حکم پر اتفاق کر رہے ہیں وہ حکم شرعی ہونا چاہیے اگر وہ حکم شرعی ہو گا تو وہ حجت ہو گا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہو گا شرعی حکم کے علاوہ دیگر احکام اجماع کے دائرہ کار میں داخل نہیں ہیں بعض علمائے کرام جیسے علامہ آمدی نے لکھا ہے کہ اجماع کسی بھی حکم پر ہو سکتا ہے اس کا حکم شرعی ہونا ضروری نہیں ہے جمہور علما کی رائے یہ ہے کہ اس کا حکم شرعی ہونا ضروری ہے۔

۱۔ محقق حلی، معارج الاصول، ص:۱۷۹

۲۔ زیدان، الوجیز، ص:۱۸۱ شاشی، اصول شاشی، ص ۱۸۱

۳۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۶۴

۴۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/ ۲۸۲

۵۔ خضری، اصول الفقہ، ص:۲۷۱

۶۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۶۷ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۷۴ ابن النجار، شرح الکوکب المنیر، ص:۲/ ۲۱۱ السلمی ،اصول الفقہ، ص:۱۲۴

مبحث اول: اجماع کی حجیت پر قرآن کی دلالت

مبحث دوم: اجماع کی حجیت پر سنت کی دلالت

مبحث سوم: اجماع کی حجیت پر عقل کی دلالت

مبحث چہارم: مسالک کی آراء

شریعت مقدسہ اسلام میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن پر دلیل اجماع ہے اس لیے کسی بھی فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ کسی بھی مسئلہ میں کوئی رائے دینا چاہیے تو اسے اجماعات کا علم ہونا چاہیے تاکہ جب وہ کسی رائے کا اظہار کرے تو وہ کسی اجماع کے خلاف نہ ہو اسی طرح خود اجماع کی حجیت کس درجہ کی ہے اس سے کیسے استفادہ کیا جاتا ہے ان سب کا جاننا انتہائی ضروری ہے تاکہ درست انداز میں اجماع سے استفادہ کیا جاسکے۔

مبحث اول: اجماع کی حجیت پر قرآن کی دلالت

کسی بھی چیز کی حجیت پر سب سے معتبر دلیل قرآن ہوتا ہے علماء کرام نے اجماع کی حجیت پر بہت سی آیات سے استدلال کیا ہے ہم ان میں سے چند آیات کو ذکر کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے علمائے کرام نے ان آیات سے کس طرح استدلال کیا ہے۔

۱۔﴿ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴾(۱)

مگر جو شخص رسول ﷺ کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، درآں حالیکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو اُس کو ہم اُسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔

آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو مومنین کے علاوہ کسی اور راستے کی پیروی کرے گا وہ عذاب کا مستحق ہو گا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مومنین کے علاوہ دوسروں کے راستے پر چلنا درست نہیں ہے جب ان کے مخالف راستے پر چلنا درست نہیں ہے تو ان کے راستے پر چلنا واجب ہے۔(۲)

اس آیت میں سبیل مومنین کی اتباع کو واجب قرار دیا گیا ہے اور اس کی مخالفت کو حرام قرار دیا گیا ہے اور مومنین کا راستہ اجماع کے ذریعے پتہ چل جاتا ہے اس لیے اس کی پیروی ضروری ہے۔(۳)

آیت میں مومنین کے راستے پر نہ چلنے کی صورت میں عذاب کا حکم آیا ہے اب اگر مومنین کے علاوہ دیگر کا طریقہ حرام اس نہ ہوتا تو اس پر عذاب کا نہ کہا جاتا اس لیے مومنین کی راستے پر چلنا ضروری ہے اور یہی اجماع ہے۔(۴)

علامہ بزدوی کہتے ہیں کہ اس آیت مجیدہ میں مومنین کے علاوہ دوسرے راستے کو مشاقۃ الرسولؐ قرار دیا گیا ہے مشاقۃ الرسولؐ غلط ہے اور درست نہیں ہے اسی طرح غیر مومنین کے راستے کی پیروی بھی حرام ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خود مومنین کے راستے کی پیروری کرنا حق وحقیقت ہے۔(۵)

۱۔ سورۃ النساء:۴/۱۱۵

۲۔ صدر الدین، التمہید فی اصول الفقہ، ص:۲۸۴

۳۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۶۷؛ ابن القصار، المقدمۃ فی اصول الفقہ، ص:۴۵

۴۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۲۸۶؛ طوسی، العدۃ فی اصول الفقہ، ص:۶۳۴؛ محقق حلی، معارج الاصول، ص:۱۸۲

۵۔ البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص:۱۵۱

علامہ خضری کہتے ہیں کہ باقی تمام آیات کا ظہور اس معنی ہے جو ہم مراد لے رہے ہیں اجماع کی حجیت پر جن آیات سے استدلال کیا جاتا ہے ان تمام آیات میں سب سے اقوی آیت جو اجماع پر دلالت کرتی ہے وہ یہ آیت ہے جو مومنین کے راستے پر چلنے کو واجب قرار دیتی ہے۔(۲)

الشعلان کہتے ہیں کہ اس آیت میں مومنین کے علاوہ باقی لوگوں کے طریقے پر چلنے کی صورت میں عذاب کا حکم آیا ہے جب مومنین راستے کی مخالفت حرام ہے تو اس کی اتباع ضروری ہے اور یہی اجماع ہے۔(۳)

مشاقہ رسول ﷺ سے مراد یہ ہے کہ جو نبی اکرم ﷺ اللہ کی طرف سے لائے ہیں اس کی مخالفت کرنا اور سبیل مومنین سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ مومنین نے قول اور فعل میں سے اختیار کیا ہے اسے اپنے لیے اختیار کرنا اگر اسے اختیار نہ کیا تو اس پر عذاب کی وعید ہے یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مومنین کی پیروی واجب ہے۔(۴)

ابن العربی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں مومنین کے راستہ کو چھوڑنے پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے اور جہنم کی وعید ترک فرض پر دی جاتی ہے اس لیے اجماع حجت ہے۔(۵)

۲۔﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾(۶)

اور اِسی طرح تو ہم نے تمھیں ایک "امت وسط" بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو۔

یہاں پر اللہ تعالی نے امت کو اس کے قول کے قبول کرنے میں لوگوں پر حجت قرار دیا ہے لہذا جب امت متفق ہو جائے تو ان کا قول حجت ہو گا اور یہی اجماع ہے۔(۷)

اس آیت میں اللہ تعالی نے امت کا وصف وسطا بیان کیا ہے جس کا مطلب ہے وہ امت جو عادل ہو اب عادل وہ ہوتا ہے جس کی گواہی قبول کی جاتی ہے اور گواہی قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بات پر عمل کیا جاتا ہے اس لیے امت کی بات کو مانا جائے گا اس لیے امت جس قول کا اجماع کے ذریعے کہے اس کو ماننا واجب ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔(۸)

اس آیت میں وسطا سے مراد عدالت ہے اس لیے ان کا اجماع حجت ہونا چاہیے۔(۹)

جس طرح رسولؐ گواہ ہیں اسی طرح لوگ بھی گواہ ہیں رسولؐ کا قول حجت ہے لوگوں کا قول بھی حجت ہے۔(۱۰)

۱۔النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/۱۸۹

۲۔الخضری، اصول الفقه، ص:۲۸۶

۳۔الشعلان، اصول فقه الامام مالك، ص:۲/۱۰۰۴

۴۔النملہ، الجامع، ص:۲۱۷

۵۔ابن العربي، المحصول في اصول الفقه، ص:۱۲۳؛ ابن القصار، المقدمة في اصول الفقه، ص:۴۵

۶۔سورۃ البقرۃ:۲/۱۴۳

۷۔آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۳۰۲

۸۔النملہ، المهذب، ص:۲/۸۵۵

۹۔النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/۱۸۹

۱۰۔البزدوی، معرفة الحجج الشرعية، ص:۱۵۱

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

یہاں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور تفرقہ سے نہی کی گئی ہے امر جس چیز کا حکم دے رہا ہے نہی میں اسی کی تاکید ہے جب اجماع ہو جائے تو اس سے روگردانی سے منع ہے اور یہی مطلوب ہے۔[۲]

۴۔﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾[۳]

پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔

اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف اس وقت پلٹایا جائے گا جب تنازع ہو جائے اور اگر تنازع ہو ہی نہ تو اس کا معنی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اجماع حجت ہے۔[۴]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم اتفاق کر و تو وہ حق ہے جب حق ہے تو اسے حجیت حاصل ہے۔[۵]

یہ آیت مفہوم مخالف کے ذریعے دلالت کر رہی ہے کہ اگر امت تنازع نہ کرے اور اتفاق کر لے تو جس پر امت کا اتفاق ہو جائے وہ حق ہے۔[۶]

۵۔﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾[۷]

اور اِسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک "امت وسط" بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو۔

گواہ صرف وہ بن سکتا ہے جس کا قول حق ہو اور حجت ہو یہی معاملہ امت کا بھی ہے وہ تب گواہ بنیں گے جن ان کا قول حق ہو گا ان کا قول حق ہو گا تو حجت ہو گا یہی اجماع ہے۔[۸]

اللہ تعالی نے اس امت کو تمام امتوں پر گواہ قرار دیا ہے یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ امت جب کسی بات پر اتفاق کر لے تو وہ حجت ہونا چاہیے۔[۹]

محقق حلی کہتے ہیں یہاں وسط سے مراد صاحبان عدل اور چنیدہ لوگ ہیں اب یہ خطا پر جمع ہوں تو یہ درست نہیں ہے اس لیے ان کی بات اس آیت کے خلاف ہو گی۔[۱۰]

۱۔ سورۃ آل عمران:۳/۱۰۳

۲۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۳۱۱

۳۔ سورۃ النساء:۴/۵۹

۴۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۳۱۱

۵۔ الخضری، اصول الفقہ، ص:۲۸۶

۶۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۲۷

۷۔ سورۃ البقرۃ:۲/۱۴۳

۸۔ طوسی، العدۃ فی اصول الفقہ، ص:۶۳۴

۹۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۲۷

۱۰۔ محقق حلی، معارج الاصول، ص:۱۸۲

اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالی نے امت کا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دینے والی اور برائی سے منع کرنے والی ہو گی اس لیے یہ درست نہیں ہے کہ اس سے خطا واقع ہو کیونکہ اگر خطا واقع ہو جائے تو امت چنیدہ نہ رہے گی اور اسی طرح گمراہی سے روکنے اور نیکی کا حکم دینے والی صفات سے بھی خارج ہو جائے گی۔(۲)

اصل میں یہ ہے کہ جس سے خطا اور جھوٹ کا تصور بھی نہ ہو وہ جس طرف بلائے وہ حق ہو وہ جس طرف بھی بلائیں وہ معروف ہو جب ایسی بات ہے تو ان کا قول حق ہو گا اور یہی اجماع ہے کہ ان سب کا قول حق ہو گا تو حجت ہو گا۔(۳)

اس آیت میں ہے امت ہر نیکی کا حکم دے گی اور ہر برائی سے منع کرے گی اس کا تقاضا یہ ہے کہ امت ہر حال میں حق پر ہو جب یہ ہر حال میں حق پر ہو گی تو جس کسی چیز پر اجماع کر لیں تو ان کا اجماع حجت ہو۔(٤)

۷۔ ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾(۵)

مگر پیروی اُس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔

یہاں اللہ تعالی نے مومنوں کے طریقے پر عمل کرنے کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ سبیل من اناب مومنوں کا طریقہ ہے حق مومنوں سے خاص ہے۔(٦)

۸۔ ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللهِ﴾ (۷)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم اتفاق کر لو تو وہ حق ہے اور حق کی اطاعت کی جاتی ہے۔(۸)

مبحث دوم: اجماع کی حجیت پر سنت دلالت

اجماع کی حجیت پر نبی اکرم ﷺ کی سنت سے استدلال کیا گیا ہے علما کرام نے اس حوالے سے بہت زیادہ تفاصیل دی ہیں ہم ان روایات کو ذکر کریں گے اور علما نے ان سے کیسے استفادہ کیا اس کا مجموعی جائزہ لیں گے۔

((علیکم بالسواد الاعظم))(۹)

تم سواد اعظم کی ساتھ رہو۔

۱۔ سورۃ آل عمران:۳/۱۱۰

۲۔ طوسی، العدۃ فی اصول الفقه، ص:٦٤١

۳۔ البزدوی، معرفة الحجج الشرعية، ص:۱۵۱

۴۔ النملہ، المهذب، ص:۲/۸۵۷

۵۔ سورۃ لقمان:۳۱/۱۵

٦۔ طوسی، العدۃ فی اصول الفقه، ص:٦٤٢

۷۔ سورۃ الشوری:۴۲/۱۰

۸۔ الخضری، اصول الفقه، ص:۲۸٦

۹۔ البانی، محمد ناصر الدین، سلسلة الاحاديث الضعيفة و الموضوعة واثرها السئ فی الامة، ط/۱، جلد٦، مكتبة المعارف للنشر و التوزيع، ریاض، ۲۰۰۲ء، ص:۴۳۵

میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی جب تم ان میں اختلاف کو دیکھو تو سواد اعظم کے ساتھ ہو جاؤ۔

((ید اللہ علی الجماعۃ فاتبعوا السواد الأعظم فإنه من شذ شذ فی النار))[۲]

اللہ کی تائید جماعت کو حاصل ہے سواد اعظم کی پیروی کرو جو الگ ہو وہ جہنم میں چلا جائے گا۔

ان احادیث کے مطابق بھی سب خطا پر جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ تمام امت کے اجماع کو خطا سے عصمت حاصل ہے اس لیے تمام امت کا اجماع یقینی طور پر درست ہے۔[۳]

عبد الرحمان الشعلان لکھتے ہیں کہ یہ تمام احادیث احادیث آحاد ہیں ان کو الگ الگ دیکھا جائے تو کسی کی سند میں مسئلہ اور کسی کے متن میں مسئلہ ہے مگر جب ان سب کو ملا کر دیکھتے ہیں تو اس وقت ان کی دلالت جس معنی پر قطعی طور پر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس امت کا اجماع معصوم عن الخطاہے یعنی اجماع غلطی پر نہیں ہو سکتا[۴]

ان تمام احادیث کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان تمام کی بازگشت اس طرف ہے کہ امت رسول اکرم ﷺ معصوم ہے یہ تمام روایات عصمت امت پر دلالت کرتی ہیں۔

جب امت اتفاق کرلے تو اللہ تعالی امت کو ضلالت اور گمراہی سے بچائے گا پس ثابت ہو گیا کہ جس پر امت اتفاق کرلے وہ حق ہو گا اور یہ اتفاق شرعی احکام میں معتبر ہو گا یہاں علما اور مجتہدین کا قول معتبر ہو گا اور ان کا اجماع معصوم عن الخطاہے۔[۵]

شیخ طوسی ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ تمام روایات اخبار آحاد ہیں جو موجب علم نہیں ہیں۔[۶]

مبحث سوم اجماع کی حجیت پر عقل کی دلالت

تمام اہل علم وفضل اور ذکاء کا پوری کوشش اور دقت نظر کو کسی حکم شرعی کی تلاش میں صرف کر دینے کے باوجود خطا پر اتفاق کرلیناعادتا ممنوع ہے اس لیے ان تمام کا اتفاق درست بات پر ہی ہو گا۔

اس نظریہ پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ علمائے نصاری اور یہود بھی اپنے اپنے مذاہب کے سچے ہونے پر اجماع رکھتے ہیں تو کیا ان کا یہ اجماع ان کے لیے حجت اور درست ہو گا یقینا ایسا نہیں ہے۔[۷]

علامہ تقی الحکیم فرماتے ہیں کہ اجماع اس وقت حجت ہے جب قول معصوم کو کشف کرے شیخ طوسی نے اس رائے کو دریافت کرنے کا ایک طریقہ ذکر کیا ہے جو بنیادی طور پر ایک عقلی طریقہ ہے وہ فرماتے ہیں اللہ تعالی کے اپنے بندوں پر لطف کرم کی وجہ سے ضروری ہے کہ جب سب لوگ خطا پر جمع ہو رہے ہوں تو اس کی سیدھے راستے کی طرف

۱۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید أبو عبد اللہ القزوینی، السنن، دار الفکر، بیروت وتحقیق: محمد فؤاد عبد الباقی، حدیث نمبر: ۳۹۵۰، ص: ۲/ ۱۳۰۳

۲۔ حاکم، محمد بن عبد اللہ النیشابوری، المستدرک علی الصحیحین، ط/ ۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ، حدیث نمبر: ۳۹۱، ص: ۱/ ۱۹۹

۳۔ النسفی، کشف الاسرار، ص: ۲/ ۱۹۱

۴۔ الشعلان، اصول فقہ الامام مالک، ص: ۲/ ۱۰۰۶

۵۔ السلمی، اصول الفقہ، ص: ۱۲۷

۶۔ طوسی، العدۃ فی اصول الفقہ، ص: ۶۴۵

۷۔ الحکیم، الاصول العامہ، ص: ۲۷۲

ہونے سے روکے گا مگر اس پر اعتراض یہ ہے کہ جب فقہ جعفری کے نظریہ کے مطابق امام غائب ہیں اور ان کی غیبت میں مصلحت کی وجہ سے یہ رہنمائی اب ناممکن ہے۔(۱)

مبحث چہارم: مسالک کی آراء

جعفری نقطہ نظر

شیخ طوسی فرماتے ہیں کہ متکلمین اور فقہانے تمام تر اختلافات کے باوجود یہ رائے اختیار کی ہے کہ اجماع حجت ہے جمہور کی رائے یہ ہے کہ اجماع کی حجیت سمعی ادلہ کے ذریعے ہے عقل کے ذریعے نہیں ہے بہت کم لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اجماع کی حجیت عقلی ادلہ سے ہے[۲] امت خطا پر جمع نہیں ہو سکتی اس لیے جس چیز پر امت جمع ہو جائے وہ حجت ہو گی کیونکہ ہمارے نزدیک کوئی بھی زمانہ امام سے خالی نہیں ہو سکتا اور امام شریعت کا محافظ ہوتا ہے اس کا قول حجت ہے اس کے قول کی طرف رجوع کرنا بالکل اسی طرح ہے جیسے رسولؐ کے قول کی طرف رجوع کرنا ہے اس لیے جب امام موجود ہے اور تمام امت نے کسی قول پر اتفاق کر لیا ہے تو کی رائے بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئی جس سے یہ اجماع حجت ہو جاتا ہے۔(۳)

محقق حلی لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک کوئی بھی زمانہ امام معصوم سے خالی نہیں ہو سکتا اور امام محافظ شریعت ہوتا ہے اس لیے شریعت کے معاملات میں ان کے قول کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جب امت کسی قول پر اتفاق کرتی ہے تو قول معصوم ان کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔(۴)

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب اصل حجت قول معصوم کو حاصل ہے تو اجماع حجت ہے کہنے کا کیا مقصد باقی رہ جاتا ہے اسے اجماع سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے سیدھا یہی کہا جائے کہ قول امام حجت ہے؟

جواب اجماع کا فائدہ یہ ہے کہ بعض اوقات ہمیں پتہ نہیں چل رہا ہوتا کہ ان مختلف موجود اقوال میں سے قول امام کونسا ہے تو اس وقت اجماع کے محتاج ہوتے ہیں تاکہ اس اجماع کے ذریعے یہ جان سکیں کہ امام کا قول ان میں داخل ہے جب امام کا قول اس اجماع کے ذریعے پتہ چل جائے گا تو وہ حجت ہے کیونکہ قول معصوم کا حجت ہونا یقینی ہے۔(۵)

فقہ جعفری میں اجماع کو حکم شرعی پر دلیلوں میں سے ایک دلیل قرار دیا گیا ہے مگر اسے اہلسنت کی اتباع میں مجازا دلیل کہا گیا ہے جعفریہ اسے کتاب و سنت کے مقابلے میں مستقل دلیل نہیں مانتے بلکہ ان کے نزدیک اجماع اس وقت معتبر ہے جب سنت سے کشف کرے پس بذاتہ اجماع حجت نہیں بلکہ حقیقت میں حجت قول معصوم ہے جسے اجماع کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔(۶)

۱۔ ایضاً، ص:۲۷۲

۲۔ طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن، العدۃ فی اصول الفقہ، تحقیق: محمد رضا قمی، ط/ ۱، مؤسسۃ بوستان کتاب، قم، ۱۴۳۱ھ، ص ۶۲۱

۳۔ ص:۶۲۲

۴۔ محقق حلی، معارج الاصول، ص:۱۸۰

۵۔ طوسی، العدۃ فی اصول الفقہ، ص:۶۲۳

۶۔ مظفر، اصول الفقہ، ص:۴۵۲

علامہ فضل اللہ نے لکھا ہے کہ اجماع کی حجیت پر جتنی احادیث ذکر کی گئی ہیں ان تمام کا معنی یہ ہے کہ امت مسلمہ خطا پر جمع نہیں ہو سکتی اور یہ اس وقت ہو گا جب تمام کی تمام امت کسی رائے پر متفق ہو گی جب تمام کی تمام امت اس رائے پر متفق ہو گی تو معصوم کی رائے بھی امت کے ساتھ اس میں شامل ہو جائے گی ورنہ یہ اجماع ہی نہیں ہو گا کیونکہ معصوم امت کا سردار اور رئیس ہوتا ہے اس لیے معصوم اپنی رائے کا اظہار کرے گا بالخصوص جب مسئلہ کا تعلق شریعت اسلامی سے ہو۔(۲)

حنفی نقطہ نظر

علامہ بزدوی کہتے ہیں کہ اجماع قرآن و سنت کی طرح حجت ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے اجماع موجب علم ہوتا ہے۔(۳)

مشہور حنفی اصولی علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ امت رسول ﷺ کا اجماع یقینی طور پر موجب علم ہے اور حجت ہے۔(۴)

علامہ قطلوبغا حنفی نے تحریر کیا ہے اجماع حجت ہے اور موجب عمل ہے جب کسی مسئلہ پر اجماع ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔(۵)

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اس امت کا فروع دین میں کسی مسئلہ پر اجماع کر لینا حجت ہے اس پر عمل واجب ہو جاتا ہے اور یہ امت اسلامیہ کے لیے عزت ہے کہ جس عمل پر یہ اتفاق کر لیں وہ شرعی طور پر حجت ہو جاتا ہے۔(۶)

علامہ عبد العلی لکھتے ہیں کہ اجماع یقینی طور پر حجت ہوتا ہے اور یہ علم کا فائدہ دیتا ہے۔(۷)

احناف کے ہاں ہر عصر کا اجماع حجت ہے کیونکہ جو دلائل اجماع کی حجیت کے بارے میں دیئے گئے ہیں وہ کسی قوم کسی جگہ یا کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ تمام زمانوں اور تمام جگہوں اور تمام اقوام کے لیے ہیں۔(۸)

علامہ دبوسی نے لکھا ہے کہ اس امت کا اجماع حجت ہے کیونکہ یہ بات شرعی طور پر معلوم ہے کہ اس امت کا اجماع حجت ہے یہ اس دین کی عزت ہے کیونکہ مجوس، یہود اور نصاریٰ باطل پر جمع ہوئے۔(۹)

۱۔ مظفر، اصول الفقه، ، ص:۴۶۰

۲۔ صدر الدین، التمهید فی اصول الفقه، ص:۲۹۰

۳۔ البزدوی، ، معرفة الحجج الشرعیة، ص:۱۴۸

۴۔ سرخسی، اصول السرخسی، ص:۱/ ۳۰۶

۵۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۱۵۹

۶۔ شاشی، اصول شاشی، ص:۱۸۱

۷۔ عبد العلی، فواتح الرحموت، ص:۲/ ۲۶۲

۸۔ دبوسی، تقویم الادلة فی اصول الفقه، ص:۳۱

۹۔ ایضاً، ص:۲۳

عصمت حاصل ہے اس لیے اجماع شریعت میں دلیل مستقل ہے۔[1]

عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں کہ جب تمام شروط کے ساتھ اجماع واقع ہو جائے تو وہ یقینی طور پر حجت ہوتا ہے اور تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس اجماع کے مطابق عمل کریں اور اس اجماع کی مخالفت درست نہیں ہے۔[2]

مالکی نقطہ نظر

علامہ الولاتی لکھتے ہیں اجماع وہ اصل ہے جس پر ہر زمانے میں عمل کیا گیا ہے یہ کسی ایک زمانے سے خاص نہیں ہے جیسے ہی واقع ہو گا اس کی اتباع ضروری ہو گی یہ امر شرعی، عقلی یا عرفی میں جس میں بھی واقع ہو جائے حجت ہو گا اجماع کی ہر چیز اور ہر زمانے میں اتباع ضروری ہے کیونکہ یہ اجماع معصوم ہوتا ہے۔

الاجماع یجب اتباعها فی کل شئ فی کل زمن لانه معصوم[3]

ہر زمانے اور ہر شے میں اجماع کی اتباع کرنا ضروری ہے کیونکہ اجماع معصوم ہوتا ہے۔

علامہ اللقانی نے منازل الاصول اور دور جدید کے محقق السلمی نے اپنی کتاب اصول الفقہ میں لکھا ہے کہ اجماع مطلقاً حجت ہے۔[4]

علامہ الشنقیطی نے اپنی مشہور تصنیف درر الاصول فی اصول فقه المالكية میں اشعار کی صورت میں ان معانی کو بیان کیا ہے جب کسی مسئلہ پر اجماع واقع ہو جاتا ہے تو یہ اجماع حجت ہے کیونکہ امت کو خطا سے عصمت حاصل ہے یعنی پوری امت خطا پر جمع نہیں ہوتی اس لیے جب اجماع واقع ہو جائے اس کی پیروی ہونی چاہیے۔[5]

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اجماع فقط وہ ہے جس پر اہل مدینہ متفق ہو جائیں؟ یا امام مالکؒ اجماع امت کو بھی مانتے ہیں۔

اس بات کی شہرت ہے کہ امام مالکؒ جس اجماع کی بات کرتے ہیں اس اجماع سے ان کی مراد اجماع اہل مدینہ ہوتی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بارے میں خود امام مالکؒ اور علمائے مالکیہ کی کیا رائے ہے۔

مشہور محقق عبدالرحمن الشعلان نے بہت دقیق بحث کی ہے اور آخر میں کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کی طرف یہ نسبت دینا کہ وہ امت کے اجماع کو نہیں مانتے ان کے نزدیک اجماع ہے صرف اہل مدینہ کا اجماع یہ درست نہیں ہے یہ درست ہے کہ امام مالکؒ اجماع اہل مدینہ کو حجت مانتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اجماع امت کو بھی مانتے ہیں اصل میں غلط فہمی اس وقت پیدا ہوئی جب امام مالکؒ نے اپنی تحریروں میں بار بار لفظ اجماع کا استعمال کیا اور اس سے مراد اجماع اہل مدینہ لیا تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ ان کے نزدیک اجماع سے مراد اجماع اہل مدینہ ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا امام مالکؒ کے

۱۔ ابن قطلوبغا، شرح مختصر المنار، ص:۶

۲۔ زیدان، الوجیز، ص:۱۸۲

۳۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۶۳

۴۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۲۶؛ اللقانی، منازل الاصول الفتوی، ص:۱۴۷

۵۔ الشنقیطی، درر الاصول، ص:۶۷

فقہ مالکی کے جید علمائے کرام اور عبد الرحمن الشعلان کی تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مالکیہ کے نزدیک اجماع امت حجت ہے اور وہ بھی استنباط احکام میں اس سے استفادہ کرتے ہیں اہل مدینہ کے اجماع یا عمل کو بھی حجت مانتے ہیں اور اس سے بھی الگ طور پر استفادہ کیا جاتا ہے وہ ان کے ہاں دلیل مستقل ہے۔

ڈاکٹر فادیغا کہتے ہیں کہ قیاس اور اجماع کی بازگشت قرآن وسنت کی طرف ہوتی ہے اور یہ قرآن وسنت کے تحت درج ہوتے ہیں یہ بات قیاس اور اجماع کے دلیل مستقل ہونے میں مانع ہے۔(۲)

شافعی نقطہ نظر

علامہ آمدی لکھتے ہیں کہ اکثر علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اجماع جب واقع ہو جائے تو یہ حجت شرعیہ ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔(۳)

امام غزالی لکھتے ہیں کہ جب اجماع کی کوئی مخالفت نہ کرے تو یہ اجماع اس وقت یقینی طور پر حجیت رکھتا ہے اور اس کے حجت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور عوام کی مخالفت بھی اجماع سے مانع نہیں بنتی ہے۔(۴)

علامہ خضری کہتے ہیں کہ جب اجماع کا علم ہو جائے تو یہ قطعی طور پر حجت ہے یعنی جب کسی مسئلہ میں اجماع واقع ہو جائے تو اجماع کے بعد اس کے حجت ہونے میں کوئی نزاع نہیں ہے۔(۵)

استاد ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں اجماع کے حجت ہونے پر علمانے اجماع کیا ہے اور کہا ہے کہ اجماع حجت ہے اجماع کے تین دور ہیں پہلا دور صحابہ کرام کا ہے دوسرا دور مجتہدین کا دور ہے اور تیسرا دور اس کے بعد کا دور ہے۔(۶)

شرح الورقات میں علامہ تاج الدین المحلی فرماتے ہیں کہ صرف امت محمدیہ ﷺ کا اجماع حجت ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت کبھی بھی غلطی پر جمع نہیں ہو سکتی جب اجماع واقع ہو جاتا ہے تو بعد والے زمانے کے لیے حجت ہوتا ہے۔(۷)

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک اجماع مسلم طور حجت ہے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔(۸)

علامہ ابن اللحام حنبلی لکھتے ہیں کہ اجماع کو تمام امت نے قبول کیا ہے سوائے نظام کے، وہ اسے قبول نہیں کرتے اس کا انکار کرتے ہیں۔(۹)

۱۔ الشعلان، اصول فقہ الامام مالک، ص:۲/۱۰۱۱

۲۔ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/۵۷

۳۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۲۸۶

۴۔ غزالی، المستصفی، ص:۱/۱۸۳

۵۔ الخضری، اصول الفقہ، ص:۲۸۵

۶۔ ابوزہرۃ، اصول، ص:۱۹۸

۷۔ المحلی، شرح الورقات، ص:۱۷۷

۸۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۶۷

۹۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۷۴

ہے۔

علامہ ابن المفلح المقدسی کہتے ہیں کہ اجماع یقینی طور پر حجت رکھتا ہے امام احمدؒ نے اس پر نص کی ہے کہ اجماع حجت ہے اجماع حجت شرعی رکھتا ہے۔[۲]

فقہی مسالک کے جید علمائے کرام کی جید علمائے کرام کی آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ علما کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ اجماع کو دلیل شرعی مانتے ہیں۔

۲۔ علمائے کرام اس کے ذریعے شرعی احکام کو ثابت کرتے ہیں اور اس کو موجب عمل سمجھتے ہیں۔

۳۔ علما کی اکثریت اجماع کو دلیل قطعی مانتی ہے۔

۴۔ فقہ جعفری میں اجماع حجت ہے مگر اس کی حجیت کا دارومدار معصوم کی رائے کے کشف کرنے پر منحصر ہوتا ہے جب یہ رای معصوم کشف کر دے گا تو یہ حجت ہو جائے گا کشف نہیں کرے گا تو یہ حجت نہیں ہو گا۔

۵۔ امام مالکؒ کی طرف یہ نسبت دی جاتی ہے کہ وہ صرف اجماع اہل مدینہ کے قائل تھے اور اس کے علاوہ کسی اور اجماع کو نہیں مانتے تھے مگر قول صحیح یہ ہے کہ ان کے نزدیک اجماع اہل مدینہ الگ سے حجت ہے اور امت کا اجماع الگ سے حجت ہے۔

نتیجہ بحث یہ ہے کہ اجماع تمام مسالک فقہیہ میں دلیل شرعی کی حیثیت رکھتا ہے اس کے مطابق عمل کیا جاتا ہے علما کی اکثریت اسے دلیل قطعی سمجھتی ہے اور استنباط احکام کے لیے اجماع سے استفادہ کرتی ہے فقہ جعفری میں اجماع کے مورد میں قول معصوم کو بہت اہمیت حاصل ہے اور فقہ مالکی میں اجماع امت کے ساتھ ساتھ اجماع اہل مدینہ بھی حجت ہے۔

۱۔ ابن النجار، شرح الکوکب المنیر، ص:۲/ ۲۱۴

۲۔ ابن مفلح، اصول الفقہ، ص:۲/ ۳۷۱

فصل چہارم: متعلقہ مباحث

مبحث اول: کیا اجماع صحابہ کرام سے خاص تھا؟

مبحث دوم: کیا اجماع کی حجیت کا معیار عصمت ہے؟

مبحث سوم: کونسی مخالفت اجماع سے مانع ہے؟

مبحث چہارم: دور حاضر میں اجماع کا انعقاد، اعتراضات اور مشہور فقہی اجماعات

مبحث پنجم: اجماع کی وہ اقسام جن کی حجیت میں اختلاف ہے

جعفری نقطہ نظر

اجماع کسی خاص جگہ اور عصر سے خاص نہیں ہے بلکہ کسی بھی وقت منعقد ہو جائے وہ عصر صحابہ ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑ تا جب اجماع منعقد ہو جائے گا تو حجت ہو گا اجماع صحابہ سے خاص نہیں تھا۔[۱]

حنفی نقطہ نظر

امام بزدوی فرماتے ہیں کہ ہر عصر کا اجماع حجت ہے کیونکہ دلائل کسی خاص گروہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔[۲]

امام نسفی لکھتے ہیں کہ اجماع اہل مدینہ سے خاص نہیں ہے کیونکہ جو دلائل اجماع کی حجیت کا بتاتے ہیں وہ عام ہیں جیسے

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾[۳]

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ان تمام کی دلالت اس بات پر ہے کہ اجماع کسی خاص زمانے یا کسی خاص جگہ کے ساتھ خاص نہیں ہے[۴]

علامہ عبد العلی لکھنوی لکھتے ہیں کہ اجماع صحابہ سے خاص نہیں تھا بلکہ ہر عصر کے علما جب کسی بات پر متفق ہو جائیں گے تو اجماع متحقق ہو جائے گا۔[۵]

مالکی نقطہ نظر

اجماع کے لیے ضروری ہے کہ ہر اس عصر کے تمام علما جو اس وقت موجود ہوں کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیں تو ان کا اجماع حجت ہو گا۔[۶]

جو دلیل اجماع کو حجت قرار دیتی ہے وہ عام ہے اور کسی خاص زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر گروہ کو شامل ہے ہر زمانے کے لوگوں کا اجتماع صحابہ کے اجماع کی طرح ہے۔[۷]

شافعی نقطہ نظر

امام ابن داود ظاہری اور دیگر ظاہریہ اسی طرح امام احمدؒ بن حنبل کے دو اقوال میں سے ایک قول کی بنیاد پر اجماع صحابہ کے ساتھ خاص ہے۔[۸]

اجماع صحابہ سے خاص نہیں ہے بلکہ ہر عصر کا اجماع حجت ہے کیونکہ جو دلیل اجماع کو حجت قرار دیتی ہے وہ ان دونوں میں فرق نہیں کرتی۔[۹]

۱۔ طوسی، العدۃ فی اصول الفقہ، ص:۶۲۲

۲۔ البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص:۱۵۲

۳۔ آل عمران ۳/۱۱۰

۴۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/۱۸۵

۵۔ عبد العلی، فوتح الرحموت، ص:۲/۲۷۰

۶۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۳۴

۷۔ ابن العربی، المحصول، ص:۱۲۳

۸۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۳۲۸

۹۔ شیرازی، التبصرۃ، ص:۳۵۹

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن المفلح المقدسی اور علامہ ابن اللحام حنبلی کہتے ہیں کہ اجماع کسی طور پر صحابہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔[۲]

علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اجماع کسی بھی وقت یا جگہ کے ساتھ خاص نہیں تھا یہ کہنا کہ اجماع صحابہ کے ساتھ خاص تھا یہ بات درست نہیں ہے جو دلیلیں اجماع کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں سب کی سب عام ہیں وہ کسی خاص دور یا خاص لوگوں جیسے صحابہ کرام کے ساتھ خاص نہیں ہیں اس لیے ہر دور کے علما کرام جب کسی حکم پر اتفاق کر لیں گے تو حجت ہو گا۔

مبحث دوم: کیا اجماع کی حجیت کا معیار عصمت ہے؟

عصمت: سلب القدرۃ علی المعصیۃ[۳]
گناہ کرنے کی طاقت کا نہ ہونا عصمت کہلاتا ہے۔

جعفری نقطہ نظر

شیخ مظفر فرماتے ہیں اجماع بذات خود فقہ جعفریہ کے نزدیک کوئی حجیت نہیں رکھتا جب تک قول معصوم سے کاشف نہ ہو اور جب اجماع یقینی طور پر قول معصوم سے کاشف ہو گا تب حجت ہو گا اس صورت میں اصل حجیت قول معصوم کی ہو گی نہ کہ بذات خود اجماع کی اس صورت میں اجماع سنت میں داخل ہو جائے گا اور دلیل مستقل نہ ہو گا اجماع دلیل قطعی ہو گا اگر اس کے ذریعے معصوم کی رائے حاصل ہو جائے۔[۴]

جب اجماع قول معصوم کو کشف کرے تو اس وقت اس کے حجت ہونے پر تمام جعفریہ کا اتفاق ہے قول معصوم کے کشف کرنے کے لیے تمام فقہا کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ اتفاق کافی ہے جس سے قول معصوم کشف ہو سکے سید مرتضی علم الھدی فرماتے ہیں جب اجماع کے حجت ہونے کی علت معصوم کے قول کا اس میں شامل ہونا ہے تو ہر وہ جماعت چاہے قلیل ہو یا کثیر ہو اگر رائے معصوم سے کاشف ہو تو ان کا یہ اجماع حجت ہو گا۔[۵]

بعض صورتوں میں تمام علما کا اتفاق اجماع کے لیے ضروری ہوتا ہے یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قلیل کے اتفاق سے رائے معصوم سامنے آ جائے تو ان کے اتفاق کو اجماع کیسے کہا جا سکتا ہے شیخ مظفر اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں ایک جماعت کے اتفاق کو اجماع کہنا تسامح ہے کیونکہ حقیقت میں اجماع تمام علما کے حکم شرعی پر اتفاق کو کہا جاتا ہے پس اگر ایک جماعت کا اتفاق حجت بھی ہو تو اسے حقیقت میں اجماع نہیں کہا جا سکتا لیکن علمائے جعفریہ نے اس قلیل گروہ کے اتفاق کو بھی اجماع کہا ہے جس سے قول معصوم کشف ہو سکتا ہے پس ان کے نزدیک اجماع ہر وہ اتفاق ہے جس سے قول معصوم کشف ہو سکتا ہو خواہ سبھی علما متفق ہوں یا نہ ہوں دونوں صورتوں کو اجماع کہا جائے گا۔[۶]

۱۔ابن الفرکاح، شرح الورقات، ص:۱۷۷

۲۔ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص: ۷۵ ابن المفلح، اصول الفقہ، ص:۲/ ۴۰۲ بدران، المدخل مذھب الامام احمد بن حنبل، ص:۲۸۰

۳۔ابن المفلح، اصول الفقہ، ص:۱/ ۳۲۲

۴۔مظفر، اصول الفقہ، ص:۴۵۹

۵۔ایضاً، ص:۴۶۹

۶۔مظفر، اصول الفقہ، ص:۴۶۰

گا۔

حنفی نقطہ نظر

مشہور محقق شفیق کبّی نے اجماع کی حجیت پر قرآن، سنت اور عقل سے استدلال کرنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ ان تمام دلیلوں کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہم اس وقت ان ادلہ پر اعتماد کر سکتے ہیں جب ہم اس امت کی عصمت کے قائل ہو جائیں گے کہ یہ امت خطا نہیں کر سکتی۔[1]

نبی اکرم ﷺ سے بہت سی روایات مروی ہیں جن کے مطابق امت مسلمہ جب کسی مسئلہ پر اجماع کر لے تو اسے خطا سے عصمت حاصل ہو جاتی ہے۔[2]

مالکی نقطہ نظر

نبی اکرم ﷺ سے مروی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس امت کے اجماع کو خطا سے عصمت حاصل ہے امام الباجی ان روایات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے مروی روایات کا معنی یہ ہے کہ اس امت کا اجماع حجت ہے اور یہ امت اس میں خطا نہیں کر سکتی۔[3]

شافعی نقطہ نظر

علامہ ابن الفرکاح فرماتے ہیں کہ صرف امت محمدیہ گا اجماع حجت ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إن أمتي لا تجتمع على ضلالة. فإذا رأيتم اختلافا فعليكم بالسواد الأعظم))[4]

میری امت غلطی پر جمع نہیں ہو سکتی جب اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کے ساتھ ہو جاؤ۔

شریعت مقدسہ اسلام کے مطابق اس امت کو عصمت حاصل ہے۔[5]

حنبلی نقطہ نظر

علامہ ابن النجار حنبلی لکھتے ہیں کہ عصمت امت کی وجہ سے اجماع منعقد ہوتا ہے اجماع کی بنیاد عصمت امت پر ہوتی ہے۔[6]

علامہ ابن المفلح کے نزدیک اجماع کو خطا سے عصمت حاصل ہے یہ کبھی کسی خطا پر واقع نہیں ہوتا بلکہ جس چیز پر اجماع واقع ہو جائے وہ چیز حق ہوتی ہے۔[7]

جو دلیلیں قرآن و سنت میں سے اجماع کو ثابت کرتی ہیں وہ اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ تمام امت کے اتفاق کو عصمت حاصل ہے جس کی وجہ سے اسے حجیت حاصل ہے۔[8]

۱۔ الجصاص، ابو بکر، تحقیق زہیر شفیق کبی، الاحکام، ط/۱، دار المنتخب العربی للدراسات والنشر والتوزیع، بیروت م ۱۹۳ء، ص:۶۷

۲۔ زیدان، الوجیز، ص:۱۸۲

۳۔ الشعلان، اصول فقه الامام مالك، ص:۲/۱۰۶

۴۔ ابن ماجه، محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني، السنن، دار الفكر، بيروت وتحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، حديث نمبر: ۳۹۵۰، ص:۲/۱۳۰۳

۵۔ ابن الفرکاح، شرح الورقات، ص:۲۴۰، المحلی، شرح الورقات، ص:۱۷۷

۶۔ ابن النجار، شرح الکوکب المنیر، ص:۲/۲۱۲

۷۔ ابن المفلح، اصول الفقه، ص:۲/۴۹۵

۸۔ النملہ، الجامع، ص:۳۳۰

گشت اسی رائے کی طرف ہے کہ اس امت کا اجماع ہر قسم کی غلطی اور خطا سے محفوظ ہو تا ہے فقہ جعفری کے مطابق اجماع سے رائے معصوم کا پتہ چلنا چاہیے یہ بھی ایک طرح سے اجماع کو عصمت سے متصل کرنا ہے کہ جب معصوم کی رائے شامل ہو جائے گی تو معصوم کی رائے غلط نہیں ہو سکتی اس میں غلطی کا بھی احتمال نہیں ہو تا اس لیے اجماع کی حجیت کا معیار عصمت امت ہے۔

مبحث سوم: کونسی مخالفت اجماع سے مانع ہے؟

جعفری نقطہ نظر

فقہ جعفری میں جس اتفاق میں امام موجود نہ ہو وہ اتفاق اجماع نہیں ہو سکتا اس لیے امام کا نہ ہونا اجماع سے مانع ہو تا ہے۔[۱]

حنفی نقطہ نظر

اجماع کے لیے تمام مجتہدین کا متفق ہونا ضروری ہے اگر کوئی ایک آدمی بھی مخالفت کرے تو اس کی یہ مخالفت اجماع کے حصول سے مانع ہوتی ہے اور ایک کی مخالفت اجماع سے مانع بننے میں اکثر کی مخالفت جیسی ہے۔[۲]

امام نسفی کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا فرد مخالفت کرتا جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کی مخالفت کی وجہ سے اجماع منعقد نہیں ہو گا کیونکہ ممکن ہے حق مخالف قول والے کے ساتھ ہو۔[۳]

مالکی نقطہ نظر

اگر کوئی معتبر شخصیت اجماع کی مخالفت کرتی ہے تو یہ اجماع نہیں ہو گا کیونکہ جو ادلہ عصمت امت پر دلالت کرتی ہیں وہ سب مجموع امت کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں اور کسی معتبر شخصیت کی مخالفت سے وہ مجموع حاصل نہ ہو گا جس کی عصمت اجماع کے لیے درکار ہے۔[۴]

جمہور علما کی رائے یہ ہے کہ اس زمانے میں موجود تمام علما متفق ہو گے تو اجماع متحقق ہو گا ایک یا زیادہ مجتہدین کی مخالفت سے اجماع منعقد نہیں ہو گا کیونکہ جو دلیلیں امت کی عصمت کو ثابت کرتی ہیں ان سے تمام کا اتفاق مراد ہے۔[۵]

شافعی نقطہ نظر

علامہ فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ اگر ایک یا دو لوگ اجماع کی مخالفت کر رہے ہوں تو ان کا مخالفت کرنا اجماع سے مانع ہے ان کے اتفاق کے بغیر اجماع مکمل نہیں ہو گا۔[۶]

امام غزالی لکھتے ہیں کہ اگر امت میں سے کوئی ایک یا دو لوگ بھی اجماع کی مخالفت کر رہے ہیں تو اس وقت اجماع واقع نہیں ہو گا۔[۷]

۱۔ صدر الدین، التمہید فی اصول الفقہ، ص:۲۹۲
۲۔ ابن نجیم، فتح الغفار بشرح المنار، ص:۳۵۳
۳۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/۱۸۸
۴۔ الولاتی، نیل السول علی مرتقی الوصول، ص:۱۶۳
۵۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۴۰
۶۔ الرازی، المحصول فی علم اصول، ص:۱/۱۸۱
۷۔ غزالی، المستصفی، ص:۱/۲۰۲

اجماع میں یہ شرط ہے کہ تمام لوگ اتفاق کریں اگر اکثر علما اتفاق کر لیں تو ان کے اتفاق سے اجماع واقع نہیں ہو گا جیسے ایک حکم پر تمام مجتہدین اتفاق کر لیں اور ایک یا دو علما اس کی مخالفت کریں تو اس اجماع واقع نہیں ہو گا۔[۲]

مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ علمائے کرام کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ ایک یا دو مجتہدین بھی اس رائے کے خلاف رائے رکھتے ہوں جس پر اجماع واقع ہو چکا ہے تو وہ اجماع واقع نہیں ہو گا کیونکہ جو دلیلیں اجماع کو حجت قرار دیتی ہیں وہ تمام کے اتفاق کو حجت قرار دیتی ہیں اس لیے تمام کا اتفاق ضروری ہے علمائے جعفریہ کا یہ کہنا ہے اگر کسی مسئلہ پر اجماع واقع ہو گیا ہے اور اس اجماع سے معصوم کی رائے کا پتہ چل گیا ہے تو یہ حجت ہو گا اب اس اجماع کی چند مجتہدین مخالفت بھی کریں تو بھی وہ اجماع حجت ہو گا کیونکہ اجماع سے معصوم کی رائے کا پتہ چل رہا ہے لہذا یہ حجت ہے یہ مخالفت اجماع سے مانع نہیں ہے۔

مبحث چہارم: دور حاضر میں اجماع کا انعقاد، اعتراضات اور مشہور فقہی اجماعات

دور حاضر میں اجماع کا انعقاد

اجماع فقہ اسلامی کو اخذ کرنے کی بنیادی ادلہ میں سے ایک دلیل ہے اس سے فقہائے کرام نے بہت سے فقہی احکام حاصل کیے ہیں ان احکامات پر ظاہر ادلیل اجماع ہے اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ اجماع فقہ اسلامی کے چار بنیادی ستونوں میں سے ایک ستون ہے جس پر فقہ کے بہت بڑے حصہ کا دارومدار ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس بات کو سمجھا جائے کہ اجماع سے جس طرح پہلے مجتہدین نے استنباط احکام میں استفادہ کیا بالکل آج کے فقہا بھی اس سے استفادہ کر کے اس سے احکام کو حاصل کر سکتے ہیں۔

جعفری نقطہ نظر

محقق حلی فرماتے ہیں کہ اجماع ممکن ہے بعض لوگوں نے کہا ہے جس طرح ایک علاقے کے لوگوں کا ایک لباس اور ایک کھانے پر اکٹھا ہونا ممکن نہیں ہے اسی طرح یہ اجماع بھی محال ہے محقق حلی فرماتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ بہت سے مسائل میں اجہاں پر اجماع ثابت ہے دینی مسائل کی مثال لباس اور کھانے کے ساتھ دینا درست نہیں ہے کیونکہ ان میں کسی بھی جہت سے برابری نہیں ہے اس لیے اجماع کا واقع ہونا ثابت ہے۔[۳]

علامہ فاضل تونی کہتے ہیں کہ اجماع کا واقع ہونا ممکن ہے اور اس کا علم ہونا بھی ممکن ہے اسی طرح یہ حجت بھی ہے اور اس کی حجیت کی وجہ یہ ہے کہ یہ قول معصوم سے کاشف ہوتا ہے۔[۴]

علمائے جعفریہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اجماع کا حاصل کرنا ممکن ہے کیونکہ معصوم کی رائے کو محدود لوگوں کی رائے میں تلاش کرنا ممکن ہے بالخصوص جب اس بات کا تعلق اس زمانے سے ہو جو معصوم کا زمانہ ہے یا معصوم کے زمانے کے قریب ہے۔[۵]

حنفی نقطہ نظر

اجماع کیسے واقع ہو سکتا ہے اس پر بحث کرتے ہوئے علامہ بزدوی لکھتے ہیں کہ فقہا دور دور رہتے ہیں جب کوئی ایک فقیہ کوئی رائے دے گا تو اسے دوسروں کے سامنے پیش کیا جائے گا جب دوسرے تمام فقیہ دلائل کی روشنی میں ایک نظریہ کو اختیار کر لیں اور وہ نظریہ جسے تمام نے اختیار کیا ہے وہ ایک ہی ہو تو اس طرح اجماع واقع ہو جائے گا۔[۶]

۱۔ ابن الفرکاح، شرح الورقات، ص:۲۴۴

۲۔ النملہ، المهذب، ص:۲/ ۸۹۶

۳۔ محقق حلی، معارج الاصول، ص:۱۷۹

۴۔ فاضل تونی، الوافیہ، ط/۱، مؤسسہ اسماعیلیاں، قم، ۱۴۳۶ھ، ص:۱۵۱

۵۔ صدالدین، التمهید فی اصول الفقه، ص:۲۹۶

۶۔ البزدوی، معرفة الحجج الشرعیة، ص:۱۴۹

میں سبھی مجتھدین کا کسی شرعی حکم پر متفق ہونا عقلی طور درست ہے عادی احکام میں یہ اتفاق نہ ہونا ممکن ہے لیکن ضروریات دین میں اجماع ہونا ممکن ہے نزاع اس بات میں ہے کہ ضروریات دین کے علاوہ دیگر احکام میں اجماع ممکن یا ممکن نہیں ہے۔ (۱)

اجماع وہ اصل ہے جس پر ہر زمانے میں عمل کیا گیا ہے یہ کسی ایک زمانے سے خاص نہیں ہے جیسے ہی واقع ہو گا اس کی اتباع ضروری ہو گی یہ امر شرعی، عقلی یا عرفی، جس میں بھی واقع ہو جائے حجت ہو گا اجماع کی ہر چیز اور ہر زمانے میں اتباع ضروری ہے کیونکہ یہ اجماع معصوم ہوتا ہے۔

الاجماع یجب اتباعھا فی کل شئ فی کل زمن لانہ معصوم (۲)

ہر زمانے اور ہر حکم میں اجماع کی پیروی کرنا ضروری ہے کیونکہ اجماع معصوم ہوتا ہے۔

شافعی نقطہ نظر

تاج الدین السبکی فرماتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ اجماع ممکن ہے اور اس کی حجیت قطعی ہے جب یہ معتبر طریقہ سے واقع ہو جائے۔ (۳)

اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اجماع واقع ہو سکتا ہے مگر اس کا پتہ کیسے چلے گا اس میں اختلاف ہے اکثر علما اس کے متحقق ہونے کے قائل ہیں بہت کم لوگوں نے اس کی نفی کی ہے ان میں مشہور امام احمد بن حنبل ہیں ان سے دو روایتوں میں سے ایک کی بنیاد پر انہوں نے کہا کہ من ادعی وجود الاجماع فھو کاذب جس نے بھی وجود اجماع کا دعوی کیا وہ جھوٹا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اہل حل وعقد ایک نظریے پر جمع ہیں اس کا پتہ تب چلے گا جس ان میں ہر ایک سے یہ سنا جائے کہ وہ اس نظریے پر متفق ہے یا مشاہدہ کرنا پڑے گا اس کے لیے سب سے پہلے تمام اہل حل وعقد کی معرفت بہت ضروری ہے اب دوسرا امر حلہ یہ ہے کہ اہل حل وعقد کی تعداد بہت زیادہ ہے دوسرا وہ مختلف جگھوں پر رہتے ہیں جہاں تک پہنچنا عام طور پر ممکن نہیں ہوتا اب اگر کوئی ایسا آدمی ہو جو سب کو جانتا ہو اب ہر ایک کے عقیدے اور نظریے کو جاننا ممکن نہیں ہر ایک کے فعل کو درک کرنا ممکن نہیں ہے بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان جو کچھ دیکھتا ہے اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ممکن ہے انہوں نے کسی اور غرض کی وجہ سے اس طرح عمل کیا ہو اور ان کا نظریہ یہ نہ ہو اور اگر ان تمام کے نظریات کا پتہ چل جائے تو بھی یہ کافی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے انہوں نے اپنے نظریے سے رجوع کر لیا ہو؟

جتنی وجوہات مذکورتی ہیں ہو وہ سب کی سب باطل ہیں کیونکہ اجماع واقع ہوا اور اجماع کے وقوع کو سب جانتے ہیں مثلاً شوافع کا نظریہ یہ ہے کہ ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرنا ممنوع ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر نکاح باطل ہو جاتا ہے اور احناف کا نظریہ اس کے مخالف ہے تمام احناف اپنے نظریے پر اور شوافع اپنے نظریے پر قائم ہیں اور یہ اجماع واقع ہو گیا ہے۔ (۴)

علامہ ابوزہرہ کہتے ہیں کہ جمہور فقہا کی رائے یہ ہے کہ اجماع ممکن ہے اور واقع ہوا ہے جیسے صحابہ کے زمانے میں اس بات پر اجماع ہوا کہ جدہ کو ترکہ میں سے سدس ملے گا اسی طرح صحابہ کرام نے اس بات پر اجماع کیا کہ ایک ہی وقت

۱۔ ابن تلسمانی، مفتاح الاصول، ص:۱/ ۶۱

۲۔ الولاتی، نیل السول علی مرتضی الوصول، ص:۱۶۳

۳۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۷۸

۴۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/ ۲۸۴

حنبلی نقطہ نظر

اس دور میں یہ بات ممکن ہے کہ تمام مجتہدین ایک جگہ پر اکٹھے ہو جائیں اور کسی بھی حکم پر اتفاق کر لیں اگرچہ اس مسئلہ پر کوئی قطعی دلیل نہ بھی ہو یہ اس لیے ممکن ہے کہ موجودہ زمانے میں وسائل اس قدر زیادہ ہو گئے ہیں کہ یہ ممکن ہو گیا ہے۔ جمہور علما اس بات کے قائل ہیں کہ اجماع کا انعقاد ممکن ہے۔[۲]

موجودہ دور میں اجماع کیسے ممکن ہے اس کی بحث کرتے ہوئے مشہور محقق علی جمعہ محمد مفتی دیار مصر لکھتے ہیں کہ اجماع ایک بنیادی مصدر شرعی ہے اور اجماع سے موجودہ دور میں احکام شرعیہ کو حاصل کرنے کے لیے استفادہ کرنا ممکن ہے یہ استفادہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ایک انجمن تشکیل دی جائے اور تمام اسلامی ممالک سے مجتھدین کو اس میں شامل کیا جائے پھر ان کو ایک جگہ جمع کیا جائے اور ان کے سامنے جدید دور کے کسی بھی امت مسلمہ کو درپیش مسئلہ کو پیش کیا جائے اور ان تمام مجتھدین سے آراء لی جائیں جب ان کا کسی بھی مسئلہ پر اتفاق ہو جائے گا تو پھر ان کے اس اتفاق کو نشر کر دیا جائے اور لوگوں تک اس کے ابلاغ کے لیے کتابیں لکھی جائیں جن میں اجماع سے حل شدہ ان جدید مسائل کو بیان کیا جائے یہ اجماع اجماعِ منصوص کے قریب ہو گا اور اجماع منصوص کی پیروی کو فقہائے کرام نے ضروری قرار دیا ہے۔[۳]

شیخ بدران لکھتے ہیں کہ اجماع کا ممکن ہونا معلوم ہے اور یہ درست بھی ہے کیونکہ اجماع کے واقع ہونے سے خود اجماع کے لیے یا اجماع کے علاوہ کسی اور کے لیے کوئی محال لازم نہیں آتا اس لیے یہ عقلی طور پر جائز ہے ہاں بعض لوگوں نے علماء کی کثرت شہروں کے دور ہونے سے یہ گمان کیا ہے کہ اجماع واقع نہیں ہو سکتا۔[۴]

کیا امام احمد بن حنبل اجماع کی حجیت کے وقوع کے قائل نہیں تھے؟

امام احمدؒ بن حنبل سے یہ بات نقل ہوئی ہے کہ آپ اجماع کی حجیت کے قائل نہیں تھے کیونکہ تمام علما کی پہچان اور ہر ایک کی زبان سے ان کے نظریہ کا سننا بہت مشکل ہے شیخ بدران کی تحقیق کے مطابق امام احمدؒ کی رائے نظام کی طرح انکار اجماع کی نہیں ہے کیونکہ نظام نے عقلا اجماع کا انکار کیا ہے آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے رہنے والے ایک دوسرے کی بہت سی باتوں کو جانتے ہی نہیں ہیں تو ان کا اجماع کیسے ہو گا ایک علاقے کا اجماع ممکن ہے مگر تمام امت کا اجماع یہ بہت مشکل ہے اس طرح کے اجماع کا انکار امام احمدؒ سے مروی ہے۔[۵]

ڈاکٹر عبد الکریم النملہ کہتے ہیں کہ علما کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اجماع ممکن ہے کیونکہ علما کا کسی بھی زمانے میں کسی بھی مسئلہ پر متحد ہو جانا عقلی طور پر ممکن ہے اور بہت سے احکام اس سے ثابت ہوتے ہیں۔[۶]

امکان اجماع پر اعتراضات

پہلا اعتراض

علما کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ اجماع کا حصول عادتا ممکن نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اجماع کا اہم رکن یہ ہے کہ تمام مجتہدین کا اتفاق ہو اسے جاننے سے پہلے دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔

۱۔ ابوزہرہ، اصول الفقہ، ص:۲۰۱

۲۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۲۵

۳۔ علی جمعۃ محمد، المدخل الی دراسۃ المذاھب الفقھیۃ، دار السلام للطباعۃ والنشر والتوزیع والترجمہ، قاہرہ، طبع رابع ۲۰۱۲ء، ص:۳۸۶

۴۔ بدران، المدخل مذھب الامام احمد بن حنبل، ص:۲۷۹

۵۔ بدران، المدخل مذھب الامام احمد بن حنبل، ص:۲۷۹

۶۔ النملہ، المہذب، ص:۲/۸۴۷

ان تمام کی رائے کا ایک ہونا ضروری ہے اب یہ رائے ہم تک کیسے پہنچے گی یہ رائے اسی وقت میں معتبر ہے جب تواتر کی صورت میں ہم تک پہنچے۔

یہ ناممکن ہے کیونکہ سب سے پہلے تو تمام مجتہدین کی معرفت ہی ممکن نہیں ہے اور ان کی رائے کا ہم تک پہنچنا بھی بہت مشکل ہے کیونکہ علما اور مجتہدین دور دراز کے ممالک میں رہتے ہیں ان تک پہنچنے میں ایک بڑا وقت درکار ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مجتہد اس وقت اپنی رائے سے رجوع کر چکا ہو اجماع کے منعقد ہونے سے پہلے ہی فتوی دے دے۔[۱]

انہی مشکلات کے پیش نظر امام احمدؒ بن حنبل نے کہا تھا:

من ادعی اجماع فھو کاذب[۲]

جو اجماع کا دعوی کرتا ہے وہ جھوٹا ہے

امام فخر الدین رازی اجماع کی بحث تفصیل سے کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ انصاف یہ ہے کہ ہم اجماع کی معرفت سوائے صحابہ کے زمانے کے کسی اور زمانے میں حاصل نہیں کر سکتے۔[۳]

اعتراض کا جواب

جہاں تک مجتہدین کو پہچاننے کی بات اور ان کے ملکوں کے دور ہونے کی بات ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ صحابہ کا زمانہ

عصر صحابہ میں مجتہدین کم اور معروف تھے اور تقریباً سب کے سب مدینہ میں موجود تھے یا ایسی جگہ پر تھے جہاں پہنچنا ممکن تھا اس عصر میں اجماع کا حاصل ہونا بہت آسان تھا اسی لیے اس دور میں بہت سے اجماعات واقع ہوئے اگر یہ اجماعات صریحہ نہ بھی ہوں تو بھی یہ اجماع سکوتی ہوں گے البتہ ان اجماعات کی حیثیت وہی اجماعات صریحہ والی ہے۔ کیونکہ صحابہ جب کسی بات سے راضی نہیں ہوتے تھے تو اس بات پر خاموش نہیں رہتے تھے اور بغیر خوف کے اپنی رائے کا اظہار کر دیتے تھے۔

۲۔ صحابہ کے بعد کا زمانہ

صحابہ کے بعد کے دور میں اجماع کے انعقاد کو تسلیم کرنا ذرا مشکل نظر آتا ہے کیونکہ فقہا دور دراز جگہوں پر منتقل ہو گئے اور اب کے مشارب الگ الگ ہیں اجماع صحیح معنوں میں صحابہ کے دور میں واقع ہوا۔[۴]

ابن الفرکاح الشافعی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جو بھی مجتہد ہو گا وہ صاحب علم ہونے کی وجہ سے شہرت رکھتا ہو گا اور عام طور پر مجتہدین مشہور ہوتے ہیں۔[۵]

ابن الفرکاح کی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ اہل علم اپنے علاقوں میں معروف ہوتے ہیں اور جب کوئی اہل علم مرتبہ اجتہاد پر فائز ہو گا تو یقیناً اس کی شہرت ہو گی اور لوگ اس جانتے ہوں گے بالخصوص علما مجتہدین کی پہچان رکھتے ہوں گے اس لیے مجتہدین کی معرفت ممکن ہے۔

البراجیلی نے اجماع کے وقوع کی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اجماع مصادر تشریع میں سے ہے اور ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ ہم موجودہ دور میں اس سے استفادہ کریں موجودہ دور میں اجماع واقع کا ہونا ممکن ہے بالخصوص ان حالات

۱۔ الخضری، اصول الفقہ، ص:۲۸۳

۲۔ الخضری، اصول الفقہ، ص:۲۸۵

۳۔ ایضاً ص:۲۸۵

۴۔ متولی البراجیلی، دراسات فی اصول الفقہ مصادر التشریع، ط/۱، مکتبہ السنہ، قاہرہ، ۲۰۱۰ء، ص:۲۴۱، ۲۴۰

۵۔ ابن الفرکاح، شرح الورقات، ص:۲۵۶

اکھٹے ہوں اس کے لیے ایک مجمع فقہی تشکیل دے دی جائے تمام مجتہدین کرام اس کے ممبرز ہوں ان کے اجلاس میں تمام جدید درپیش مسائل کو پیش کیا جائے اور جب ان تمام کی رائے کسی مسئلہ پر متفق ہو جائے تو یہی اجماع ہو گا اور تمام مسلمانوں پر اس کی اتباع کرنا واجب ہو گی ہو سکتا ہے کہ کچھ مجتہدین اس اجلاس میں کسی بھی مشکل کی وجہ سے نہ آسکیں تو ان کی رائے انٹرنیٹ یا دیگر جدید وسائل کو استعمال کرتے ہوئے حاصل کرلی جائے گی۔(۱)

دوسرا اعتراض

یہ ہے کہ اجماع کے لیے کوئی نہ کوئی دلیل مستند بھی ہو گی اب یہ دلیل مستند دو قسم کی ہو سکتی ہے ا۔ قطعی ۲۔ ظنی۔

اگر یہ دلیل قطعی ہے تو عادت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ لوگ اسے جانتے ہیں جب لوگ اسے جانتے ہیں تو اس وقت انہیں اجماع کی ضرورت نہیں ہو گی ور اگر دلیل مستند اجماع ظنی ہو گی تو جب دلیل ظنی ہو گی عام طور پر جہاں ظن آجائے وہاں اتفاق نہیں ہوتا کیونکہ مجتہدین کی فکر و فہم ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔(۲)

دوسرے اعتراض کا جواب

اجماع کی دلیل مستند قطعی ہو تو ایسی صورت میں اجماع کا فائدہ یہ ہے کہ قطع کے بھی درجات ہیں جب اجماع آ جائے گا تو اس قطع کی قوت میں اضافہ ہو جائے گا۔

دوسرا جب دلیل مستند ظنی ہو تو عادت یہاں پر اتفاق کو محال قرار نہیں دیتی بالخصوص جب اس دلیل مستند کی دلالت واضح ہو اور معنی کو بھی بیان کر دیا گیا ہو ایسی صورت میں دلیل ظنی اجماع کے ذریعے مرتبہ قطع تک پہنچ جائے گی اس لیے سب کا اتفاق ممکن ہے اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے۔(۳)

تیسرا اعتراض

جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ادلہ کو بیان کیا تو ان میں اجماع کا تذکرہ نہیں تھا؟

تیسرے اعتراض کا جواب

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عہد رسالت میں موجود تھے اور وہ اس دور کی بات کر رہے تھے اس دور میں اجماع بطور دلیل نہیں تھا۔(۴)

مشہور اجماعات

علما کے درمیان یہ بات معروف ہے کہ کسی بھی شئ کا واقع ہو جانا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ وہ چیز ہو سکتی ہے کیونکہ اگر وہ ناممکنات میں سے ہوتی تو وہ واقع ہی نہ ہوتی شریعت اسلامی میں بہت سے معاملات میں اجماع واقع ہوا ہے اجماع کا واقع ہو جانا اس بات پر دلیل ہے کہ ان تمام مشکلات کے باوجود جو کہ اجماع کے واقع ہونے سے مانع ہوتی ہیں اجماع واقع ہوا ہے ہم چند مشہور فقہی اجماعات کو ذکر کریں گے۔

علامہ ابن المنذر متقدمین علما میں سے ہیں انہوں الاجماع کے نام سے کتاب لکھی اس میں انہوں نے اس وقت کے مشہور مسائل کا ذکر کر دیا جن پر امت مسلمہ نے اجماع کیا تھا ان میں سے چند امور یہ ہیں۔

ا۔ متولی البراجیلی، دراسات فی اصول الفقہ، ص:۲۴۱

۲۔ ایضاً، ص:۲۳۹

۳۔ متولی البراجیلی، دراسات فی اصول الفقہ، ص:۲۴۰

۴۔ ابن الفرکاح، شرح الورقات، ص:۲۵۶

۳۔شراب کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

۴۔خنزیر کی خرید و فروخت حرام ہے۔[۱]

۵۔حائضہ پر نماز فرض نہ ہونے پر اجماع ہے۔

۶۔نماز ظہر کا وقت زوال شمس ہے اس پر اجماع ہے۔[۲]

دور جدید میں ڈاکٹر عبد الکریم النملہ نے اس پر کام کیا اور چند مشہور فقہی اجماعات کو ذکر کیا ہے۔

۱۔اس بات پر اجماع ہے کہ میت کی وصیت پر عمل کرنے سے پہلے اس کی جائیداد میں سے اس کا قرض پہلے ادا کیا جائے گا۔

۲۔اس بات پر تمام امت کا اجماع ہے کہ خود درخت پر زکوۃ نہیں ہوتی۔

۳۔اس بات پر اجماع ہے کہ خنزیر کی شحم اس کے گوشت کی طرح حرام ہے جیسے اس کا گوشت حرام ویسے ہی یہ بھی حرام ہے۔[۳]

۱۔ابن المنذر، الاجماع، ص:۱۵۸

۲۔ایضاً، ص:۹۱

۳۔النملہ، المھذب، ص:۲/۸۴۷

۱۔ اجماع اہل مدینہ

علامہ آمدی، خضری، نملہ اور دیگر محققین کی تحقیق کے مطابق علما کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اکیلا اجماع اہل مدینہ حجت نہیں ہے۔ [۱]

امام فخر الدین رازی، عبد العلی لکھنوی اور ڈاکٹر عبد الکریم النملہ کی تحقیق کے مطابق امام مالک کے علاوہ باقی تمام کے نزدیک اجماع اہل مدینہ حجت نہیں ہے۔ [۲]

علامہ ابن قدامہ نے کہا ہے کہ اجماع اہل مدینہ حجت نہیں رکھتا اور امام مالک نے جو فرمایا ہے کہ اہل مدینہ کا اجماع حجت ہے کیونکہ مدینہ علم کی کان ہے وحی کے نازل ہونے کی جگہ ہے اس میں صحابہ کی اولادیں آباد ہیں اس لیے دوسروں کے لیے محال ہے کہ وہ ان کے اتفاق کے علاوہ کسی اور پر اتفاق کریں اس کے جواب میں علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے جو بات حجیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ عصمت تمام امت کو حاصل ہے اور یہ واضح سی بات ہے کہ اہل مدینہ تمام امت نہیں ہیں اس لیے ان کا اتفاق بطور دلیل اجماع حجیت نہیں رکھتا۔ [۳]

۲۔ اجماع اہلبیت

علامہ فخر الدین رازی، علامہ آمدی اور خضری نے تصریح کی ہے کہ اہل بیت کا اجماع جب اس اجماع کی مخالفت موجود ہو حجت نہیں ہے۔ [۴]

علامہ عبد العلی لکھنوی کی رائے بھی یہی ہے کہ جب صرف اہلبیت کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیں تو اسے اجماع نہیں کہا جائے گا۔ [۵]

عبد الکریم نملہ نے تصریح کی ہے کہ اہلبیتؑ کا اجماع حجت نہیں ہے اور جمہور علما کا یہی مذہب ہے فقہ جعفریہ اور زیدیہ کے نزدیک اہلبیتؑ کا اجماع حجت ہوتا ہے۔ [۶]

علامہ ابن اللحام نے لکھا ہے کہ اگر صرف اہلبیت کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیں تو ان کا یہ اتفاق اجماع نہیں کہلائے گا۔ [۷]

ابن المفلح کہتے ہیں کہ اہلبیت کا اجماع بھی حجت نہیں ہو گا قاضی ابی یعلی، کچھ دیگر علما اور شیعہ اس کو اجماع مانتے ہیں۔ [۸]

۳۔ خلفائے اربعہ

۱۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۳۴۹ خضری، اصول الفقہ، ص:۲۷۹ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۳۶ النملہ، الجامع، ص:۳۳۰ السبکی، جمع الجوامع، ص:۷۶ النملہ، المہذب، ص:۲/۹۵۰ بدران، المدخل مذہب الامام احمد بن حنبل، ص:۲۸۳

۲۔ رازی، المحصول، ص:۴/۱۶۲ النملہ، المہذب، ص:۲/۹۵۱ عبد العلی، فوتح الرحموت، ص:۲/۲۸۲ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۷۶

۳۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۷۲

۴۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۳۵۷ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/۵۸ خضری، اصول الفقہ، ص:۲۷۹ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۳۶ النملہ، الجامع، ص:۱۳۳۰ السبکی، جمع الجوامع، ص:۷۶ رازی، المحصول، ص:۴/۱۶۹

۵۔ عبد العلی، فوتح الرحموت، ص:۲/۲۷۸

۶۔ النملہ، المہذب، ص:۲/۹۵۳

۷۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۷۷

۸۔ ابن المفلح، اصول الفقہ، ص:۲/۴۱۶ بدران، المدخل مذہب الامام احمد بن حنبل، ص:۲۸۳

علامہ ابن قدامہ نے روضۃ الناظر میں لکھا ہے کہ خلفا اربعہ کا اتفاق اجماع نہیں ہو تا امام احمدؒ سے جو منقول ہے کہ خلفا اربعہ کے قول سے باہر نہیں جائیں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام احمدؒ نے ان کے قول اجماع کی بنا پر حجت ہے قرار دیا۔[۲]

علامہ ابن المفلح کی رائے میں خلفا اربعہ کا قول اجماع ہی نہیں ہو تا اسی طرح جب کوئی صحابی ان کی مخالفت کر رہا ہو تو اس وقت اسے کوئی حجیت بھی حاصل نہیں ہو گی امام احمدؒ اور جمہور فقہا کی یہی رائے ہے۔[۳]

مشہور محقق عبد الکریم النملہ نے کہا ہے کہ قول حق یہ ہے کہ جمہور امت کی رائے یہ ہے کہ خلفائے اربعہ کا اجماع حجت نہیں ہے اور قول حق بھی یہی ہے کہ خلفاء کا اجماع حجت نہیں ہے کیونکہ خطا سے عصمت فقط تمام امت کے اتفاق کو حاصل اور خلفا اربعہ تمام امت نہیں ہیں بلکہ بعض امت ہیں۔[۴]

۴۔ اجماع شیخین

حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کا اجماع بھی حجت نہ ہو گا جب ان کے کسی اتفاق کے ساتھ کسی صحابی کا اختلاف موجود ہو[۵]

۵۔ اجماع اہل کوفہ

ڈاکٹر فادیغا لکھتے ہیں کہ صرف اہل کوفہ کا اجماع حجت نہیں ہے۔[۶]

۶۔ اجماع اہل بصرہ

صرف اہل بصرہ کا کسی مسئلہ پر اجماع کر لینا کوئی حجیت نہیں رکھتا[۷]

۷۔ اجماع اہل الحرمین

صرف مکہ اور مدینہ کے مجتہدین کا اجماع بھی حجت نہیں ہے۔[۸]

۱۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۳۵۷ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۳۶ النملہ، الجامع، ص:۳۳۰ السبکی، جمع الجوامع، ص:۷۶ رازی، المحصول، ص:۴/۱۷۴

۲۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۷۳

۳۔ ابن المفلح، اصول الفقہ، ص:۲/۴۱۱ بدران، المدخل مذہب الامام احمد بن حنبل، ص:۲۸۳

۴۔ النملہ، المہذب، ص:۲/۹۴۷

۵۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ص:۱/۳۵۷ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۳۶ النملہ، الجامع، ص:۳۳۰ السبکی، جمع الجوامع، ص:۷۷ النملہ، المہذب، ص:۲/۹۴۹

۶۔ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/۱۵۸ السبکی، جمع الجوامع، ص:۷۷

۷۔ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۳۶ السبکی، جمع الجوامع، ص:۷۷

۸۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۷۷

تقابلی جائزہ: دلیلِ قیاس کے تناظر میں

فصل اول: قیاس کا مفہوم

فصل دوم: ارکان قیاس

فصل سوم: علت قیاس

فصل چہارم: حجیت قیاس

فصل پنجم: قیاس کی نفی کرنے والوں کے دلائل

فصل اول: قیاس کا مفہوم

اہل لغت نے قیاس کے چند معانی کا ذکر کیا ہے

التسویۃ ۲ الاعتبار ۳ الاصابۃ ۴ التشبیہ ۵ تمثیل ۶ المماثلہ [1]

برابری، تشبیہ تمثیل اور مماثلت کے معنوی میں استعمال ہوتا ہے

قیاس کے اصطلاحی مفہوم

جعفری نقطہ نظر

القیاس :ھو فی اصطلاح عبارۃ عن تعدیۃ الحکم من موضوع الی موضوع آخر بسبب مشارکتہ لہ فی علۃ ذالک الحکم [2]

حکم کا ایک موضوع سے دوسرے موضوع پر آجانا کیونکہ دونوں علت حکم میں شریک ہوتے ہیں۔

القیاس :ھو اثبات مثل حکم المقیس علیہ للمقیس [3]

اصل جیسے حکم کو فرع میں ثابت کرنا قیاس کہلاتا ہے۔

شیخ طوسی لکھتے ہیں کہ تعریف میں علت کو ذکر کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ لفظ مقیس علت کو شامل ہے۔ [4]

القیاس :الحکم علی معلوم بمثل الحکم الثابت لمعلوم آخر لتساویھما فی علۃ الحکم [5]

حکم کی علت میں برابری کی بنیاد پر ایک معلوم چیز کے حکم کو دوسری چیز پر لگانا قیاس کہلاتا ہے

ھو تعدیۃ الحکم المتحد من الاصل الی الفرع لعلۃ المتحدۃ فیھما [6]

ایک اصل کے حکم کو فرع پر لگانا کیونکہ اصل اور فرع دونوں کی علت ایک ہی ہوتی ہے۔

القیاس:ھو اثبات حکم فی محل بعلۃ لثبوتہ فی محل آخر بتلک العلۃ [7]

کسی جگہ پر حکم کا ثابت کرنا کسی علت کی وجہ سے کیونکہ کسی اور جگہ پر اسی علت کی وجہ سے یہ حکم ثابت ہے۔

۱۔ البحر المحیط، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، کویت، ص:۵/۶

۲۔ المشکینی، اصطلاحات الاصول، ص:۲۲۶

۳۔ طوسی، العدۃ فی اصول الفقہ، ص:۶۶۶ مصطفی جمال الدین، القیاس حقیقتہ و حجیتہ ،ط/۱، مطبع النعمان، النجف الاشرف، ۱۹۷۰ء، ص:۱۴۲

۴۔ طوسی، العدۃ فی اصول الفقہ، ص:۶۶۶

۵۔ محقق حلی، معارج الاصول، ص:۲۵۷

۶۔ علامہ حلی، حسن بن یوسف، تہذیب الوصول الی الاصول، ط/۱، مؤسسۃ الامام علیؑ، لندن، ۱۳۸۰ ایرانی، ص:۲۴۵

۷۔ المظفر، اصول الفقہ، ص:۵۲۱

ایک موضوع جس کا حکم معلوم ہے دوسرے موضوع کا حکم اسی سے معلوم کر لینا کیونکہ دونوں علت حکم میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔

القیاس مساواۃ المسکوت للمنصوص فی علۃ الحکم[2]

جس کا حکم بیان نہیں ہوا اس کا جس کا حکم نص کے ذریعے بیان ہوا ہے اس کے ساتھ علت میں برابر ہونا۔

القیاس: الحاق ما لم یرد فیہ نص علی حکمہ بما ورد فیہ نص علی حکمہ فی الحکم لاشتراکھما فی علۃ ذلک الحکم[3]

جس مورد میں حکم کے بارے میں نص نہیں آئی اس کو اس مورد کے ساتھ ملانا جہاں حکم پر نص آئی ہے اس لیے کہ یہ دونوں اس حکم کی علت میں مشترک ہوتے ہیں۔

مالکی نقطہ نظر

مساواۃ فرع لاصل فی علۃ حکمہ[4][5]

حکم کی علت کے لحاظ سے فرع کو اصل کے برابر قرار دینا۔

حمل احد المعلومین علی الآخر فی اثبات حکم او اسقاطہ بامر یجمع بینھما[6]

دو اشیا میں قدر مشترک کی وجہ سے کسی ایک کے حکم معلوم کو دوسری کے لیے ثابت کرنا یا ساقط کرنا قیاس کہلاتا ہے۔

الحاق صورۃ مجھولۃ الحکم بصورۃ معلومۃ الحکم لاجل امر جامع بینھما یقتضی ذلک الحکم[7]

جس کا حکم معلوم نہیں ہے اسے جس کا حکم معلوم ہے اس کے ساتھ ملانا اس جامع کی وجہ جو ان دونوں میں ہے اور اس حکم کا تقاضا کرتا ہے۔

شافعی نقطہ نظر

القیاس: مساواۃ المسکوت للمنصوص فی علۃ الحکم[8]

۱۔ قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۱۶۱

۲۔ عبد العلی، فواتح الرحموت، ص:۲/۲۹۷

۳۔ زیدان، الوجیز، ص:۱۹۴

۴۔ اللقانی، منازل الاصول الفتوی، ص:۱۴۹

۵۔ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۸۵

۶۔ الباجی، الحدود، ص:۶۹

۷۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۶۶۴

۸۔ غزالی، المستصفی، ص:۲/۲۴۶

الحاق امر غیر منصوص علی حکمه بامر آخر منصوص علی حکمه للاشتراك بینهما فی علة الحکم [۱]

ایک مورد کے بارے میں نص کے ذریعے حکم آیا ہے اس کے حکم کو ایسے مورد کو بھی دینا جہاں یہ حکم نہیں آیا کیونکہ اس حکم کی علت دونوں میں مشترک ہے۔

حنبلی نقطہ نظر

قیاس: انه عبارة عن الاستواء بین الفرع والاصل فی العلة المستنبط من حکم الاصل [۲]

اصل کے حکم سے حاصل شدہ علت میں اصل اور فرع کا برابر ہونا قیاس کہلاتا ہے۔

حمل الفرع علی الاصل فی حکم بجامع بینهما [۳]

اصل اور فرع کے درمیان قدر مشترک کی وجہ سے فرع کو اصل پر حمل کرنا قیاس کہلاتا ہے۔

اثبات مثل حکم اصل لفرع لاشتراکهما فی علة الحکم عند المثبت [۴]

اصل جیسے حکم کو فرع میں ثابت کرنا کیونکہ ان دونوں کی علت جو حکم کو ثابت کر رہی ہوتی ہے وہ قیاس کرنے والے کے نزدیک مشترک ہوتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالکریم النملہ نے اس تعریف کی وضاحت کچھ یوں لکھی ہے۔

۱۔اثبات: اثبات بطور جنس آیا ہے اور ہر قسم کے اثبات کو شامل ہے اور اثبات کا معنی اس نسبت کا جاننا ہوتا ہے جو اصل اور فرع کے درمیان ہوتی ہے۔

۲۔مثل: اس کے ذریعے قیاس عکس کو خارج کیا ہے کیونکہ اس کے ذریعے مخالف حکم کو ثابت کیا جاتا ہے۔

۳۔حکم اصل لفرع: یہاں حکم سے مراد مطلق حکم ہے بغیر کسی قید کے جس طرح کا بھی حکم ہو وہ شامل ہے اصل سے مراد مقیس علیہ ہے جس کا حکم نص یا اجماع میں آیا ہوتا ہے اور فرع سے مراد مقیس ہوتا ہے جس کا حکم نص اور اجماع میں نہیں آیا ہوتا۔

۴۔لاشتراکهما فی علة الحکم: یہاں اشتراکھما سے مراد اصل اور فرع کا متحد ہونا ہے اور علت سے مراد جو اصل اور فرع کو جامع ہوتی ہے۔

علة الحکم: اس سے مراد اصل کے حکم کی علت ہے۔

عند المثبت: یہاں مثبت سے مراد قیاس کرنے والا ہوتا ہے وہ مجتہد ہوتا ہے جو استنباط احکام کے لیے قیاس کر رہا ہوتا ہے۔[۵]

۱۔ ابوزہرہ، اصول الفقه، ص:۲۱۸

۲۔ الترکی، اصول مذهب الامام احمد، ص:۶۱۲

۳۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقه، ص:۱۴۲؛ ابن قدامه، روضة الناظر، ص:۱۴۵

۴۔ النملہ، الجامع، ص:۳۳۱؛ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۷/۲۸

۵۔ النملہ، المهذب، ص:۳/۱۸۳۰-۱۸۳۴؛ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۷/۲۷-۳۲

ا۔ تعریف کرنے والے نے قیاس کو انجام دینے والے مجتہد کی طرف دیکھا ہے کہ وہ کس طرح عمل قیاس کو انجام دیتا ہے سب سے پہلے دو قضیوں مساواۃ کو دیکھتا ہے جن میں سے ایک منصوص ہوتا ہے اور دوسرا غیر منصوص ہوتا ہے وہ اس عمل کو قیاس کا نام دیتا ہے۔

۲۔ تعریف کرنے والا منشاء قیاس کو دیکھتا ہے وہ اصل و فرع میں علت کا موجود ہونا ہے علت اساس ہے اسی لیے انہوں نے دلیل شرعی کے ذریعے قیاس کی تعریف کی ہے۔

علمائے کرام کی قیاس کی مندرجہ بالا تعریفوں سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

ا۔ علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصل کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ اس پر بھی علما کی آراء ایک جیسی ہیں کہ فرع کا حکم معلوم نہیں ہوتا ہے اس کا حکم معلوم کرنا مقصود ہوتا ہے

۳۔ اصل اور فرع میں ایک چیز مشترک ہوتی ہے کہ دونوں علت حکم میں شریک ہوتے ہیں اور دونوں کی شرکت برابر ہوتی ہے۔

۴۔ اسی علت حکم میں دونوں کے برابر شریک ہونے کی وجہ سے فرع جس کا حکم معلوم نہیں ہوتا اسے اصل کا حکم دے دیا جاتا ہے کیونکہ دونوں علت حکم میں برابر ہوتے ہیں۔

فصل دوم: ارکان قیاس

مبحث اول: قیاس کے اراکین کی تعداد

مبحث دوم: اصل

مبحث سوم: فرع

طرح ہر رکن کا الگ مقام ہے فقہی مذاہب کے علما کی آراء میں ارکان قیاس کی تفصیلات کا تفصیل سے ذکر کریں گے۔

ارکان الشئ اجزاؤہ فی الوجود التی لا یحصل الا بحصولها داخلة فی حقیقته محققة لهویة[1]

کسی چیز کے ارکان سے مراد اس چیز کے وہ اجزاء ہوتے ہیں جن کے بغیر یہ چیز وجود میں نہیں آسکتی اس چیز کو وجود میں آنے کے لیے ان اجزاء کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

الرکن: رکن الشئ مایقوم به الشئ[2]

کسی چیز کا رکن وہ چیز ہوتی ہے جس چیز پر وہ قائم ہوتی ہے۔

الرکن: الداخل فی حقیقة الشئ المحقق لماهیته[3]

رکن کسی بھی چیز کی حقیقت میں داخل ہوتا ہے اور اس چیز کی ماہیت اس کے ذریعے وجود میں آرہی ہوتی ہے۔

الرکن الشئ مایقوم به ذلك الشئ[4]

کسی چیز کا رکن وہ چیز ہوتی ہے جس چیز پر وہ قائم ہوتی ہے۔

الرکن: ماوجود لذلك الشئ الا به

رکن کسی چیز کا وہ حصہ ہوتا ہے جس کے بغیر یہ چیز وجود میں نہیں آسکتی۔

علامہ سرخسی کہتے ہیں کہ کسی چیز کا رکن وہ ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ چیز قائم ہوتی ہے اور قیاس جن سے قائم ہوتا ہے وہ اس کے اراکین ہیں۔[5]

رکن کسی بھی چیز کے کسی ایسے حصے کو کہتے ہیں جس سے وہ چیز وجود رکھتی ہے اس کے بغیر اس کا وجود ہی متزلزل ہو جاتا ہے قیاس کے چند ارکان ہیں جن پر قیاس کی عمارت قائم ہوتی ہے اگر ان ارکان میں سے ایک رکن بھی کم ہو جائے تو قیاس کی پوری عمارت گر جاتی ہے۔

مبحث اول: قیاس کے اراکین کی تعداد

قیاس کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ ان بنیادی اراکین کو جانا جائے جن سے پورا عمل قیاس معرض وجود میں آتا ہے کیونکہ ان اراکین میں سے ہر ایک اہم ہے۔

جعفری نقطہ نظر

۱۔ اصل یا المقیس علیه ۲۔ فرع یا المقیس ۳۔ علت ۴۔ حکم[6]

۱۔ فادیغا، اصول فقه الامام مالك، ص:۱/ ۹۲

۲۔ دبوسی، تقویم الادلة فی اصول الفقه، ص:۲۷۸

۳۔ نملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۷/ ۳۰۹

۴۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/ ۲۲۲

۵۔ مصطفی جمال الدین، القیاس حجیته وحقیقته، ص:۱۶۹

۶۔ المشکینی، اصطلاحات الاصول، ص:۲۲۶

مالکی نقطہ نظر

ارکان قیاس چار ہیں

ا۔اصل ۲۔فرع ۳۔علت ۴۔حکم (۲)

شافعی نقطہ نظر

شوافع کے ہاں ارکان قیاس کی تعداد چار ہے۔

ا۔اصل ۲۔فرع ۳۔علت؛۴۔حکم (۳)

حنبلی نقطہ نظر

قیاس کے چار ارکان ہیں۔

ا۔اصل ۲۔فرع ۳۔حکم ۴۔الوصف الجامع یا علت (۴)

فقہی مسالک کے علمائے کرام کی مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ علمائے کرام بنیادی طور پر اس بات پر متفق ہیں کہ قیاس کے اراکین کی تعداد چار ہے اس کے بعد ان تمام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ان چار سے مراد اصل، فرع، علت اور حکم ہیں بعض جگہ پر مقیس یا مقیس علیہ کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں ان سے مراد اصل اور فرع ہی ہوتے ہیں یہ ان دوسرے نام ہیں جیسے علت کہیں یا جامع کہیں مراد ایک ہی ہے ان تمام کی ضروری تفاصیل پیش خدمت ہیں۔

مبحث دوم: اصل

اصل در لغت

الاصل اسفل شئ و جمعه اصول ولا یکسر علی غیر ذلك الشئ (۵)

کسی چیز کے سب سے نچلے حصے کو اصل کہا جاتا ہے اصل کی جمع اصول ہوتی ہے۔

علمائے اصول نے اصل کے چند معانی کو ذکر کیا ہے:

ا۔الدلیل: اصل دلیل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے اسی معنی سے اصول الفقہ بھی ہے جس کا معنی ادلہ فقہ ہے۔

۲۔الصورة المقیس علیها: جیسے فقہاء کا یہ کہنا الخمر اصل للنبیذ شراب نبیذ کے لیے اصل ہے یعنی شراب نبیذ کے لیے مقیس علیھا ہے یعنی شراب پر نبیذ کے حکم کا قیاس کیا گیا ہے۔

۳۔الراجح: کلمہ اصل راجح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے الاصل فی الکلام الحقیقه یعنی جب کوئی کلمہ بولا جاتا ہے تو اس میں معنی راجح حقیقت ہونا ہے۔

ا۔قطلوبغا، شرح المختصر المنار، ص:۱۶۳ النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/۲۴۹

۲۔اللقانی، منازل الاصول الفتوی، ص:۱۱۵۱ السلمی، اصول الفقه، ص:۱۴۵

۳۔غزالی، المستصفی، ص:۲/۳۲۵ السبکی، جمع الجوامع، ص:۸۲ ص خضری، اصول الفقه، ص:۲۹۳

۴۔ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقه، ص: ۱۴۲ ابن النجار، شرح الکوکب المنیر، ص:۴/۱۱ ابن قدامه، روضة الناظر، ص:۱۶۶ النمله، اتحاف ذوی البصائر، ص:۷/۳۳

۵۔ابن منظور، لسان العرب، ص:۱۱/۱۶

یہاں پر اصل کا دوسرا معنی جو مقیس علیہا کا ہے وہ مراد ہے جس کا حکم معلوم ہوتا ہے اور جس پر مقیس کو قیاس کیا جاتا ہے۔

اصل کی اصطلاحی تعریف

جعفری نقطہ نظر

الاصل: وھو مقیس علیہ المعلوم ثبوت الحکم لہ شرعا[۲]

اصل وہ چیز ہوتی ہے جس پر قیاس کیا جاتا ہے اس کا حکم شرعی طور پر معلوم ہوتا ہے۔

حنفی نقطہ نظر

الاصل: ھو ما ورد النص بحکمہ[۳]

اصل وہ ہے جس کے بارے میں نص آئی ہوتی ہے۔

مالکی نقطہ نظر

الصورۃ المعلومۃ الحکم تسمی اصلا[۴]

وہ صورت جس میں حکم معلوم ہوتا ہے اسے اصل کہتے ہیں۔

شافعی نقطہ نظر

الاصل: انہ مصدر الذی یبین الحکم الذی یقاس علیہ الفرع[۵]

اصل وہ مصدر ہے جو اس حکم کو بیان کرتا ہے جس پر فرع کو قیاس کیا جا رہا ہوتا ہے۔

حنبلی نقطہ نظر

الاصل: محل الحکم المشبہ بہ[۶]

وہ مشبہ بہ، جس پر حکم آیا ہوتا ہے۔

ھو الذی یقاس علیہ الفرع بالوصف الجامع بینھما[۷]

اصل وہ ہے جس پر فرع کو قیاس کیا جاتا ہے ایک وصف جامع کے ذریعے سے جو ان دونوں کے درمیان مشترک ہوتا ہے۔

علما کی مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصل میں حکم ثابت ہوتا ہے اور اس کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ اس پر بھی علما کا اتفاق ہے کہ اصل میں ثابت حکم کے ذریعے ہی فرع میں حکم کو ثابت کیا جاتا ہے۔

۱۔ قرافی، نفائس الاصول، ص:۱/ ۱۵ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۹۳

۲۔ المظفر، اصول الفقہ، ص:۵۲۲

۳۔ زیدان، الوجیز، ص:۱۹۵

۴۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۶۵۲

۵۔ ابوزہرہ، اصول الفقہ، ص:۲۲۸

۶۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۱۴۲ النملہ، الجامع، ص:۳۳۱

۷۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۷/ ۳۳

جعفری نقطہ نظر

ا۔اصل کی دلیل کتاب وسنت سے ہونی چاہیے اجماع کے اصل کی دلیل بننے میں اختلاف ہے اکثر علما کہتے ہیں اجماع اصل کی دلیل بن سکتا ہے۔

۲۔یہ اصل کسی اور اصل کے لیے فرع نہ بن رہا ہو۔

۳۔اصل کی دلیل اپنی وسعت کے ذریعے فرع کو شامل نہیں ہونی چاہیے اگر دلیل فرع کو شامل ہو تو تو قیاس ایک غیر ضروری عمل ہو گا بلا وجہ کلام کو طوالت دی جارہی ہو گی۔[۱]

حنفی نقطہ نظر

ا۔اصل کسی اور نص سے اس حکم کے ساتھ خاص نہ ہو کیونکہ جب دلیل کے ذریعے حکم کا اصل کے ساتھ مخصوص ہونا ثابت ہو جائے گا تو تعلیل باطل ہو جائے گی۔

۲۔ان لایکون معدولا بہ عن القیاس کیونکہ ہماری ضرورت قیاس سے حکم ثابت کرنا ہے اور نص اس کی نفی کر رہی ہے تو قیاس سے اس حکم کو ثابت نہیں کیا جاسکتا جیسے بھول کر کھانے سے روزہ باقی رہتا ہے۔[۲]

مالکی نقطہ نظر

ا۔اصل میں حکم ثابت ہونا چاہیے اگر اصل میں حکم ثابت نہیں ہو گا تو قیاس اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ قیاس کا مقصد فرع میں اصل کے حکم کو ثابت کرنا ہوتا ہے جب اصل میں حکم ثابت نہیں تو فرع کی نوبت ہی نہیں آتی۔

۲۔اصل میں حکم مستمر ہو یعنی منسوخ نہ ہو گیا ہو کیونکہ اگر منسوخ ہو گیا ہو گا تو فرع میں حکم نہیں لاسکتے۔

۳۔حکم اصل کے ساتھ خاص نہ ہو کیونکہ اگر حکم خاص ہو گا تو یہ فرع میں نہیں جائے گا اور اگر یہ فرع میں چلا جائے گا تو حکم کا اصل کے ساتھ خاص ہونا مورد سوال چلا جائے گا۔

۴۔اصل جو مقیس علیہ واقع ہو رہی ہے وہ کسی دوسری اصل کے لیے فرع نہ ہو۔

۵۔ایسے حکم پر اتفاق نہ ہو جو دو اوصاف سے ملکر بنا ہو اس طرح کہ ہر فریق ایک وصف کو ہی علت قرار دے ایسی صورت میں اصل کا حکم ثابت نہیں ہو گا۔[۳]

شافعی نقطہ نظر

ا۔حکم اصل ثابت ہونا چاہیے۔

۲۔حکم اصل از طریق سمعی شرعی ثابت ہونا چاہیے۔

۳۔وہ طریق جس کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ماخوذ علت ہی اصل کے حکم کی بنیاد ہے یہ طریق سمعی ہونا چاہیے۔

۴۔یہ اصل کسی دوسری اصل کے لیے فرع نہ بن رہی ہو۔

۵۔وہ دلیل جو علت کو اصل میں ثابت کر رہی ہے وہ اصل سے خاص ہونی چاہیے وہ علت کو شامل نہ ہو۔

۶۔اصل پر قیاس کرنے کی دلیل موجود ہو۔

۷۔علت اصل میں حکم کی تبدیلی کا باعث نہ بنے۔

ا۔مصطفی جمال الدین، القیاس حقیقتہ وحجیتہ، ص:۱۷۳،۱۷۱

۲۔النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/۲۲۶،۲۲۲

۳۔تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۱۲۷-۱۲۸السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۴۹

اصل کی بنیادی طور پر دو شرائط ہیں ان کا اصل میں ہونا عمل قیاس کے درست انداز میں مکمل ہونے کے لیے بہت ضروری ہے۔

ا۔یہ بات ضروری ہے کہ اصل نص یا دونوں مخالفین کے نزدیک ثابت ہو اس کے بعد قیاس کا عمل شروع ہو گا۔[۲]

۲۔اصل کا حکم ایسا ہو جس کا معنی معقول ہو یعنی مجتہد اپنی عقل، سوچ اور فکر کے ذریعے سے اس معنی کو پہچان لے جس لیے شریعت میں یہ حکم آیا ہوا ہے بہت ایسے احکام ہیں جن کی علت انسان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے جیسے نماز کی رکعات کی تعداد، نماز کے اوقات اور طواف میں سعی کے دوران چکروں کی تعداد ان کو سمجھنا ممکن ہے اس لیے یہ قیاس کے لیے اصل قرار نہیں پاسکتے ہیں۔[۳]

فقہی مسالک کے علمانے اصل کی شرائط کو بیان کیا اس سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

ا۔اس بات پر علمائے کرام نے اتفاق کیا ہے کہ اصل کو نص کے ذریعے ثابت ہونا چاہیے دلیل شرعی اس پر قائم ہو۔

۲۔یہ اصل کسی دوسری جگہ فرع واقع نہ ہو رہا۔

۳۔اصل میں ثابت حکم باقی ہو یہ کسی دوسری شرعی دلیل کے ذریعے منسوخ نہ ہو گیا ہو منسوخ حکم خود ختم ہو چکا ہوتا ہے وہ کسی اور میں حکم کے ثابت ہونے کا باعث نہیں بن سکتا۔

۴۔اصل کا حکم معقول ہو تا کہ اس حکم کی علت مجتہد خود سے سمجھ سکے اور پھر اس کو فرع میں ثابت کر کے حکم کو فرع میں تعمیم دے سکے۔

حکم اصل

جعفری نقطہ نظر

الحکم: وهونوع الحکم الذی ثبت للاصل ویراد اثباته للفرع[۴]

یہ حکم کی وہ قسم ہے جو اصل کے لیے ثابت ہوتی ہے اور اس کو فرع کے لیے ثابت کرنا ہوتا ہے۔

حنفی نقطہ نظر

هو الحکم الشرعی الذی ورد به النص فی الاصل ویراد تعدیته للفرع[۵]

حکم اصل وہ حکم شرعی ہے جس کے بارے میں اصل میں نص آئی ہوتی ہے اور اس سے فرع میں اسے بڑھایا جاتا ہے۔

مالکی نقطہ نظر

والحکم المطلوب اثباته فی الفرع[۶]

ا۔غزالی، المستصفی، ص:۲/ ۳۲۵-۳۲۶

۲۔نملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۷/ ۱۱۲

۳۔ایضاً، ص:۷/ ۳۳۰

۴۔المظفر، اصول الفقه، ص:۵۲۲

۵۔زیدان، الوجیز، ص:۱۹۵

۶۔تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۶۵۳

هو ما ورد به النص او الاجماع عند من يعتبر الاجماع[۱]

حکم سے مراد جو نص یا جس کے نزدیک اجماع معتبر ہے اس کے لیے اجماع سے ثابت ہو۔

حنبلی نقطہ نظر

هو الحكم الشرعي الذي ورد به نص من كتاب او سنة او اجماع ويراد اثبات مثله في الفرع[۲]

حکم شرعی جس کے بارے میں قرآن یا سنت میں نص آئی ہو اجماع واقع ہو اور اسی حکم جیسا حکم فرع میں ثابت کرنا ہو۔

حکم اصل کی مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔اس بات پر علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ یہ حکم اصل کے لیے نص جیسے قرآن و سنت یا دیگر معتبر شرعی دلیلوں جیسے اجماع وغیرہ کے ذریعے سے ثابت ہوتا ہے۔

۲۔اس بات پر بھی علما کا اتفاق ہے کہ اس حکم کو جو کہ اصل کے لیے ثابت ہوتا ہے اسے فرع میں ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔

حکم اصل کی شرائط

جعفری نقطہ نظر

۱۔یہ حکم شرعی اور عملی ہونا چاہیے۔

۲۔حکم منسوخ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ فرع تک تب جائے گا جب اصل میں ثابت ہو گا جب وہاں ہی معتبر نہیں رہا تو فرع میں بھی نہیں جائے گا۔

۳۔حکم ایسا ہونا چاہیے جس کی حکمت اور سبب تشریع کو عقل جان سکے۔

۴۔یہ حکم اصل کے ساتھ کسی بھی وجہ سے خاص نہیں ہونا چاہیے جیسے خصائص نبیؐ اور حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالی عنہ کی گواہی کا مسئلہ ہے۔[۳]

حنفی نقطہ نظر

۱۔حکم اصل سے خاص نہ ہو یہ حکم کسی نص کے ذریعے سے خاص ہو گا جیسے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کی گواہی دو گواہوں کی گواہی کے برابر ہے یہ حکم ان کے ساتھ خاص ہے۔

۲۔اصل میں موجود حکم شرعی نص سے ثابت ہونا چاہیے تو یہ فرع میں ثابت ہو گا۔

۳۔قیاس کے بعد اصل میں اسی طرح حکم باقی رہنا چاہیے کیونکہ قیاس میں حکم کو تعمیم دی جاتی ہے ابطال نہیں کیا جاتا[۴]

۴۔امام النسفی نے کہا ہے کہ حکم شرعی ہونا چاہیے اس کے ساتھ حکم بغیر کسی تبدیلی کے اصل سے فرع کی طرف جائے[۵]

۱۔ابوزہرہ،اصول الفقہ،ص:۱۳۲

۲۔النملہ، الجامع،ص:۳۳۲نملہ،اتحاف ذوی البصائر،ص:۳۱۱/۷

۳۔مصطفی جمال الدین،القیاس حقیقتہ وحجیتہ،ص:۱۷۶

۴۔دبوسی،تقویم الادلۃ فی اصول الفقہ،ص:۲۷۹قطلوبغا،شرح المختصر المنار،ص:۱۶۲، ۱۶۱ابن نجیم،فتح الغفار،ص:۳۶۵

۵۔النسفی،کشف الاسرار،ص:۲۲۹/۲

۷۔ یہ نص کے مقابلے میں نہیں ہونا چاہیے۔
۸۔ یہ کسی نص کے ذریعے ثابت حکم کو تبدیل بھی نہ کر رہا ہو۔
۹۔ یہ ایسے حکم کی طرف نہ لے جا رہا وہ جس کا معنی ہی نہ بنتا ہو جو معقول ہی نہ ہو۔[۲]

مالکی نقطہ نظر

۱۔ حکم اصل کو شرعی ہونا چاہیے۔
۲۔ حکم اصل قیاس میں جاری ہونے والا ہو۔
۳۔ حکم اصل نص کتاب یا سنت سے ثابت ہو یا ایسے اجماع سے ثابت ہو جس کی مستند نص ہو۔[۳]
۴۔ حکم شرعی ہونا چاہیے کیونکہ قیاس دلیل شرعی ہے اس لیے لغات وغیرہ میں قیاس جائز نہیں ہے۔
۵۔ حکم عادی کو بھی قیاس کے ذریعے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔
۶۔ جس میں قطع مطلوب ہو اس میں بھی قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ قیاس قطع کا فائدہ نہیں دیتا۔[۴]
۷۔ حکم اصل باقی ہو منسوخ نہ ہو گیا ہو۔[۵]

شافعی نقطہ نظر

۱۔ یہ حکم بغیر قیاس کے ثابت ہونا چاہیے۔
۲۔ یہ حکم شرعی ہونا چاہیے کیونکہ قیاس فقہی احکام عملیہ میں ثابت ہوتا ہے۔
۳۔ حکم اصل کی دلیل حکم فرع کو شامل نہ ہو۔[۶]
۴۔ حکم ایسا ہونا چاہیے جس کے سبب کو عقل پہچان رہی ہو۔
۵۔ حکم خاص نہیں ہونا چاہیے جیسے چار سے زیادہ شادیاں کرنا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص تھا اب اس کی بنیاد پر قیاس نہیں ہو سکتا۔[۷]
۶۔ حکم میں بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ حکم شرعی ہونا چاہیے۔[۸]

حنبلی نقطہ نظر

۱۔ یہ حکم شرعی ہونا چاہیے اگر یہ حکم عقلی ہو گا تو یہ قیاس کے ذریعے سے ثابت نہیں ہو سکتا۔
۲۔ حکم اصل حکم فرع کے ہر لحاظ سے برابر ہونا چاہیے اس میں کوئی فرق نہ ہو۔[۹]
۳۔ حکم اصل حکم فرع کو شامل نہ ہو۔
۴۔ اصل کا حکم کسی دوسرے حکم شرعی کے ذریعے سے منسوخ نہ ہو گیا ہو۔

۱۔ عبد العلی، فواتح الرحموت، ص: ۲/۳۰۳
۲۔ شاشی، اصول شاشی، ص: ۱۹۶
۳۔ فادیغا، اصول الفقه الامام مالك ادلته العقليه، ص: ۱۰۵-۱۱۳
۴۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص: ۱۴۰ فادیغا، اصول الفقه، ص: ۱۰۶، ۱۰۵ الشنقيطي، درر الاصول، ص: ۱۰۷
۵۔ السلمی، اصول الفقه، ص: ۱۵۲
۶۔ السبکی، جمع الجوامع، ص: ۸۲
۷۔ ابو زہرہ، اصول الفقه، ص: ۲۳۵، ۲۳۳
۸۔ غزالی، المستصفى، ص: ۲/۳۳۱
۹۔ ابن قدامہ، روضة الناظر، ص: ۱۶۹، ۱۶۸

۱۔علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ حکم اصل کسی مورد سے خاص نہیں ہونا چاہیے جیسے نبی اکرم ﷺ کی چار سے زائد شادیاں کرنا۔

۲۔یہ حکم اصل منسوخ نہیں ہونا چاہیے۔

۳۔اس حکم کو عقل درک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو

۴۔حکم اصل اور فرع میں دونوں کے لیے برابر ہونا چاہیے اس میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔

۵۔علمانے یہاں یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ حکم شرعی ہونا چاہیے حکم عقلی قیاس کے ذریعے سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

۶۔حکم اصل کسی بھی طور پر فرع کو شامل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اگر حکم اصل جو کہ نص کے ذریعے ثابت ہے وہ فرع کو بھی شامل ہو جائے تو اس وقت قیاس کی ضرورت ہی نہیں ہو گی بلکہ حکم خود نص سے ثابت ہو جائے گا۔

مبحث دوم: فرع

جعفری نقطہ نظر

الفرع: وهو المقيس المطلوب اثبات الحكم له شرعا[۲]

جس کو قیاس کرنا ہوتا ہے جس کا حکم شرعی طور پر ثابت کرنا مطلوب ہوتا ہے۔

حنفی نقطہ نظر

الفرع: هو ما لم يرد نص بحكمه ويراد ان يكون له حكم الاصل بطريق القياس[۳]

جس کے حکم میں نص نہیں آئی ہوتی۔ اس کے لیے قیاس کے ذریعے وہی حکم ثابت کیا جاتا ہے جو اصل کے لیے ہے۔

مالکی نقطہ نظر

الصورة المجهولة الحكم تسمى فرعا[۴]

جس کا حکم معلوم نہ ہو اسے فرع کہتے ہیں۔

الفرع: يقصد به المحل الذى لم ينص على حكمه[۵]

اس سے مقصود وہ مورد ہے جس کے حکم پر کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہوتی۔

شافعی نقطہ نظر

الفرع: هو الوقعة التى يراد معرفة حكمها بالقياس على الاصل[۶]

۱۔ابن النجار، شرح الکوکب المنیر، ص:۴/۱۷-۲۷

۲۔المظفر، اصول الفقه، ص:۵۲۲

۳۔زیدان، الوجیز، ص:۱۹۵

۴۔تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۶۵۲

۵۔فادیغا، اصول الامام مالک، ص:۸۵

۶۔ابوزہرہ، اصول الفقه، ص:۲۳۵

حنبلی نقطہ نظر

الفرع: المحل المشبه[1]

مشبہ کی جگہ فرع کہلاتی ہے۔

هو المحل الذی لم ینص علی حکمه[2]

وہ جگہ جس کے حکم کے بارے میں نص نہیں آئی ہے۔

ماحمل علی اصل بعلة مستنبطة منه[3]

فرع وہ ہے جسے علت مستنبطہ کی وجہ سے اصل پر حمل کیا جاتا ہے۔

مسالک فقہیہ کے علما کی آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ اس بات پر علما کا اتفاق ہے کہ فرع کا حکم معلوم نہیں ہوتا۔

۲۔ فرع کے حکم کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہوتی۔

۳۔ اس عمل قیاس کے نتیجہ میں اسی کا حکم معلوم کرنا مقصود ہوتا ہے۔

فرع کی شرائط

قیاس کا پورے عمل کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قیاس میں جو چیز مقصود ہوتی ہے وہ اصل کا حکم فرع میں ثابت کرنا ہوتا ہے فقہی مسالک میں فرع کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

جعفری نقطہ نظر

۱۔ فرع منصوص نہیں ہونی چاہیے کیونکہ موضع نص پر قیاس نہیں ہوتا حقیقت قیاس یہ ہے کہ جس واقعہ میں نص نہیں ہوتی اس کو نص والے واقعہ کے ساتھ ملحق کرنا ہوتا ہے منصوص کو منصوص سے ملحق نہیں کرنا ہوتا۔

۲۔ فرع میں یہ شرط ہے کہ وہ تشریع میں اصل پر مقدم نہ ہو جیسے شوافع کہتے ہیں کہ وضو میں نیت واجب ہے کیونکہ تیمم میں نیت واجب ہے جبکہ مقام تشریع میں وضو پہلے آیا ہے اور تیمم بعد میں آیا ہے اگر یہ تقدم جائز قرار دے دیں تو فرع میں حکم بغیر دلیل کے ثابت ہو جائے گا۔[4]

حنفی نقطہ نظر

۱۔ فرع اصل کی طرح ہو اس سے کم نہ ہو۔

۲۔ فرع میں کوئی نص نہیں ہونی چاہیے۔[5]

مالکی نقطہ نظر

۱۔ فرع میں علت اسی طرح تام اور مکمل ہو جیسے یہ علت اصل میں تام و مکمل ہوتی ہے فرع کی علت جنس اور نوع میں اصل کی علت کے مساوی ہونی چاہیے کیونکہ اصل سے فرع کی طرف حکم کا جانا علت کے متعدی ہونے پر موقوف

۱۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقه، ص:۱۴۲

۲۔ النملہ، الجامع، ص:۳۳۱

۳۔ نملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۷/ ۳۱۰

۴۔ مصطفی جمال الدین، القیاس حقیقته وحجیته، ص:۱۷۵، ۱۷۴

۵۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/ ۲۲۹

۲۔ وصف میں مماثلت ہونی چاہیے جیسا وصف اصل میں ہے ویسا وصف فرع میں ہونا چاہیے۔

۳۔ نفی یا اثبات کسی بھی صورت میں فرع کا حکم منصوص نہیں ہونا چاہیے اگر فرع کا حکم منصوص ہو گا تو منصوص ہونے کی وجہ سے نص قیاس سے مقدم ہو جائے گا

۴۔ اصل میں ثابت ہونے سے پہلے حکم فرع میں ثابت نہ ہو جائے۔(۱)

۵۔ موضوع اصل احکام میں موضوع فرع کے مباین نہ ہو جیسے نکاح کو بیع پر قیاس کرنا۔(۲)

فرع کی شرائط میں سے ہے کہ فرع کی علت اصل کی علت کے مساوی ہو۔(۳)

شافعی نقطہ نظر

۱۔ اصل کا حکم فرع میں موجود ہونا چاہیے۔

۲۔ ثبوت میں فرع اصل پر مقدم نہ ہو۔

۳۔ فرع کا حکم اصل کے حکم سے کم یا زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔

۴۔ فرع کے بارے میں کوئی نص نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اگر حکم نص میں بیان کر دیا گیا ہے تو پھر قیاس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔(۴)

۶۔ فرع میں حکم کی علت موجود ہونی چاہیے یہ علت اصل اور فرع میں برابر ہو۔(۵)

حنبلی نقطہ نظر

۱۔ سب سے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ فرع میں علت حکم پائی جائے۔

۲۔ فرع کا حکم اصل کے حکم کے برابر ہونا چاہیے

۳۔ فرع کا حکم کسی اور نص سے ثابت نہ ہو رہا ہو کیونکہ اگر فرع کا حکم کسی اور نص سے ثابت ہو رہا ہو گا تو اسے قیاس کی ضرورت ہی نہیں ہو گی اس لیے اس کے بارے میں کوئی نص نہیں ہونی چاہیے

۴۔ فرع اصل پر مقدم نہیں ہونی چاہیے۔(۶)

علامہ ابن قدامہ نے بھی اس شرط کو بنیادی شرط قرار دیا ہے کہ فرع میں اصل میں پائی جانے والی علت موجود ہونی چاہیے اصل کا حکم فرع میں اسی علت کی وجہ سے جاری ہوتا ہے۔(۷)

علما کی مذکورہ بالا آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ علمائے کرام کا اس بات اتفاق کیا ہے کہ فرع کے بارے میں کوئی شرعی نص نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اگر شرعی نص موجود ہے تو فرع کا حکم اس کے مطابق ہو گا اور قیاس کی ضرورت نہیں ہو گی۔

۲۔ علما نے اس رائے کا اظہار بھی کیا ہے کہ فرع میں وہی علت موجود ہونی چاہیے جو اصل میں حکم شرعی کی علت ہے تاکہ اصل کا حکم فرع کو مل سکے۔

۱۔ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱۰۵-۱۲۴ تلمسانی، مفتاح الاصول، ص:۱۶۷-۱۸۲ السلمی، اصول الفقہ، ص:۱۵۰

۲۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۱۳۹

۳۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۱۴۵

۴۔ غزالی، المستصفی، ص:۲/ ۳۳۰ خضری، اصول الفقہ، ص:۲۹۷

۵۔ ابوزہرہ، اصول الفقہ، ص:۱۳۶

۶۔ ابن النجار، شرح الکوکب المنیر، ص:۴/ ۱۰۸-۱۱۲

۷۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۱۶۹

۴۔ حکم فرع حکم اصل پر مقدم نہیں ہونا چاہیے۔

مبحث اول: علت قیاس

مبحث دوم: علت کی شرائط

پر ہی قیاس کی حجیت کا فیصلہ کیا جاتا ہے اسی کے ذریعے ہی عمل قیاس معرض وجود میں آتا ہے بنیادی طور پر یہ ایک مشکل کام ہے کہ کسی حکم کی علت تلاش کرنا اور پھر اس علت کو عمومیت دیتے ہوئے اس کے مطابق حکم لگانا اس لیے علت کی بحث انتہائی ہے۔

اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر امام بزدوی کہتے ہیں علت وہ بنیاد ہے جس پر قیاس قائم ہوتا ہے۔[1]

علت کی اصطلاحی تعریف

جعفری نقطہ نظر

العلة: وهی الجهة المشترکة بین الاصل و الفرع التی اقتضت ثبوت الحکم ویسمی جامعا[2]

اصل اور فرع کے درمیان علت وہ مشترکہ جہت ہے جو حکم کے ثابت کرنے کا تقاضا کرتی ہے اسے جامع کا نام دیا جاتا ہے۔

العلة: هی الجامع الموجب لاثبات مثل حکم الاصل فی الفرع[3]

علت وہ جامع ہے جو اصل جیسے حکم کو فرع میں ثابت کرنے کا موجب بنتی ہے۔

حنفی نقطہ نظر

العلة: هو الوصف الموجود فی الاصل والذی من اجله شرع الحکم فیه و بناء علی وجوده فی الفرع یراد تسویته بالاصل فی هذا الحکم[4]

علت وہ صفت ہے جو اصل میں موجود ہوتی ہے جس کی وجہ سے اصل میں حکم آتا ہے اور اسی صفت کی فرع میں موجودگی کی وجہ سے یہ فرع میں بھی حکم اصل میں شریک ہو جاتی ہے۔

مالکی نقطہ نظر

العلة: هی الصفة التی یتعلق الحکم الشرعی بها[5]

علت وہ وصف ہے جس سے حکم شرعی کا تعلق ہوتا ہے۔

العلة: الوصف الجالب للحکم[6]

علت وہ وصف ہے جو حکم کا تقاضا کرتا ہے۔

العلة: هی الوصف الظاهر المنضبط المشتمل الحکمة[7]

۱۔ ابوزہرہ، اصول الفقہ، ص:۲۳۷

۲۔ المظفر، اصول الفقہ، ص:۵۲۲

۳۔ محقق، معارج الاصول، ص:۲۵۷

۴۔ زیدان، الوجیز، ص:۱۹۵

۵۔ ابن القصار، المقدمة فی اصول الفقہ، ص:۱۶۷ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/۹۸

۶۔ ایضاً ص:۱۶۷ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/۹۷

۷۔ فادیغا، اصول الفقہ، ص:۱۲۵

شافعی نقطہ نظر

العلة: هي الحكمة الباعثة على تشريع الحكم[1]

علت وہ حکمت ہے جو کسی بھی حکم کے آنے کا باعث بنتی ہے۔

العلة: انها الوصف الظاهر المنضبط المناسب للحکم[2]

علت سے مراد وہ وصف ہوتا ہے جو حکم کے لیے واضح اور منضبط ہوتا ہے۔

حنبلی نقطہ نظر

العلة: هي المعرف للحکم[3]

یہ حکم کی پہچان کرانے والی ہوتی ہے۔

علت کی ان تمام تعریفوں کو تین گرہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا گروہ: انہوں یہ تعریف کی ہے۔

الوصف الجالب للحکم

وہ وصف جو حکم کو جلب کرتا ہے۔

دوسرا گروہ: ابن قصار نے مقدمہ میں یہ تعریف کی ہے۔

العلة: هي الصفة التي يتعلق الحكم الشرعي بها[4]

علت وہ صفت ہے جس کے متعلق حکم شرعی ہوتا ہے۔

مبحث دوم: علت کی شرائط

فقہ جعفری کا نقطہ نظر

۱۔ علت متعدی ہونی چاہیے جو علت متعدی ہونے سے قاصر ہو اس کے ذریعے قیاس درست نہیں ہے کیونکہ فرع علتِ قاصر کے ساتھ شریک حکم نہیں ہو سکتی۔

۲۔ علت مطردہ: علت ایسی ہونی چاہیے جیسے ہی علت آئے حکم بھی آجائے۔

۳۔ علت منعکسہ: علت منعکسہ ہونی چاہیے یعنی جب یہ علت نہ ہو اس کا حکم بھی نہ رہے علت کے جانے سے حکم بھی چلا جائے۔[5]

۱۔ علت وصف ظاہر ہونا چاہیے۔

۲۱۔ علت وصف منضبط ہونا چاہیے۔

۳۔ علت وصف مناسب ہو۔[6]

۱۔ خضری، اصول الفقه، ص:۲۹۸

۲۔ ابوزہرہ، اصول الفقه، ص:۲۳۷

۳۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۷/۳۹

۴۔ ابن القصار، المقدمة في اصول الفقه، ص:۱۶۷ فادیغا، اصول فقه الامام مالک، ص:۱/۹۸

۵۔ مصطفی جمال الدین، القياس حقيقته وحجيته، ص:۲۰۳-۲۱۱

۶۔ رضوانی، اصول فقه مقارن، ص:۲۰۰

ہو گی تو اسے حواس درک نہیں کر سکیں گے حواس درک نہیں کر سکیں گے تو وہ حکم پر دلالت نہیں کرتی۔

۲۔ علت ایسے وصف پر مشتمل ہونی چاہیے جو معین ہو اشخاص یا حالات کے تبدیل ہونے سے یہ تبدیل نہ ہو رہا ہو۔

۳۔ علت ایسے وصف پر مشتمل ہونی چاہیے جو حکم کے مناسب بھی ہو وہ مصلحت جس کا شارع نے اس حکم کو جعل کرتے وقت قصد کیا ہے اس کا خیال رکھا گیا ہو۔

۴۔ علت ایسے وصف پر مشتمل ہونی چاہیے جو متعدی ہو یعنی یہ وصف آگے بڑھ سکتا ہو۔

۵۔ علت ایسے وصف پر مشتمل ہونی چاہیے جو جس کو شارع نے نا قابل قبول قرار نہ دیا ہو یعنی ایسا وصف ہو جو شارع کو قابل قبول ہو۔[۱]

مالکی نقطہ نظر

۱۔ حکم وجودی کی تعلیل وصف وجودی سے اور حکم عدمی کی تعلیل وصف عدمی سے لانا اجماعا جائز ہے جیسے زکوۃ کے واجب ہونے کی تعلیل نصاب اور قصاص کے واجب ہونے کی تعلیل قتل عمدی عدوانی ہے۔

۲۔ علت کو معرفہ ہونا چاہیے یعنی وہ وصف جو حکم کا تقاضا کر رہا ہے وہ ظاہر ہو خفی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ حکم خود غائب ہے اور جب وصف بھی غائب ہو گا تو غیب سے غیب کو نہیں پہچانا جا سکتا۔

۳۔ ضروری ہے کہ علت کا وصف منضبط ہو مضطرب نہ ہو اس کا معنی یہ ہے کہ چیزیں متفاوت ہوتی ہیں جیسے مشقت قوی اور ضعیف ہوتی ہے جب حکم کا معیار یہ ہو تو ضروری ہے کہ یہ منضبط ہو۔

۴۔ اطراد کے علت میں شرط ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اطراد کا معنی یہ ہے کہ جب بھی جیسے بھی علت کسی بھی صورت میں پائی جائے گی اس کے ساتھ ہی حکم بھی آ جائے گا۔

۵۔ انعکاس کو علت کے لیے شرط قرار دینے میں اختلاف ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب علت نہ ہو گی حکم بھی نہیں ہو گا کچھ لوگوں نے ایک حکم کے لیے کئی علتوں کو منع قرار دیا ہے کچھ نے کہا ہے کہ ایک حکم کے لیے کئی علتیں ہو سکتی ہیں جیسے حرمت نکاح قرابت، صھر اور رضاع کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔

۶۔ علت کو تعدیہ میں شرط قرار دینے میں علما کا اختلاف ہے احناف شرط قرار دیتے ہیں مالکیہ اور شوافع شرط قرار نہیں دیتے۔[۲]

۱۔ علت وصف ظاہر ہو جیسے اسکار علت حرمت ہے۔

۲۔ علت وصف منضبط ہونی چاہیے یعنی زمان و مکان کی تبدیلی اس کو تبدیل نہ کر دے۔

۳۔ علت ایسے وصف پر مشتمل ہو جو متعدی ہو یعنی اصل کے ساتھ ساتھ فرع میں بھی ہو سکتا ہو۔

۴۔ علت کو قطعی یا ظنی طور پر ثابت ہونا چاہیے۔

۵۔ علت مطردہ ہونی چاہیے یعنی جیسے ہی علت آئے اسی وقت حکم بھی آ جائے۔[۳]

شافعی نقطہ نظر

۱۔ اصل کی علت حکم فرع میں موجود ہونی چاہیے۔

۱۔ زیدان، الوجیز، ص: ۲۰۴-۲۰۷

۲۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص: ۱۲۹-۱۳۱

۳۔ السلمی، اصول الفقہ، ص: ۱۵۶، ۱۵۵ فادیغا، اصول الفقہ، ص: ۱۲۵-۱۲۸

بھی اسے نہ بدلے۔

۴۔ عرف مطرد ہو اور حکم شرعی ہو۔[۱]

۵۔ علت ایسی نہیں ہونی چاہیے جو کسی دوسری جگہ آ ہی نہ سکتی ہو مورد نص سے آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہو

۔

۶۔ کبھی ایسا نہ ہوتا ہو کہ علت آجائے اور اس کا حکم نہ آئے اگر ایسا ہوا تو یہ علت قیاس نہیں بن سکتی۔[۲]

حنبلی نقطہ نظر

۱۔ علت میں یہ شرط ہے کہ یہ علت متعدی ہونی چاہیے۔[۳]

۲۔ اصل کی علت اس کے حکم سے متاخر نہیں ہونی چاہیے۔

۳۔ علت میں یہ شرط ہے کہ یہ نص اور اجماع کے خلاف نہ ہو۔

۴۔ اس علت پر دلیل شرعی قائم ہونی چاہیے جس کے ذریعے سے یہ علت ثابت ہو رہی ہو۔

۵۔ یہ علت اپنے عموم کے ذریعے فرع کو شامل نہیں ہونی چاہیے۔[۴]

ابن اللحام نے کہا ہے کہ علت ایسی حکمت پر مشتمل ہو جو شارع کو اس حکم سے مقصود تھی اسی طرح علت متعدی ہونے والی ہو۔[۵]

علما کی مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں

۱۔ علت متعدی ہونی چاہیے تاکہ اس کے ذریعے حکم فرع میں ثابت کیا جاسکے۔

۲۔ علت کو کسی معتبر شرعی دلیل سے ثابت ہونا چاہیے۔

۳۔ علت ایسی ہونی چاہیے جیسے ہی یہ آئے اس کے ساتھ حکم بھی آجائے اگر ایسا نہ ہو اور کبھی علت آجائے حکم نہ آئے تو ایسا وصف علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۴۔ علت وصف ظاہر ہونا چاہیے وصف خفی نہیں ہونی چاہیے

۱۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۸۴

۲۔ خضری، اصول الفقہ، ص:۳۱۹؛ ابو زہرہ، اصول الفقہ، ص:۱۴۰، ۱۳۹

۳۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۱۶۹

۴۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۴/ ۷۶-۸۷

۵۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۱۴۳

فصل چہارم: حجیت قیاس

مبحث اول: قیاس کی حجیت پر قرآن سے ادلہ

مبحث دوم: قیاس کی حجیت پر سنت سے ادلہ

مبحث سوم: قیاس کی حجیت پر عقل، اجماع اور ضرورتِ قیاس کی دلالت

علمائے کرام نے قیاس کی حجیت پر بہت سی دلیلیں کو ذکر کیا ہے ہم ان دلیلوں میں سے بنیادی دلیلوں کو ذکر کریں گے جن میں قرآن، سنت، عقل، اجماع اور ضرورت قیاس شامل ہیں

مبحث اول: قیاس کی حجیت پر قرآن سے ادلہ

اللہ تعالی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے

﴿فَاعۡتَبِرُوا يَا أُولِي الۡأَبۡصَارِ﴾(١)

پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

قیاس اعتبار ہی ہوتا ہے جو صاحب بصیرت کر رہا ہوتا ہے۔(٢)

امام النسفی فرماتے ہیں کہ اعتبار کسی چیز کو اس کی نظیر کے ساتھ پلٹانا ہوتا ہے اور یہی قیاس ہے۔(٣)

اعتبار کا معنی عبور اور انتقال کا ہوتا ہے جس میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل ہوا جاتا ہے یہ معنی قیاس میں بھی پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں حکم اصل سے فرع کی طرف منتقل ہو رہا ہوتا ہے۔(٤)

ابن حزم اس استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں یہاں قیاس مراد لینا محال ہے کیونکہ قرآن و سنت میں ہمیں کہیں نہیں بتایا گیا کہ کہ کس چیز سے قیاس کریں؟ کب قیاس کریں؟ اور کس چیز پر قیاس کریں؟ اگر ہمیں قرآن و سنت میں تمام چیزیں بتائی گئی ہوتیں تو ہم ضرور قیاس کرتے اب ان میں سے کوئی چیز نہیں بتائی گئی لہذا ہم قیاس نہیں کر سکتے۔(٥)

﴿قَالَ مَن يُحۡيِي الۡعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾(٦)

کہنے لگا ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟

ان الآیہ تدل علی مساواۃ النظیر للنظیر یہ قیاس سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ رمیم ہونے کے بعد زندہ کرے گا اس آیت کو صرف قیاس کے ذریعے ہی سمجھ سکتے ہیں اگر قیاس کو درست تسلیم نہ کریں تو اس آیت کی دلالت بھی درست نہ ہو گی۔

پہلے تو ہمیں اس آیت کے استدلال میں ہی اعتراض ہے اگر اس آیت کو مان بھی لیا جائے تو اس آیت کی دلالت صرف اور صرف قیاس اولی پر ہے جو کہ مقطوع ہوتا ہے قیاس مساوات پر اس کی دلالت نہیں ہے جو کہ ظنی ہوتا ہے۔(٧)

﴿وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحۡكُمُ بِهِ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنكُمۡ﴾(٨)

١۔ سورۃ الحشر: ٥٩/ ٢

٢۔ البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص:١٥٧ افادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:١/ ١٥٩

٣۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:٢/ ١٩٨

٤۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:٧/ ١١٦

٥۔ المظفر، اصول الفقہ، ص:٥٢٨

٦۔ سورۃ یسین ٣٦/ ٧٨

٧۔ المظفر، اصول الفقہ، ص:٥٢٨

٨۔ سورۃ مائدۃ ٥/ ٩٥

تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے مثل شئ کو خود شئ کی جگہ پر رکھا ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کسی چیز کا حکم اسی چیز کی مثل کو بھی دیا جاسکتا ہے دو ایک جیسی چیزوں کا حکم ایک ہی ہوتا ہے اور یہی قیاس شرعی ہوتا ہے۔[۱]

علامہ نسفی نے ان آیات کا کو اجماع کی حجیت کے لیے بطور دلیل ذکر کیا ہے[۲]

مبحث دوم: حجیت قیاس پر سنت سے ادلہ

ا۔ حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ

((عن معاذ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعث معاذا الی الیمن قال لہ : کیف تقضی اذا عرض لك قضاء قال : اقضی بکتاب اللہ ، قال : فان لم تجدہ فی کتاب اللہ ، قال : اقضی بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : " فان لم تجدہ فی سنۃ رسول اللہ ، قال : اجتھد برائی لا آلو ، قال : فضرب بیدہ فی صدری وقال : " الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما یرضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم))[۳]

" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا تو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ فیصلہ کے لئے پیش ہو گا تو تم اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے ؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! میں اس کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا، آپؐ نے پھر پوچھا: اگر تم اسے کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ انہوں نے جواب دیا کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیصلہ کروں گا، آپ نے پھر دریافت فرمایا: اگر تم اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں بھی نہ پا سکو ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت میں اجتہاد (بھرپور کوشش) کروں گا اور سستی نہیں کروں گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (میرا جواب سن کر) آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا اور فرمایا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہے ں کہ اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کو ایسی چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ کی ان کے اجتہاد کرنے پر ان کی تائید فرمائی اور قیاس اجتہاد کی ایک قسم ہے اس لیے قیاس بھی شرعی ہے جب قیاس شرعی ہے تو اس قیاس کے مطابق عمل کرنا بھی شرعی ہے۔[۴]

ا۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۷/۱۱۹

۲۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/۲۰۹

۳۔ ابی داود، سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی داود، کتاب الاقضیۃ، باب اجتھاد والرای فی القضاء، حدیث نمبر:۳۵۹۲، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، ص:۳/۳۰۳، الترمذی، ابی عیسی محمد بن عیسی بن سودہ الترمذی، جامع الترمذی مع الشمائل النبوی، قرآن محل، کراچی سال اشاعت ندارد، ص:۱/۱۹۳، النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/۲۰۰

۴۔ نملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۷/۱۲۰

ایفائے نذر کے مر گئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا: ہاں! اگر تیری ماں پر کسی کا قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا نہ کرتی؟ پھر فرمایا کہ خداے تعالیٰ کے حق کو ادا کرو! وہ زیادہ تر اِس کا مستحق ہے کہ اس کے حقوق ادا کئے جائیں[1]۔

اس حدیث سے یوں استدلال کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قرض کی ادائیگی کے فرض میں اللہ کے قرض کو بندوں کے قرض سے ملحق کیا ہے اور یہ عین قیاس ہے۔[2]

«عن أنس قال : سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم : أيقبل الصائم فقال : وما بأس ذلك ریحانة یشمها»[3]

یعنی کسی نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اگر روزہ دار بوسہ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں، وہ ایسا ہے جیسے ریحان کو سونگھنا۔()

«اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فله اجران و اذا حکم فاجتھد ثم اخطا فله اجر»[4]

جب حاکم اجتہاد کے ذریعے حکم دیتا ہے اور وہ واقع کے مطابق ہوتا ہے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور جب وہ غلط نکل آتا ہے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

یہاں حکم دینے کی نسبت اجتہاد کی طرف دی گئی ہے اور قیاس اجتہاد کی ایک قسم ہے اس لیے یہ بھی حجت ہے۔[5]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا تھا اس میں تحریر کیا

اعرف الاشباہ والامثال وقس امور برایك[6]

اشباہ اور امثال کو پہچانو اور امور کو ان پر قیاس کرو۔

مبحث سوم: قیاس پر عقل، اجماع اور ضرورتِ قیاس کی دلالت

عقل

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ بہت سارے واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں حکم بیان نہیں ہوا ہوتا اب عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان کے لیے کوئی حکم ہونا چاہیے تا کہ یہ حکم سے خالی نہ رہ جائیں عقل احکام شرعیہ کی علل کو درک کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں اس مورد کے حکم کا ظن حاصل ہو جاتا ہے اور یہ ایسا ظن ہے جس کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔[7]

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب جزاء الصید، باب الحج والنذور عن المیت، والرجل یحج عن المرأۃ. حدیث نمبر: ۱۸۵۲، ص: ۱/ ۵۴۹

۲۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص: ۱۵۱ نملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص: ۷/ ۱۲۶

۳۔ ہندی، علاالدین المتقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال، ط/ ۵، کتاب الصوم، باب "موجب الإفطار ومایفسد ومالا یفسد" حدیث نمبر: ۲۴۳۴۰، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۵، ص: ۸/ ۶۰۲

۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، حدیث نمبر: ۷۳۵۲، ص: ۴/ ۲۲۹۲

۵۔ نملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص: ۷/ ۱۲۵

۶۔ ایضاً، ص: ۷/ ۱۹۴ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص: ۱۶۸

۷۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص: ۱۴۸

شریعت آخری شریعت ہے اور یہ ہم زمان و مکان کے لیے ہے۔(۱)

شیخ مظفر تحریر کرتے ہیں کہ قیاس کی حجیت پر بہت کم لوگوں نے عقل کے ذریعے دلیل قائم کی ہے ہمیں یہ معلوم ہے کہ حوادث کی کوئی انتہا نہیں ہے یہ بات بھی معلوم ہے کہ تمام حوادث کے لیے کوئی نص نہیں ہے کیونکہ نصوص محدود ہیں یہ محال ہے کہ ایک متناہی ایک لا متناہی کے لیے کافی ہو ضروری ہے کہ احکام کے استنباط کے لیے کوئی مرجع ہو اور وہ مرجع عقل ہے یہ درست ہے کہ جزئی واقعات بہت زیادہ ہیں لیکن ضروری نہیں کہ ہر جزئی کے لیے الگ سے نص ہو بلکہ کافی ہے کہ کوئی عموم نص آجائے اور یہ جزیات اس نص کے عموم میں داخل ہو جائیں۔(۲)

اجماع

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ ان امور کے بارے میں قیاس سے کام لیتے تھے جن کے بارے میں قرآن و سنت میں نص وارد نہیں ہوئی ہوتی تھی تا کہ کوئی واقعہ حکم سے خالی نہ رہے جائے۔(۳)

ابن العربی کہتے ہیں کہ اجماع کی حجیت پر صحابہ کرام نے اجماع کیا ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا صحابہ کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جس میں انہوں مختلف موقعوں میں قیاس کے ذریعے احکام کا استنباط کیا ہے۔(۴)

امام بزدوی کہتے ہیں کہ قیاس کی حجیت پر صحابہ کا اجماع ہے۔(۵)

امام الحرمین کہتے ہیں کہ قیاس کی حجیت پر ہم اصحاب رسولؐ کے اجماع سے تمسک کریں گے اسی طرح اس کے بعد کے تابعین کے اجماع سے بھی تمسک کریں گے۔

علامہ آمدی کہتے ہیں کہ قیاس کی حجیت پر اجماع اقوی ترین دلیل ہے صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع تھا کہ قیاس حجت ہے۔(۶)

قیاس احکام شریعت کی دلیل ہے اور اس کے دلیل ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اور صحابہ کرام اسے ان احکام میں استنباط کے لیے استعمال کرتے تھے جن میں کوئی نص نہیں ہوتی تھی اس لیے قیاس کی حجیت پر اجماع ہے اگر اس کو حجت نہ مانا جائے تو بہت سے ایسے واقعات رہ جائیں گے جن کا شرعی حکم معلوم نہ ہو گا جو کہ درست نہیں ہے۔(۷)

ضرورت قیاس

قیاس کیوں کیا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ضرورت اس کی طرف جانے پر مجبور کر دیتی ہے کیونکہ ہمارے پاس نصوص کی تعداد انتہائی کم ہے اور در پیش مسائل بہت زیادہ ہیں اس لیے قیاس کی طرف جانے کے محتاج ہوتے ہیں۔(۸)

۱۔ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/۱٦٦

۲۔ المظفر، اصول الفقہ، ص:۵۳۵

۳۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۱۴۸

۴۔ ابن العربی، المحصول، ص:۱۲۵ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/۱٦٦

۵۔ البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص:۱۵۷

٦۔ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/۱٦۳

۷۔ النملہ، الجامع، ص:۳۳۲ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۷/۸۳

۸۔ البزدوی، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ص:۱۵۷ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/۱٦٦

فصل پنجم: قیاس کی نفی کرنے والوں کے دلائل

مبحث اول: عدم حجیتِ قیاس پر قرآنی آیات کی دلالت

مبحث دوم: عدم حجیتِ قیاس پر سنت کی دلالت

﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ بات اس میں نص ہے کہ جب کسی شئ میں تنازع ہو جائے تو ضروری ہے کہ اس تنازع میں کتاب و سنت کو تحکیم بنایا جائے۔[۲]

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[۳]

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔

﴿مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ﴾[۴]

ہم نے کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی۔

ابن حزم کہتے ہیں ان تمام نصوص سے جو بات درست طور پر ثابت ہے وہ یہ ہے کہ دین اور احکام دین میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر نص نہ ہو اس لیے قیاس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[۵]

اسی طرح یہ نصوص بھی ابطال قیاس پر دلالت کرتی ہیں

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾[۶]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾[۷]

اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ۔

یہ نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قیاس باطل ہے اور ایسی بات کرنا ہے جس کے بارے میں کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو قیاس کا مورد وہ ہے جو توقف کا مورد ہے اور قیاس اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے بڑھ جانے کا نام ہے۔[۸]

اللہ تعالی قرآن میں ارشاد فرماتا ہے

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾[۹]

۱۔ سورۃ نساء:۴/۵۹

۲۔ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/۱۶۸

۳۔ سورہ مائدۃ:۵/۳

۴۔ سورہ انعام:۶/۳۸

۵۔ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/۱۶۸

۶ سورہ حجرات:۴۹/۱

۷۔ سورہ اسراء:۱۷/۳۶

۸۔ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص:۱/۱۶۸

۹۔ سورہ النحل:۱۶/۸۹

کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔

جب ہر چیز کا بیان قرآن میں موجود ہے تو ہم قیاس کی طرف محتاج نہیں ہیں۔[1]

﴿وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾[2]

خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

مبحث دوم: عدم حجیتِ قیاس پر سنت کی دلالت

((لم يزل أمر بني اسرائيل معتدلا حتى نشأ فيهم المولدون ابناء سبايا الأمم. فقالوا بالرأى. فضلوا وأضلوا))[3]

بنی اسرائیل راہ راست پر رہے یہاں تک کہ ان میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو غلام قوموں کی اولاد تھے اور رائے کے قائل تھے خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرتے تھے۔

((تفترق أمتي على بضع و سبعين فرقة أعظمها فتنة على أمتي قوم يقيسون الأمور برأيهم فيحلون الحرام و يحرمون الحلال))[4]

میری امت کے ستر سے کچھ زیادہ فرقے ہو جائیں گے اور ان میں سب بڑا فتنہ وہ قوم ہو گی جو اپنے رائے سے احکام کو قیاس کرے گی اور اس کے ذریعے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرے گی۔

((تعمل هذه الأمة برهة بكتاب الله ثم تعمل برهة بسنة رسول الله ثم تعمل بالرأى فإذا عملوا بالرأى فقد ضلوا وأضلوا))[5]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

((إياكم وأصحاب الرأى فإنهم أعداء السنن أعيتهم الأحاديث أن يحفظوها فقالوا بالرأى فضلوا وأضلوا))[6]

۱۔ النسفی، کشف الاسرار، ص: ۲/ ۱۹۸

۲۔ سورہ انعام: ۶/ ۵۹

۳۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید أبو عبد الله القزويني، سنن ابن ماجه، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقي، باب اجتناب والرای والقیاس، دار الفکر، بیروت، ص: ۱/ ۲۱

۴۔ حاکم، محمد بن عبد الله أبو عبد الله الحاكم النيسابوري، المستدرك على الصحيحين، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، ط/ ۱، دار الكتب العلمية، بیروت، ۱۹۹۰، ص: ۳/ ۶۳۱

۵۔ أحمد بن علي بن المثنى أبو يعلى الموصلي التميمي، مسند أبي يعلى، تحقیق: حسين سليم أسد، ط/ ۱، دار المأمون للتراث، دمشق، ۱۹۸۴، ص: ۱۰/ ۲۴۰

۶۔ ہندی، کنزل العمال، حدیث نمبر ۲۹۴۱۰، ص: ۱۰/ ۲۶۹

حضرت علیؓ فرماتے ہیں

((قال لو كان الدين بالرأي لكان أسفل الخف أولى بالمسح من أعلاه وقد رأيت رسول الله صلى الله عليه و سلم يمسح على ظاهره))[1]

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے کا نام ہے تو پاؤں کے نیچے مسح کرنا اوپر مسح کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا وہ پاؤں کے سامنے والے حصے پر مسح فرما رہے تھے۔

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ

((إذا حدثت بالحديث عن رسول الله صلى الله عليه و سلم فلا تضرب له الأمثال))[2]

ابن سیرین

عن بن سيرين قال أول من قاس إبليس وإنما عبدت الشمس والقمر بالمقاييس[3]

ابن سیرین کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا قیاس ہی کے ذریعے چاند اور سورج کی پرستش کی گئی ہے۔

مشہور تابعی ابن سیرین کہتے ہیں کہ

أول من قاس إبليس وإنما عبدت الشمس والقمر بالمقاييس

سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا قیاس ہی کے ذریعے سورج اور چاند کی عبادت ہوتی ہے۔

ان تمام روایات کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قیاس ایک نادرست عمل ہے قرآن وسنت میں قیاس سے منع کیا گیا ہے اور قیاس کرنے والوں کی بڑی شدید مذمت کی گئی ہے۔

جواب

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کی آیات، نبی اکرم ﷺ کے فرامین اور صحابہ کرام کے رائے اور قیاس کے خلاف ہونے کے باوجود قیاس کو کیوں حجت مانا جاتا احکام کے استدلال میں کیوں بطور دلیل لایا جاتا ہے؟

فقہا کا کہنا یہ ہے کہ یہ آثار اور اس طرح کے دیگر جتنے آثار موجود ہیں جن میں ظاہرا قیاس کی نفی کی گئی ہے قیاس کی مذمت کی گئی ہے اس قیاس سے مراد وہ قیاس ہے جس کی بنیاد اصل پر نہ ہو اور وہ رائے اور وہ قیاس جس میں کوئی صرف ظن کی وجہ سے دین کے کسی مسئلہ میں کوئی حکم بیان کرتا ہے یہ درست نہیں ہے۔

۱۔ مالک، مالک بن أنس أبو عبد الله الأصبحي، الموطأ الإمام مالك، ط/۱، دار القلم، دمشق، ۱۴۱۳ھ، ص:۱/۱۰۶

۲۔ أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني، مصنف عبد الرزاق، ط/۲ تحقیق: حبيب الرحمن الأعظمي، المكتب الإسلامي، بيروت، ۱۴۰۳، ص:۱/۱۷۴

۳۔ ابن أبي شيبة، أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة الكوفي، المصنف في الأحاديث والآثار، تحقیق: كمال يوسف الحوت، ط/۱، مكتبة الرشد، الرياض، ۱۴۰۹ھ، ص:۷/۲۵۳

ہے۔[1]

قیاس کی حجیت پر اہم ترین دلیل اجماع ہے اور اس اجماع سے مراد اجماع صحابہ ہے کہ صحابہ نے اجماع کے حجتت ہونے پر اجماع کر لیا ہے۔

اولا تو صحابہ کے اجتہادات کا قیاس ہونا ہمارے لیے ثابت نہیں ہے۔

ثانیا بعض صحابہ کے قیاس کو استعمال کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تمام صحابہ قیاس کی حجیت پر اجماع رکھتے تھے امام ابن حزم فرماتے ہیں قیاس کی حجیت پر اجماع صحابہ آپ نے کہاں سے معلوم کیا؟ صحابہ کی تعداد ہزاروں میں تھی ان میں سے صرف ایک سو تیس کے قریب صحابہ کے فتاوی ہم تک پہنچے ہیں ان میں سے بھی سات صحابہ کثیر الفتاوی ہیں تیرہ متوسط الفتاوی ہیں اور باقی کے فتاوی کی مقدار تو بہت کم ہے ایک یا دو دو مسئلے ان سے منقول ہیں ان کا اجماع نماز اور روزہ پر تو ہے قیاس پر ان کا اجماع نہیں ہے اب اگر ان تھوڑے سے صحابہ کی رائے کو اجماع تو نہیں کہا جاسکتا۔

ایک بات کی جاسکتی ہے کہ باقی صحابہ نے اس اجماع پر خاموشی اختیار کی ہو اور سکوت اقرار ہوتا ہے پس اجماع متحقق ہو گیا۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ صحابہ کا سکوت مسلم نہیں ہے بلکہ بعض کا قیاس کو ماننا ہم تک پہنچا ہے جیسے حضرت علیؑ نے قیاس کو قبول کرنے سے انکار فرمایا اور کہالو کان الدین بالرای لکان المسح علی باطن الخف اولی من ظاھرہ سنن ابی داوود۔[2]

قیاس باطل کی اقسام

۱۔وہ قیاس جو نص کے مقابلے میں ہو وہ باطل ہے۔

۲۔وہ قیاس اور رائے جو تخمینے اور ظن کی بنیاد پر ہو اور ظن بھی وہ ہو جس کے معتبر ہونے پر کوئی دلیل نہ ہو وہ باطل ہے۔

۳۔وہ رائے اور قیاس جو اسماء خدا اور صفات خدا کو معطل کرنے کے حکم کو متضمن ہو۔

۴۔وہ قیاس ورائے جس سے بدعتیں پیدا ہوں اور سنتیں تبدیل ہو جائیں۔

قیاس کی یہ چار اقسام ایسی ہیں جس پر سلف امت اور ائمہ امت کا اتفاق ہے کہ یہ باطل ہیں جو ان پر عمل کرتا ہے وہ دین سے خارج ہو جاتا ہے۔[3]

جعفری نقطہ نظر

قیاس کی بنیادی طور پر تین اقسام ہیں ا۔ منصوص العلۃ ۲۔ مستنبطۃ العلۃ ۳۔ قیاس الاولویت تینوں کی وضاحت کچھ یوں ہے۔

ا۔منصوص العلۃ: اذا نص الشارع علی علۃ الحکم

جب شارع حکم کی علت پر نص کر دے

۲۔مستنبط العلۃ: لم یکن ھناك تنصیص من الشارع علیھا انما قام الفقیہ باستخراج العلۃ بفکرہ و جھدہ

ا۔فادیغا،اصول فقہ الامام مالک،ص:۱/۱۷۱

۲۔المظفر،اصول الفقہ،ص:۵۳۳،۵۳۴

۳۔فادیغا،اصول فقہ الامام مالک،ص:۱/۱۷۵

۳۔قیاس الاولویت:ھو عبارۃ عن کون الفرع اولی بالحکم من الاصل[1]

قیاس اولویت یہ ہے کہ فرع اس حکم کی زیادہ سزاوار ہے جو اصل کے لیے ثابت ہے۔

قیاس منصوص العلۃ اور قیاس اولیت کی حجیت کے قائل ہیں اور قیاس مستنبط العلۃ کو نہیں مانتے عاملی نے زبدہ میں کہا ہے کہ فقہ جعفریہ کے متاخرین کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ قیاس منصوص العلۃ اور قیاس الاولویۃ حجت ہیں۔[2] علامہ قائینی نے لکھتے ہیں کہ فقہ جعفری میں قیاس منصوص العلت حجت ہے اس کا حکم سنت سے ثابت ہوتا ہے جیسے شراب اس لیے حرام ہے کہ اس میں نشہ ہے اس کی علت احادیث میں بیان کر دی گئی اب ہر نشہ آور چیز کا حرام ہونا اس سے ثابت ہو جاتا ہے۔[3] علامہ حلی لکھتے ہیں اگر علت معلوم ہو جائے اور پھر اس علت کا فرع میں ہونا بھی ثابت ہو جائے تو یہ قیاس حجت ہے[4]

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ قیاس کو شرعی ماننا عقل ممنوع ہے عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ قیاس کے ذریعے شرعی احکامات لیے جائیں محقق حلی نے کہا ہے کہ اکثر علما کرام اس بات کے قائل ہیں کہ قیاس پر عمل کرنے سے عقلی طور پر کوئی مانع نہیں ہے عقل یہ نہیں کہتی کہ عقل پر عمل نہ کیا جائے۔[5]

ائمہ اہلبیتؑ سے بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں قیاس کی شدید مخالفت کی گئی ہے ان میں سے چند احادیث پیش خدمت ہیں۔

۱۔امام جعفر صادقؑ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اصحاب القیاس طلبوا العلم بالقیاس فلم یزدادوا من الحق الا بعداً، ان دین اللہ لایصاب بالقیاس[6]

بے شک قیاس کرنے والوں نے قیاس سے علم حاصل کیا جس نے حق سے ان کی دوری میں اضافہ کیا۔بے شک اللہ کا دین قیاس سے حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔اسی طرح امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہیں:

ان السنۃ اذا قیست محق الدین[7]

اگر سنت میں قیاس ہو تو دین مٹ جائے۔

۳۔امام موسی کاظمؑ سے جب قیاس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

مالکم والقیاس ان اللہ ان اللہ لایسال کیف احل و کیف حرم[8]

۱۔جعفر سبحانی، رسائل اصولیۃ، ط/۱، مؤسسۃ الامام الصادق، قم، ۱۴۲۵ھ، ص:۲۴۳، ۲۴۲

۲۔مصطفی جمال الدین، القیاس حقیقتہ وحجیتہ، ص:۴۴۱

۳۔القائینی، علم الاصول، ص:۲۳

۴۔حلی، تھذیب الوصول الی علم الاصول، ص:۲۴۷

۵۔محقق، معارج الاصول، ص:۲۵۸

۶۔کلینی، الکافی، کتاب الفضل العلم، باب البدع والرای والمقاییس، ص:۱/۱۰۹

۷۔الکافی، ایضا

۸۔الکافی، ایضا

اول من قاس امر الدین برائه هو ابلیس[1]

جس نے سب پہلے امور دینی میں اپنی رائے (قیاس) سے کام لیا وہ ابلیس تھا۔

جعفریہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ قیاس کو نہیں مانتے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قیاس کا لفظ جب استعمال ہوتا ہے تو اس سے ظنی قیاس مراد لیا جاتا ہے قیاس کی قائلین اور قیاس کی نفی کرنے والے دونوں قیاس کو مطلقا استعمال کر کے اس سے مراد قیاس ظنی لیتے ہیں سید مرتضی اور شیخ طوسی نے قیاس کی عدم حجیت پر اجماع کا دعوی کیا ہے اس دعوی سے مراد قیاس ظنی ہے قیاس قطعی مراد نہیں ہے کیونکہ اجماع کی مطلق عدم حجیت پر اجماع نہیں ہے یہ اجماع فقط قیاس مستنبط العلۃ کے لیے حاصل ہے۔[2]

قیاس کے بارے میں فقہ جعفری کا نظریہ یہ ہے کہ قیاس حکم خدا سے کشف کرنے والی دلیل مستقل نہیں ہے اور نہ ہی وہ اصل ہے جو وظیفہ شرعی کو معین کرتی ہو اگر علت کو بطریق علم جان لیا جائے تو علم کی حجیت ذاتی ہے اور شارع کی طرف سے حجیت کا محتاج نہیں ہے اور اگر علت کا ادراک ظنی ہو تو ظن کی اتباع سے منع کیا گیا ہے ہاں ظن اس وقت حجت ہے جب اس کی حجیت پر ادلہ قائم ہو جائیں جیسے خبر واحد ظن آور ہے مگر اس کی حجیت پر کتاب و سنت سے ادلہ موجود ہیں۔[3]

قیاس کی دو اقسام فقہ جعفری میں حجت مانی جاتا ہیں علامہ صدرالدین عاملی لکھتے ہیں کہ علما جعفریہ میں معروف قول یہ ہے کہ قیاس منصوص علت حجت ہے۔[4]

ابن جنید متقدمین امامیہ میں سے ہیں وہ قیاس کی حجیت کے قائل تھے انہوں نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی تالیف کی تھی جس کا نام کشف التمویۃ و الالتباس علی اغمار الشیعۃ فی امر القیاس تھا اس میں انہوں نے اپنے نظریہ کا دفاع کیا تھا[5] شیخ صدوق نے کہا ہے کہ فضل بن شاذان قیاس کے قائل تھے۔[6]

سید علی حسینی سیستانی لکھتے ہیں کہ ابن جنید اور بعض دیگر لوگوں کے بارے میں بعض کتابوں میں آیا ہے کہ یہ قیاس کے قائل تھے اور فقہ میں قیاس پر عمل کرتے تھے اس سے مراد یہ قیاس نہیں ہے جو موجودہ دور میں موجود ہے بلکہ اس سے مراد ان فقہا کا حدیث کو قبول کرنے میں امام کی اس حدیث پر شدت سے عمل کرنا ہے جس میں امام فرماتے ہیں کہ قس علی کتاب اللہ کہ احادیث پر عمل کرنے سے پہلے ان کو دیکھ لو کہ قرآن کے مطابق ہوں۔[7]

قیاس کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں

القیاس منصوص العلة: ان كانت علة المشتركة معلومة مصرحا بها

فهو القیاس منصوص العلة[8]

۱۔ أبو نعيم الأصبهاني، أحمد بن عبد الله، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ط/۴، دار الكتاب العربي، بيروت، ۱۴۰۵ھ، ص: ۳/۱۹۷

۲۔ مصطفی جمال الدین، القیاس حقیقته و حجیته، ص: ۴۴۳

۳۔ ایضاً، ص: ۴۴۸

۴۔ عاملی، صدرالدین، خلاصۃ الفصول فی علم الاصول، چاپ خانہ سنگی علمی، تہران، ص: ۲/۴۲

۵۔ النجاشی، ابولعباس احمد بن علی بن احمد بن عباس الاسدی الکوفی، رجال النجاشی، مؤسسہ النشر الاسلامی، قم ۱۴۲۴ھ طبع السابع، ص: ۳۸۸

۶۔ شیخ صدوق، محمد، من لایحضرہ الفقیہ، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۴۱۰ھ، ص: ۴/۶۰۲

۷۔ علی حسینی سیستانی، الرافد فی علم الاصول، ط/۱، لیتھیو گرافی حمید، قم، ص: ۱۴

۸۔ المشکینی، اصطلاحات الاصول، ص: ۲۲۶

اگر قیاس کی علت مشترکہ معلوم اور صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہو تو
وہ قیاس منصوص علت ہو گا۔

القیاس المستنبط العلة: ان كانت العلة المشتركة مظنونة
مستخرجة من الكلام ظنا يطلق عليه القياس المستنبط العلة[1]

اگر یہ مشترک علت جس کا استخراج کلام سے ظنی طور پر کیا جا رہا ہے
اس پر قیاس کا اطلاق کرنا قیاس مستنبط العلت کہلاتا ہے۔

تمثیل وہی ہے جسے اصول میں قیاس کہتے ہیں ہم اس کے قائل نہیں ہیں[2]

حنفی نقطہ نظر

امام نسفی لکھتے ہیں کہ قیاس عقلا اور نقلا حجت ہے بعض لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ حجت ہے۔[3]

امام شاشی رقمطراز ہیں کہ قیاس شرعی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے جب قرآن و سنت میں سے کوئی دلیل نہ ہو تو اس وقت قیاس دلیل ہے اس پر احادیث دلالت کرتی ہیں۔[4]

امام بزدوی تحریر فرماتے ہیں کہ قول صحیح یہ ہے کہ قیاس حجت ہے علما کا یہی قول ہے اس مورد میں صحابہ کا جماع ہے کہ جہاں نص نہیں ہوتی تھی وہ وہاں قیاس سے کام لیا کرتے تھے۔[5]

مشہور حنفی اصولی ابن الخبازی لکھتے ہیں کہ قیاس کے ذریعے خطا کے احتمال کے باوجود حکم حتما ثابت ہو جائے گا۔[6]

مالکی نقطہ نظر

علامہ ابن قصار مالکی لکھتے ہیں کہ امام مالک قیاس کو حجت مانتے ہیں اور اس پر دلیل اجماع صحابہ ہے صحابہ کرام نے درپیش مسائل میں قیاس کو استعمال کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ قیاس کی حجیت پر قرآن و سنت سے ادلہ موجود ہیں اور اس پر عمل کرنے پر اجماع ہے۔[7]

ابن العربی مالکی لکھتے ہیں کہ قیاس شریعت ایک بنیادی دلیل ہے ملت اسلامیہ نے اسے دلیل تسلیم کیا ہے صحابہ اور تابعین نے قیاس پر عمل کیا ہے وہ ملت کے سردار تھے انہوں نے اس کی حجیت کا کہا ہے وہ اس کے قائل تھے۔[8]

ڈاکٹر فادیغا کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ میں قیاس کے جاری کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ جہاں پر علت معلوم ہو جائے گی وہاں قیاس جاری ہو جائے گا ہر وہ جگہ جہاں پر حکم کی علت لانا ممکن ہے وہاں پر قیاس درست ہے جب تک کوئی مانع نہ آ جائے۔[9]

۱۔ ایضاً، ص:۲۲۶

۲۔ سبحانی، الموجز فی اصول الفقه، ص:۱۷۶

۳۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/ ۱۹۸

۴۔ شاشی، اصول شاشی، ص:۱۹۲

۵۔ البزدوی، معرفة الحجج الشرعية، ص:۱۵۷

۶۔ ابن الخبازی، المغنی، ص:۳۱۲

۷۔ ابن القصار، المقدمة فی اصول الفقه، ص:۵۲

۸۔ ابن العربی، المحصول، ص:۱۲۵

۹۔ فادیغا، اصول الفقه، ص:۲۲۶

قیاس حکم کو بناتا نہیں ہے بلکہ اس حکم کو کشف کرتا ہے ظاہریہ کے علاوہ تمام لوگ قیاس کی حجیت کے قائل ہیں اور اس کے ذریعے دلیل قائم کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والا حکم پر عمل کرتے ہیں۔(۱)

شافعی نقطہ نظر

علامہ ابو اسحق شیرازی لکھتے ہیں کہ قیاس احکام شرعیہ کو حاصل کرنے کا بنیادی منبع اور راستہ ہے اس کے ذریعے احکام حاصل کیے جاتے ہیں ابو داود، ظاہریہ، نظام اور امامیہ قیاس کو حجت نہیں مانتے ہیں۔(۲)

استاد ابوزہرہ کہتے ہیں کہ فقہا امام شافعی کے دور سے لیکر آج تک تمام دینی احکام میں قیاس کو استعمال کرتے رہے ہیں ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ حق کی نظیر حق ہوتی ہے اور باطل کی نظیر باطل ہوتی ہے کوئی بھی قیاس کا انکار نہیں کر سکتا۔(۳)

قیاس قطعی کے واجب ہونے پر تمام علمائے اصول کا اتفاق ہے امام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ اگر قیاس کے دونوں مقدمے قطعی ہوں تو وہ قیاس حجت ہے اور اگر قیاس کا ایک مقدمہ قطعی اور ایک مقدمہ ظنی ہو دونوں مقدمے ظنی ہوں تو ان کا نتیجہ بھی ظنی ہوگا دنیاوی امور میں تو یہ نتیجہ حجت ہو سکتا ہے مگر دینی امور میں اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔(۴)

حنبلی نقطہ نظر

قیاس کی حجیت کے بارے میں امام احمد سے دو قسم کی روایات منقول ہیں۔

ا۔ امام احمدؒ قیاس پر عمل کرتے تھے اور قیاس کو ادلہ میں سے ایک دلیل قرار دیتے تھے ان کی طرف اس قول کی نسبت مشہور ہے کہ کوئی بھی قیاس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔(۵)

۲ ایسی روایات بھی منقول ہیں کہ امام احمدؒ قیاس پر عمل نہیں کرتے تھے المیمونی کہتا ہے کہ امام احمدؒ بن حنبل فرماتے تھے۔

يجتنب المتكلم فى الفقه هذين الاصلين المجمل والقياس(۶)

مجتہد کو چاہیے کہ وہ فقہ میں مجمل اور قیاس سے اجتناب کرے۔

وہ قیاس صحیح کے قائل ہیں اس سے استدلال کرتے ہیں ابن تیمیہ نے اس پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہ اور تابعین نے قیاس صحیح پر عمل کیا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں قیاس فاسد ہے جو نص کے مخالف ہوتا ہے یا جس کے فساد پر نص موجود ہوتی ہے قیاس صحیحہ حق اور عین عدل ہے قیاس صحیح اور نص میں کوئی تعارض نہیں ہے(۷) بعض علما نے اس بارے میں بحث کی ہے کہ امام احمدؒ بن حنبل فقط منصوص العلۃ قیاس کی حجیت کے قائل تھے اور مستنبط العلۃ کی حجیت کے قائل نہ تھے۔(۸)

ا۔ الولاتی، نیل السول، ص:۱۷۰

۲۔ شیرازی، تبصرۃ فی اصول الفقہ، ص:۴۲۴

۳۔ ابوزہرہ، اصول الفقہ، ص:۲۲۰

۴۔ مصطفی جمال الدین، القیاس حقیقتہ وحجیتہ، ص:۲۲۱

۵۔ الترکی، اصول مذہب الامام احمد، ص:۶۲۰

۶۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۱۴۷ الترکی، اصول مذہب الامام احمد، ص:۶۲۱

۷۔ الترکی، اصول مذہب الامام احمد، ص:۶۲۴

۸۔ ایضاً، ص:۶۲۲

ہی نص کے ہوتے ہوئے قیاس کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ رائے رکھتے ہیں کہ کوئی نص صحیح قیاس کے خلاف نہیں ہے۔[1]

ڈاکٹر نملہ لکھتے ہیں کہ احکام شریعت کے استنباط میں قیاس سے استفادہ کرنا درست ہے عقل اور شریعت دونوں اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ قیاس کے ذریعے احکام کا استنباط کیا جاسکتا ہے امام احمدؒ نے قیاس کی حجیت پر نص کی ہے کہ کوئی بھی قیاس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔[2]

استاد ابو زہرہ کہتے ہیں کہ سب حنابلہ تسلیم کرتے ہیں کہ امام احمدؒ بن حنبل قیاس کو لیا کرتے تھے وہ امام احمد بن حنبل کی عبارات اور آراء کو پیش کرتے ہیں جس سے ان کی بات کی تائید ہوتی ہے امام احمدؒ بن حنبل کے منہج استنباط سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ وہ قیاس کے مخالف نہ تھے بلکہ اس پر عمل بھی کرتے تھے۔[3]

ابن اللحام حنبلی نے لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ اور علما کے نزدیک قیاس حجت ہے اور اس کے مطابق شریعت اسلامی میں عمل کیا جائے گے اس کے ذریعے احکام کو استنباط کیا جائے گا۔[4]

ابن القیم نے امام احمدؒ کے اصول فتاوی کو شمار کرتے ہوئے پانچویں ور آخری اصل قیاس کو قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نص موجود نہ صحابہ کو قول ہو نہ کسی ایک صحابی کی رائے نہ ہی مرسل نہ ضعیف روایت موجود ہو تب آخر میں قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔[5]

حجیت قیاس پر اقوال

حجیت قیاس پر مسلم امت کے نظریات کو تاج الدین سبکی نے بہت اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔

۱۔ قیاس امور دین میں حجت ہے اس پر اکثر مسلمین کا اتفاق ہے۔

۲۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ یہ عقلا ممنوع ہے۔

۳۔ ابن حزم کہتے ہیں شرعا ممنوع ہے۔

۴۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ حدود اور کفارات میں ممنوع ہے۔

۵۔ قیاس صرف اس وقت کیا جائے گا جب اس کی طرف رجوع کیے بغیر کوئی اور چارہ نہ ہو۔[6]

علامہ بزدوی کی تحقیق کے مطابق اہل ظواہر، داود بن علی ان کا بیٹا ابو بکر اور متکلمین کا ایک گروہ اور اصحاب الحدیث کی رائے یہ ہے کہ قیاس حجت نہیں ہے۔[7]

۱۔ الترکی، اصول مذهب الامام احمد، ص:۶۲۹

۲۔ النملہ، اتحاف ذوی البصائر، ص:۷/ ۶۹

۳۔ الترکی، اصول مذهب الامام احمد، ص:۶۲۹

۴۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقه، ص:۱۵۰

۵۔ الترکی، اصول مذهب الامام احمد، ص:۶۳۸

۶۔ السبکی، جمع الجوامع، ص:۸۰

۷۔ البزدوی، معرفة الحجج الشرعية، ص:۱۵۷

تقابلی جائزہ: دلیلِ استصحاب کے تناظر میں

فصل اول: استصحاب کا مفہوم

فصل دوم: استصحاب کی شرائط

فصل سوم: استصحاب کی اقسام

فصل چہارم: حجیت استصحاب پر دلائل

فصل پنجم: متعلقہ مباحث

فصل اول: استصحاب مفہوم

استصحاب کا لغوی مفہوم

شیخ فخر الدین الطریحی لکھتے ہیں کہ

استصحاب الحال: اذا تمسکت بما کان ثابتا کانك جعلت تلك الحال مصاحبة غیر مفارقة[1]

جب ایسی چیز سے تمسک کیا جائے جو پہلے ثابت تھی اور گویا اب بھی اس ثابت چیز کے ہونے کو باقی رکھا جائے اس میں مفارقت پیدا نہ کی جائے۔

استصحبه: دعاه الی الصحبة ولازمه[2]

یعنی کسی کو ساتھ ملانا اور کسی کے ساتھ رہنا۔

استصحاب کا اصطلاحی مفہوم

جعفری نقطہ نظر

الاستصحاب: بانه الحکم بابقاء ماکان[3]

استصحاب یہ ہے کہ جو حکم پہلے تھا اسی کو باقی رکھا جائے۔

ابقاء ما کان علی ما کان[4]

جو جس حکم پر تھا اس کو اسی پر باقی رکھنا استصحاب کہلاتا ہے۔

التعبد الظاهری ببقاء الشئ فی زمان الشك للیقین بثبوت فی الزمان السابق[5]

کسی حکم کو شک کے دوران بظاہر باقی رکھنا اس یقین کی وجہ سے جو اس حکم کے بارے میں پہلے حاصل تھا۔

الاستصحاب کون حکم او وصف یقینی الحصول فی الآن السابق مشکوك البقاء فی الآن الاحق[6]

ایسا حکم یا صفت جو پہلے زمانے میں یقنی طور پر حاصل ہو اب اس کے باقی رہنے میں شک ہو۔

هوحکم المکلف ببقاء شئ و ترتب آثار البقاء فیما کان متیقنا ثبوتا و مشکوکا بقاء[7]

۱۔ الطریحی، الشیخ فخر الدین، مجمع البحرین، انتشارات مرتضوی چاپخانہ حیدری، تہران، طبع تہران، سوم، ص:۲/۹۹

۲۔ بطرس البستانی، قاموس المطول للغة العربیة، مکتبہ اللبنان، بیروت ۱۹۷۶ء، ص:۲/۷۹۸

۳۔ خمینی، روح اللہ موسوی، الاستصحاب، ط/۱، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار الامام الخمینی، تہران م۱۴۱۷ھ، ص:۴ حسین حلی، اصول الفقہ، ط/۱، مکتبہ الفقہ والاصول، قم، ۱۴۳۲ھ، ص:۹/۳ احمد اردبیلی، الذخر فی الاصول، جامعہ مدرسین، قم، ۱۴۰۸ھ، ص:۲/۳

۴۔ مرتضی انصاری، الحاشیة علی استصحاب القوانین، ط/۱، المؤتمر العالمی بمناسبۃ الذکری للشیخ الانصاری، قم، ص:۴۰

۵۔ حکیم، محمد سعید طباطبائی، الکافی فی اصول الفقہ، دار الہال، قم، طبع چہارم، ص:۲/۲۶۵

۶۔ محمد باقر، اصول الفوائد الغرویة فی مسائل علم اصول الفقہ الاسلامی، مطبع فردوسی، تہران، ص:۲/۱۹۷

۷۔ المشکینی، اصطلاحات الاصول، ص:۳۳

بارے میں شک ہے۔

حنفی نقطہ نظر

الاستصحاب: وھو حکم ببقاء امر کان فی الزمان الاول ولم یظن عدمہ[1]

کسی چیز کے باقی ہونے کا حکم لگانا جو پہلے ثابت تھی اور اب اس کے باقی نہ رہنے کا گمان نہ ہو۔

الاستصحاب: ابقاء ما کان علی ما کان بمجرد انہ لم یوجد لہ دلیل مزیل[2]

حکم کو جس حالت پر ہے اسی پر باقی رکھنا صرف اس وجہ سے کہ اسے تبدیل کرنے والی کوئی دلیل نہیں آئی ہے۔

ھو حکم ببقاء امرنفیا کان او اثباتا ثبت وجودہ ثم وقع شك فی بقائہ[3]

کسی بھی امر کی نفی یا اثبات کے باقی ہونے کا حکم لگانا صرف اس وجہ سے کہ پہلے وہ ثابت تھا اور اب اس کی بقا میں شک واقع ہو گیا ہے۔

الاستصحاب: بقاء الامر علی ماکان علیہ مالم یوجد مایغیرہ[4]

کسی بھی امر کے باقی ہونے کا حکم لگانا جب تک اس حکم کو تبدیل کرنے والی کوئی دلیل نہ آ جائے۔

مالکی نقطہ نظر

ھو جعل الحکم الذی کان ثابتا فی الماضی باقیا فی الحال حتی یقوم دلیل علی تغییرہ[5]

ماضی میں ثابت حکم کو حال میں بھی باقی رکھنا یہاں تک کہ کوئی دلیل آ جائے جو اس حکم کو تبدیل کر دے۔

ھی استدامۃ اثبات ماکان ثابتا او نفی ماکان منفیا[6]

۱۔احمد نگری، قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول ،جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون الملقب بدستور العلماء،مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات،بیروت، طبع الثانیہ۱۹۷۵ء،ص:۱/ ۱۱۰

۲۔النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/ ۲۶۹ حوی، المدخل الی مذھب الامام ابی حنیفہ النعمان، ص:۲۲۴

۳۔احمد نگری ،عبدالنبی بن عبدالرسول،جامع العلوم الملقب بدستور العلماء، ط/ ا، مطبع دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدر آباد دکن، ۱۳۲۹ھ،ص:۱/ ۱۱۰

۴۔زیدان،الوجیز،ص:۲٦۷

۵۔مولای،ڈاکٹر محمد بن سید محمد،تنویر العقول بمعرفۃ مسائل من امھات الاصول،،ط/ ا دار ابن حزم للطباعۃ والنشر والتوزیع،بیروت، ۲۰۰٦ء،ص:۱۴۵

٦۔فادیغا،اصول فقہ الامام مالك،ص:۱/ ۱۵۴

هو كون الشئ في الماضي يؤخذ منه ظن ثبوته في الحال [1]

ایک چیز ماضی میں تھی اسی سے اس چیز کے حال میں ہونے کا ظن ہونا استصحاب کہلاتا ہے۔

شافعی نقطہ نظر

الاستصحاب: هو ثبوت امر في الزمن الثاني بناء على ثبوته في الزمن الاول لفقدان ما يصلح للتغير [2]

کسی حکم کو دوسرے زمانے میں ثابت کرنا صرف اس لیے کہ یہ حکم پہلے زمانے میں ثابت تھا اور اب تک کوئی ایسی دلیل نہیں آئی جو اسے تبدیل کر دے۔

الاستصحاب: هو ثبوت امر في الزمن الثاني لثبوته في الاول [3]

کسی حکم کو دوسرے زمانے میں اس وجہ سے ثابت کرنا کہ یہ حکم پہلے زمانے میں ثابت تھا۔

الاستصحاب: انه بقاء الامر مالم يوجد ما يغيره [4]

کسی بھی حکم کو اس وقت تک باقی رکھنا جب تک اس کو تبدیل کرنے اوالانہ آجائے۔

حنبلی نقطہ نظر

هي استدامة اثبات ماكان ثابتا او نفي ماكان منفيا [5]

یہ کسی بھی ثابت حکم کے اثبات کو جاری رکھنا یا منفی حکم کی نفی کو جاری رکھنا ہے۔

الاستصحاب: بقاء ماكان على ماكان نفيا و اثباتا حتى يثبت دليل يغير الحالة [6]

کسی بھی حکم کو اس کی نفی یا اثبات پر باقی رکھنا یہاں تک کہ دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ اب حکم تبدیل ہو گیا ہے۔

۱۔ الشنقیطی، در الاصول، ص:۱۲۷
۲۔ امام ڈاکٹر محمد کمال الدین، مقدمۃ دراسۃ الفقہ الاسلامی مدخل و منتهی، مؤسسہ الجامعہ للدراسات والنشر والتوزیع، بیروت، ۱۹۹۶ء، ص:۱۹۸
۳۔ محلی، شرح الورقات، ص:۱۸۵
۴۔ ابوزہرہ، اصول الفقہ، ص:۲۹۶
۵۔ ابن القیم الجوزی، اعلام الموقعین، ص:۲۳۹ الترکی، اصول مذهب الامام احمد، ص:۱/۴۱۵
۶۔ النملہ، الجامع، ص:۳۷۵

پہلے کسی دلیل سے ثابت حکم کو نفی یا اثبات میں اسی پر باقی رکھنا
استصحاب کہلاتا ہے۔

فقہی مسالک کے علمائے کرام نے استصحاب کی مختلف تعریفیں کی ہیں ان کا بغور جائزہ لینے سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ان تعریفوں میں یہ بات مشترک ہے کہ ایک حکم پہلے کسی معتبر دلیل شرعی سے ثابت ہوتا ہے۔

۲۔علما کی آراء کے بعد ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ اسی حکم کے بارے میں شک ہو رہا ہوتا ہے کہ کیا جس طرح یہ حکم ماضی میں ثابت تھا ابھی بھی ثابت ہے یا ابھی ختم ہو چکا ہے۔

۳۔اس بات پر بھی علما کا اتفاق ہے کہ دلیل شرعی سے ثابت اس حکم کو ختم کرنے والی کوئی اور دلیل نہیں آئی ہوتی کیونکہ اگر کسی اور دلیل نے اس حکم کو ختم کر دیا ہو تو یہ استصحاب کے مورد سے نکل جائے گا۔

۴۔ان آراء سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ استصحاب کے بعد جو حکم پہلے جس طرح ثابت تھا اسی طرح ثابت رہتا ہے اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے یعنی اگر حکم مثبت تھا تو استصحاب کے بعد بھی مثبت رہے گا اور اگر حکم منفی تھا تو حکم منفی رہے گا۔

۵۔بعض علما کی رائے کے مطابق استصحاب کے بعد اس حکم کے باقی ہونے کا ظن حاصل ہوتا ہے۔

۱۔الشثری،عبدالعزیز بن ناصر،شرح قواعد الاصول ومقاعد الفصول للعلامہ صفی الدین عبدالمؤمن بن عبد الحق القطیعی، ط/۱،دار اکنوز اشبیلیا للنشر والتوزیع، ریاض، ۲۰۰۶ء، ص:۳۴۱

فقہ جعفری میں استصحاب کی حجیت ثابت ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ الیقین: استصحاب شرط ہے کہ اس میں پہلے یقین ہونا چاہیے اب یہ یقین حکم شرعی کے بارے میں ہو موضوع حکم شرعی کے بارے میں ہو یہ استصحاب کا بنیادی رکن ہے۔

۲۔ الشک: جو یقین حاصل ہے اس کی بقاء میں شک ہونا چاہیے کیونکہ اگر پہلے والا حکم دوسرے حکم سے ایک اور یقین کے ذریعے تبدیل ہو چکا ہے یا وہ یقین اسی حالت میں باقی ہے تو اس وقت اسی یقین پر ہی عمل ہو گا استصحاب کے لیے شرط یہ ہے کہ پہلے سے حاصل یقین کے بارے میں شک حاصل ہو۔

۳۔ یقین اور شک کا زمانہ ایک ہونا چاہیے اس طرح کہ جس وقت یقین ہے اسی وقت اس یقین میں شک آئے۔

۴۔ جس چیز کے بارے میں یقین حاصل ہے شک بھی اسی چیز کے بارے میں ہونا چاہیے یعنی جس حکم کے بارے میں یقین تھا اسی کے بارے میں شک ہو۔

۵۔ یقین کا زمانہ شک کے زمانے سے مقدم ہونا چاہیے اگر اس الٹ ہو جائے گا تو بعد والے یقین پر ہی عمل کیا جائے گا اس وقت استصحاب کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی۔[۱]

حنفی نقطہ نظر

هوحكم ببقاء امر نفيا كان او اثباتا ثبت وجوده ثم وقع شك فى بقائه[۲]

کسی بھی امر کی نفی یا اثبات کے باقی ہونے کا حکم لگانا صرف اس وجہ سے
کہ پہلے وہ ثابت تھا اور اب اس کی بقا میں شک واقع ہو گیا ہے۔

مشہور حنفی اصولی قاضی عبد النبی نے اپنی معروف کتاب جامع العلوم جو کہ دستور العلماء کے نام سے معروف ہے اس میں استصحاب کی یہ تعریف کی ہے اس تعریف کا بغور جائزہ لیے سے استصحاب کی مندرجہ ذیل شرائط سامنے آتی ہیں۔

۱۔ یقین اور شک کا زمانہ ایک ہو تا اگر ان کے زمانے الگ الگ ہوں گے تو حکم بقا کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

۲۔ اس کے باقی ہونے کے بارے میں شک واقع ہو رہا ہو تا ہے اگر اس کی بقا میں کوئی شک نہ ہو تو حکم تو پہلے سے ثابت تھا اب بھی باقی رہنا چاہیے شک کی وجہ سے ہی یہ حکم متزلزل ہو تا ہے۔

۳۔ یقین پہلے حاصل ہو تا ہے اور شک بعد میں آتا ہے حکم پہلے ثابت ہو تا ہے ثابت تب ہو گا جو اس کے ہونے کا یقین ہو گا اور یہ شک سے پہلے ہو گا۔

۴۔ اس تعریف سے ایک اور بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ شک اسی چیز کے بارے میں ہو تا ہے جس کے بارے میں شک ہو تا ہے۔

۵۔ علامہ نسفی نے استصحاب کی جو تعریف کی ہے اس سے بھی یہ ثابت ہو تا ہے کہ استصحاب میں پہلے ایک حکم کے ثابت ہونے کا یقین ہو تا ہے کیونکہ اسی کی بقا کی بات کی جا رہی ہے باقی وہ رہتا ہے جو پہلے ثابت ہو اس لیے حکم ثابت تھا اب اسی کی بقا کی بات ہے۔[۳]

مالکی نقطہ نظر

۱۔ المظفر، اصول لفقہ، ص:۶۰۸

۲۔ قاضی عبد النبی، جامع العلوم الملقب بدستور العلماء، ص:۱/ ۱۱۰

۳۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/ ۲۶۹ حوی، المدخل الی مذھب الامام ابی حنیفہ النعمان، ص:۲۲۴

ماضی میں ثابت حکم کو حال میں بھی باقی رکھنا یہاں تک کہ کوئی دلیل آ جائے جو اس حکم کو تبدیل کر دے۔

اس تعریف پر دقت سے مندرجہ ذیل بنیادی اراکین سامنے آتے ہیں۔

۱۔ ایک حکم کے دلیل سے ثابت ہونے کا پہلے سے یقین ہوتا ہے۔

۲۔ یہ حکم پہلے ثابت ہوتا ہے اس کے لیے تعریف میں ماضی کی قید لائی گئی کہ گزشتہ زمانے میں یہ حکم ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ پوری تعریف سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ پہلے ایک حکم ثابت تھا اب اس کے بارے میں کوئی شک آیا جس کی وجہ سے اس حکم کو باقی رکھنے کے لیے استصحاب کا سہارا لینا پڑا ہے۔

۴۔ یقین اور شک کا زمانہ ایک ہے یعنی جس زمانے میں شک ہوا ہے اسی زمانے میں یہ بات ثابت ہے کہ ماضی میں اس حکم کے بارے میں یقین حاصل تھا۔

۵۔ شک اسی حکم کے بارے میں ہو جس کے بارے میں یقین ہوا تھا اگر ایسا نہ ہو یعنی شک کسی اور حکم کے بارے میں ہوا ہوتا تو پھر شک کے بعد یقین والے حکم کی بقا کا حکم نہ لگایا جاتا اب ہم یقین والے حکم کی بقا کا ہی حکم لگاتے ہیں۔

شافعی نقطہ نظر

الاستصحاب: ھو ثبوت امر فی الزمن الثانی بناء علی ثبوتہ فی الزمن الاول لفقدان ما یصلح للتغییر[۲]

کسی حکم کو دوسرے زمانے میں ثابت کرنا صرف اس لیے کہ یہ حکم پہلے زمانے میں ثابت تھا اور اب تک کوئی ایسی دلیل نہیں آئی جو اسے تبدیل کر دے۔

اس تعریف کی روشنی میں مندرجہ ذیل شرائط سامنے آتی ہیں۔

۱۔ پہلے والے زمانے میں ایک حکم معتبر دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ اب کوئی ایسی دلیل نہیں آتی کہ اس حکم کو تبدیل کر دے یعنی شک آ گیا ہے مگر یہ ایسا نہیں ہے کہ اس سے دلیل سے ثابت حکم کو تبدیل کر دیں اور اس شک کے مطابق عمل کریں۔

۳۔ شک اور یقین اس طرح سے ایک ہی وقت میں ہیں کہ جس وقت اس حکم میں شک ہو رہا ہے اسی وقت یہ یقین بھی ہے کہ اس کے بارے میں پہلے یقین تھا۔

۴۔ جس حکم کے بارے میں یقین تھا یہ شک اسی کے بارے میں ہو رہا ہوتا ہے اسی لیے تو تعریف میں یہ تعبیر استعمال کی کہ پہلے زمانے میں حکم تھا اور اب دوسرے میں اسی حکم میں تبدیلی نہ کرنے کا کہا گیا ہے۔

۵۔ یہ حکم جو دلیل سے ثابت ہو رہا ہے اس سے حاصل ہونے والا یقین بھی پہلے ہی ہو گا۔

حنبلی نقطہ نظر

۱۔ مولائی، تنویر العقول، ص:۱۴۵

۲۔ ڈاکٹر محمد کمال الدین، مقدمۃ دراسۃ الفقہ الاسلامی، ص:۱۹۸

کسی بھی حکم کو اس کی نفی یا اثبات پر باقی رکھنا یہاں تک کہ دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ اب حکم تبدیل ہو گیا ہے۔

۱۔ اس تعریف سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایک حکم پہلے ثابت ہوتا ہے جس کے ثابت ہونے پر یقین ہوتا ہے۔
۲۔ اب اسی حکم میں شک ہو رہا ہوتا ہے مگر اس کے تبدیل ہونے پر کوئی اور دلیل معتبر نہیں ہوتی ہے۔
۳۔ جس حکم کا یقین تھا اب اسی کے بارے میں شک ہو رہا ہو اور ان دونوں کا زمانہ ایک ہو اگر شک اور یقین الگ الگ وقت میں ہوں گے تو استصحاب جاری نہ ہو گا۔
۴۔ پہلے والا حکم دلیل سے ثابت ہوتا ہے اسی لیے تو اس کے ثابت ہونے پر یقین ہوتا ہے۔
۵۔ جس حکم کے دلیل معتبر سے ثابت ہونے کے بارے میں سو فیصد یقین تھا اب اسی میں ہی شک ہو رہا ہو۔

مسالک فقہیہ کے علمائے کرام کی آراء کا بغور جائزہ لینے سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ علما کا اس بات پر اتفاق نظر آتا ہے کہ استصحاب کے ثابت ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ شک سے پہلے کے زمانے میں ایک حکم شرعی قابل اعتماد دلیل کے ذریعے سے ثابت ہونا چاہیے۔
۲۔ اس بات پر بھی علما نے اتفاق کیا ہے کہ جس حکم کے بارے میں پہلے یقین تھا اب اسی کے بارے میں شک ہو رہا ہو کہ یہ باقی ہے یا ختم ہو گیا ہے۔
۳۔ شک اور یقین کا زمانہ ایک ہونا چاہیے اس سے مراد یہ ہے کہ جس وقت اس حکم کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں شک ہو رہا ہے اسی وقت اس حکم کے پہلے والے وقت میں ثابت ہونے کے بارے میں یقین ہو۔
۴۔ علما کی رائے یہ ہے کہ جس حکم کے بارے میں یقین تھا شک اسی حکم کے بارے ہونا چاہیے اگر یقین کسی اور حکم کے بارے میں تھا اور شک کسی اور حکم کے بارے میں ہو تو وہاں استصحاب جاری نہیں ہو گا۔

۱۔ النملہ، الجامع، ص: ۳۷۵

استصحاب کی بحث نے بہت وسعت اختیار کر لی ہے اسے علمائے اصول نے مختلف اعتبارات سے کئی اقسام میں تقسیم کیا ہے ان تقسیمات میں سے بعض اقسام حجت ہیں اور بعض کی حجیت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

جعفری نقطہ نظر

استصحاب کو تین اعتبار سے تقسیم کیا گیا ہے ا۔ مستصحب کے اعتبار سے استصحاب کی اقسام ۲۔ استصحاب پر دلالت کرنے والی دلیل کے اعتبار سے مستصحب کی اقسام ۳۔ استصحاب میں جو شک لاحق ہوتا ہے اس کے اعتبار سے مستصحب کی اقسام

ا۔ مستصحب یا کوئی ایسا چیز ہو گا جو وجود رکھتا ہے یا کوئی امر عدمی ہو گا امر وجودی کی مثال جیسے کسی چیز کا واجب ہونا کسی چیز کا طاہر ہونا وغیرہ مستصحب عدمی ہو گا تو اس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ براۃ اصلیہ: انسان کے ذمے کوئی بھی شرعی تکلیف نہیں ہوتی اسے اصالہ نفی بھی کہا جاتا ہے۔

ب۔ دوسری قسم اس کے علاوہ تمام صورتوں کو شامل ہے جیسے عدم قرینہ، عدم موت زید۔

علامہ مازندرانی نے استصحاب عدمی کی حجیت پر اجماع کا دعوی کیا ہے کہ اس پر علما کا اتفاق ہے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے۔[1]

مستصحب شرعی ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے استصحاب کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ کبھی مستصحب حکم شرعی ہو گا جیسے جیسے وضو کے بارے میں شک کے بعد وضو کے باقی ہونے کا استصحاب کرنا۔

۲۔ کبھی مستصحب شرعی نہیں ہو گا جیسے پہلے پانی ایک لیٹر تھا اب استصحاب سے ایک لیٹر ثابت ہو جائے گا مگر یہ شرعی نہیں ہے۔

ان دونوں قسموں کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے پہلی قسم میں استصحاب حجت ہے اور دوسری قسم میں جزئی ہو تو اخباریوں کے نزدیک حجت ہے۔[2]

مستصحب پر دلالت کرنے والی دلیل کے اعتبار سے استصحاب کی اقسام۔

ا۔ مستصحب پر دلالت کرنے والی دلیل اجماع ہو گی یا اجماع کے علاوہ کوئی اور چیز دلیل ہو گی اس قسم کی حجیت میں علما کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔

۲۔ مستصحب کبھی دلیل شرعی کے ذریعے ثابت ہوتا ہے اور کبھی دلیل عقلی کے ذریعے سے ثابت ہوتا ہے۔

احکام عقلیہ اور وہ احکام شرعیہ جن کی مستند دلیل عقلی کی طرف ہوتی ہے ان میں استصحاب جاری نہیں ہوتا اس پر اتفاق ہے۔[3]

۳۔ مستصحب جس دلیل کے ذریعے ثابت ہو رہا ہے وہ دلیل اس حکم کے استمرار پر دلالت کر رہی ہو گی کہ یہ حکم اس وقت تک جاری رہے جب تک اس حکم کو ختم کرنے والی کوئی دلیل نہ آجائے یا ایسی نہیں ہو گی محقق حلی نے معارج میں کہا ہے کہ پہلی قسم حجت ہے اور دوسری قسم جہاں پر دلیل مستصحب کی دلیل اس کے استمرار پر نہیں ہوتی وہاں حجت نہیں ہے۔[4]

حنفی نقطہ نظر

ا۔ انصاری، مرتضی بن محمد امین، فرائد الاصول، مجمع فکر اسلامی، قم، ۱۴۱۹ھ، ص: ۳/ ۲۷، ۲۶

۲۔ انصاری، فرائد الاصول، ص: ۳/ ۳۵، ۳۳

۳۔ انصاری، فرائد الاصول، ص: ۳/ ۳۹، ۳۷

۴۔ ایضاً، ص: ۳/ ۴۱

تبدیل کر دے امام سرخسی کہتے ہیں کہ یہ قسم محل نزاع ہے۔[۱]

استصحاب الحال جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں پہلے کچھ ثابت ہوتا ہے جس کے زوال پر دلیل کی بات کی جاتی ہے اور جو ہے ہی نہیں اس سے تمسک کیسے کر سکتے ہیں اس کے تو وجود کے اثبات کی بات کی جائے گی۔[۲]

ڈاکٹر حسن بن ابراہیم الندادوی نے کہا ہے کہ متاخرین احناف کے نزدیک استصحاب حال اور استصحاب عدم اصلی دونوں حجت ہیں مگر وہ یہ قید لگاتے ہیں کہ اس سے کسی غیر پر کوئی حکم نہ لگایا جا رہا ہو اور دوسرا کوئی ایسا حکم یا حق ثابت نہ کیا جا رہا ہو جس کا پہلے سے کوئی وجود ہی نہ ہو اور اسے صرف استصحاب سے ہی ثابت کر رہے ہوں جب والے حکم کو اسی حالت میں باقی رکھنا ہے تو اس میں یہ دونوں شرائط پائی جاتی ہیں۔[۳]

ڈاکٹر عبدالکریم الزیدان نے استصحاب کی تین قسمیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ تمام اشیا میں اصل مباح ہونا ہے وہ اشیا جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے جن کو عام طور پر استعمال کرتا ہے ان تمام میں اصل یہ ہے کہ یہ مباح ہوتی ہیں جیسے کھانے پینے کی اشیا، حیوانات، نباتات ہر وہ چیز جس کی حرمت پر دلیل نہیں ہے وہ حلال ہے مباح ہونا کائنات میں موجود تمام چیزوں کا اصلی حکم ہے اور صرف وہ چیزیں حرام ہوں گی جو شریعت میں دلیل سے حرام ہوں اس پر دلیل قرآن کی یہ آیت ہے

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾[۴]

اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔

اور ہر وہ چیز جس میں نقصان ہے وہ شریعت میں حرام ہے کیونکہ اسلام میں نقصان دینا اور نقصان اٹھانا دونوں نہیں ہیں

۲۔ براۃ اصلی یا عدم اصلی یہ استصحاب کی ایک بنیادی قسم ہے انسان کا ذمہ بنیادی طور پر مشغول نہیں ہوتا یعنی اس کے ذمہ کسی بھی قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی یہ ذمہ داری اس وقت آتی ہے جب کوئی دوسرا دلیل کے ذریعے یہ ثابت کر دے کہ یہ ذمہ داری اس پر آگئی ہے جب کوئی شخص دعوی کرے کہ میں نے فلاں سے پیسے لینے ہیں اور وہ انکار کر دے تو اس مدعی کو دلیل سے ثابت کرنا پڑے گا کہ اس شخص نے اس سے پیسے لیے ہیں کیونکہ اصل یہ ہے کہ اس شخص نے اس سے پیسے نہیں لیے ہیں۔

۳۔ جو وصف کسی بھی شرعی حکم کی بقا کا باعث بن رہا ہو اس کے اس وقت تک باقی رہنے کا حکم لگایا جائے گا جب تک کہ کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے کہ اب یہ وصف باقی نہیں رہا جیسے عقد نکاح ہوا اس سے مرد اور عورت ایک دوسرے پر حلال ہو گئے یہ صفت جو حلال ہونے کی صفت پیدا ہوگئی یہ اس وقت تک رہے گی جب تک کہ دلیل کے ذریعے زوجیت کا ختم ہونا ثابت نہ ہو جائے۔[۵]

ڈاکٹر حوی نے لکھا ہے کہ استصحاب کی دو قسمیں یقینی طور پر حجت ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۱۔ ڈاکٹر فتحی الدرینی، بحوث مقارنة فی الفقه الاسلامی و اصوله، مؤسسة الرسالة، بیروت، طبع ثانیه ۲۰۰۸ء، ص:۱/ ۳۴۴

۲۔ دبوسی، تقویم الادلة فی اصول الفقه، ص:۴۰۱

۳۔ الهنداوی، حسن بن ابراهیم، الاجتهاد الاستصحابی واثره فی الفقه الاسلامی، ط/۱، مؤسسه الرسالة، بیروت، ۲۰۰۴ء، ص:۶۳

۴۔ سورة الجاثیه ص:۴۵/ ۱۳

۵۔ زیدان، الوجیز، ص:۲۶۸، ۲۶۷

ہر وہ حکم جس کا وجوب یا منع ہونا اس میں حسن یا قبح کا ہونا صرف عقل کے ذریعے سے جانا جا رہا ہو اس کا استصحاب کرنا حکم عقلی کا استصحاب کہلاتا ہے۔

۲۔ استصحاب الحکم الشرعی الذی ثبت تاییدہ او توقیتہ نصا او ثبت مطلقا و بقی بعد وفاۃ النبی ﷺ

جس حکم کا وقت یا اس کا ہمیشہ کے لیے ہونا نص کے ذریعے سے ثابت ہو یا مطلقاً ثابت ہو اور اس کا ایسے ثابت ہونا نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی رہے تو یہ حکم شرعی کا استصحاب کہلاتا ہے۔

ان دونوں کے حجت ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے ان دونوں کے مطابق عمل کیا جائے گا کیونکہ ان کے باقی رہنے پر دلیل قائم ہے اور ان کے ختم ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔[۱]

مالکی نقطہ نظر

استصحاب کی دو قسمیں ہیں

۱۔ پہلی قسم کو استصحاب عدم اصلی کا نام دیا گیا ہے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے

۱۔ العدم الاصلی: ھو انفاء الاحکام الشرعیۃ فی حقنا حتی یدل دلیل علی ثبوتھا

استصحاب عدم اصلی یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی اپنے حق میں نفی کرنا یہاں تک کہ کوئی دلیل آجائے اور یہ دلیل ان احکام کو ہمارے حق میں ثابت کر دے۔

اسے برائت اصلی کا نام بھی دیا جاتا ہے علما کے نزدیک یہ اس وقت حجت ہے جب قرآن اور سنت کی طرف رجوع کیا جائے دقیق انداز میں ان پر تحقیق کی جائے اور اس کے باوجود بھی اس مسئلہ پر کوئی دلیل میسر نہ آئے تو اس وقت یہ قسم حجت ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یہ ارشاد فرماتا ہے کہ

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾[۲]

اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ (لوگوں کو حق و باطل کا فرق سمجھانے کے لیے) ایک پیغام بر نہ بھیج دیں

۲۔ دوسری قسم

الاصل بقاء ما کان علی ما کان علیہ

اصل یہ ہے کہ جو چیز جس حکم پر تھی اس کے مطابق باقی رہے گی۔

۱۔ حوی، المدخل الی مذہب الامام ابی حنیفہ النعمان، ص:۲۲۴

۲۔ سورہ اسراء ص:۱۷/۱۵

ابن العربی نے استصحاب کی دو قسمیں کی ہیں
استصاب برائت: استصحاب کی یہ قسم شریعت میں حجت ہے اسے استصحاب دلیل عقل بھی کہتے ہیں اس کے حجت ہونے پر دلیل علما کا یہ قول ہے جب وہ کہتے ہیں کہ نماز میں وتر واجب نہیں ہیں یا غسل میں منہ میں اور ناک میں پانی ڈالنا ضروری نہیں ہے تو اس پر دلیل یہ ہے کہ اصل تو برائت ذمہ ہے اور شریعت میں غور و فکر کے بعد بھی اس پر کوئی دلیل نہیں ملی ہے پس یہ واجب نہیں ہے۔
استصحاب الاجماع: جب کوئی تیمم سے نماز ادا کر رہا ہو اور اسے پانی نظر آجائے تو اس کی نماز باقی رہے گی یا ختم ہو جائے گی اس پر دو نظریات ہیں ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ اس کے صحیح ہونے پر اجماع ہے اب بعض علما نے کہا ہے اس پر دلیل استصحاب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس پر دلیل استصحاب نہیں ہے اور قول درست یہ ہے کہ اس پر دلیل اجماع ہے اور استصحاب کی یہ قسم حجت نہیں ہے۔(۲)

شافعی نقطہ نظر

استصحاب کی چار اقسام ہیں
۱۔استصحاب البراۃ الاصلیۃ: استصحاب برائت اصلی یہ ہے کہ ہر چیز کی نفی کرنا جس کی عقل نفی کرتی ہے اور شریعت میں بھی وہ ثابت نہیں ہے یہ مطلقا حجت ہے۔(۳)
اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے شرعی احکامات سے ذمہ بری ہوتا ہے جب تک یہ شرعی حکم ہم تک دلیل کے ساتھ پہنچ نہیں جاتا ذمہ بری رہے گا مثلا چھوٹا ہے تو بالغ ہوگا احکام آئیں گے وہ دار الحرب میں رہتا ہے تو جب اس کو علم ہوگا اس وقت اس پر احکام لاگو ہوں گے۔
۲۔اس چیز کا استصحاب کرنا جس کے وجود پر عقل یا شرع دلالت کرے جیسے کسی نے دوسرے بندے کا قرض ادا کرنا تھا اب جب تک قرض ہے استصحاب کیا جائے گا جب کوئی دلیل نہ قائم ہو جائے کہ اس نے قرض ادا کر دیا ہے اسی طرح جیسے شوہر نے زوجہ کا مہر دینا تھا جب تک اس کے ادا کرنے پر دلیل قائم نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہ قابل ادا رہے گا اور اسی کا استصحاب کیا جائے گا۔
۳۔استصحاب الحکم: جب موضوع میں اباحہ یا مستحب ہونے کا حکم موجود ہو تو یہ اس وقت تک قائم رہے گا جب دلیل کے ذریعے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ حکم اب حرمت میں تبدیل ہو گیا ہے تمام اشیا میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہوتی ہیں۔
۴۔استصحاب الوصف: کسی بھی وصف کا استصحاب کرنا جیسے ہم یہ مفقود شخص میں وصف حیات کا استصحاب کرتے ہیں ہم مفقود کے بارے میں یہی استصحاب کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ مل جائے جس سے پتہ چلے کہ وہ زندہ ہے زندہ نہیں ہے ہم پانی کے پاک ہونے کا استصحاب کریں گے یہاں تک کہ کوئی دلیل قائم ہو جائے کہ اب یہ پاک نہیں رہا ناپاک ہو گیا جیسے اس رنگ یا بو تبدیل ہو گئی ہے۔
پہلی تین اقسام میں تو تمام فقہا کا اتفاق ہے کچھ جزئی موارد میں تھوڑا بہت اختلاف ہے جہاں تک چوتھی قسم کا تعلق ہے جس میں وصف کا استصحاب کیا جاتا ہے یہ قسم فقہا کے درمیان نزاع کا باعث بنی ہے شوافع اور حنابلہ اس میں بھی استصحاب کو مطلقا حجت سمجھتے ہیں اور وہ مفقود شخص کے لیے حیات کا استصحاب کر کے اس کے لیے حیات کے تمام احکام بھی ثابت

۱۔الولاتی، ایصال السالك، ص:۱۷۹،۱۷۸
۲۔ابن العربی، المحصول، ص:۱۳۰
۳۔السبکی، جمع الجوامع، ص:۱۰۸

[illegible] سے ثابت نہ ہو جائے اسے جدید حق حاصل نہیں ہوں گے جیسے کوئی ایسا شخص مر گیا جس کا یہ وارث شرعی تھا اب یہاں پر توقف اختیار کیا جائے گا یہاں تک کہ یہ زندہ واپس آجائے تو اسے اس کا حصہ ملے گا ورنہ نہیں ملے گا۔[1]

ابن الفرکاح کہتے ہیں کہ استصحاب برائت اصلیہ درست ہے اور اس پر علما نے اتفاق کیا ہے جیسے چھٹی نماز کے واجب نہ ہونے کے بارے میں ہم استصحاب کرتے ہیں کہ پانچ نمازیں فرض ہیں چھٹی فرض نہیں ہے۔[2]

حنبلی نقطہ نظر

۱۔استصحاب عدم اصلی

عدم اصلی کا استصحاب اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی دلیل موجود نہیں ہو جیسے ہر نئی ذمہ داری سے ہم برات ذمہ کا اظہار کرتے ہیں جب تک کہ وہ ذمہ داری کسی دلیل کے ذریعے ثابت نہ ہو جائے جیسے ہر چیز انسان کے لیے مباح جب تک دلیل کے ذریعے وہ چیز ممنوع قرار نہ دے دی جائے بعض علمانے اس کا نام عدم دلیل بھی رکھا ہے جب استصحاب بولا جاتا ہے تو زیادہ تر اس سے مقصود یہی قسم ہوتی ہے۔[3]

عبدالمحسین الترکی اپنی شہر آفاق تصنیف اصول مذہب الامام احمدؒ بن حنبل میں استصحاب کی اقسام کو بیان کرتے ہوئے استصحاب عدم اصلی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

هذا متفق على انه حجة[4]

اس بات پر اتفاق ہے کہ استصحاب عدم اصلی حجت ہے۔

استصحاب عدم اصلی کی حجیت پر علمائے حنابلہ نے اتفاق کیا ہے اور کہا ہے کہ شریعت اسلامی میں استصحاب کی یہ قسم حجت ہے۔

۲۔استصحاب حکم سابق

پانی میں اصل پاک ہونا ہے اب اصل یہ ہے کہ وہ اپنی طہارت پر باقی ہے شک کی وجہ سے اسے ناپاک نہیں کہا جائے گا اس قسم کے بارے میں فقہانے کوئی تنازع نہیں کیا بلکہ سب نے کہا ہے یہ حجت ہے۔[5]

۳۔استصحاب حالت سابقہ

استصحاب الحال السابقه : استصحاب الحال السابقه مثال ذلك استصحاب حياة المفقود

اس نوع میں علما کا اختلاف ہوا ہے بعض نے اسے حجت قرار دیا ہے اور بعض نے اسے فقط مقام دفع پر حجت قرار دیا ہے وہ یوں کہ جو آدمی زید مفقود کی حیات کا انکار کرے اس موقع پر استصحاب حالت سابقہ کی مدد سے زید کی حیات کا اثبات کیا جا سکتا ہے لیکن حیات کے دیگر لوازمات ثابت نہیں کیے جا سکتے جیسے حالت فقد میں زید وارث قرار نہیں پا سکے گا۔[6]

۴۔ محل نزاع میں حکم اجماع کا استصحاب

۱۔ابوزہرہ،اصول الفقہ،ص:۲۹۷-۲۹۹

۲۔ابن الفرکاح،شرح الورقات،ص:۳۵۳

۳۔النملہ،الجامع،ص:۲۷۵

۴۔الترکی،اصول مذہب الامام احمد،ص:۴۱۵

۵۔الترکی،اصول مذہب الامام احمد،ص:۴۱۶

۶۔ایضاً،ص:۴۱۷

علامہ ابن قیم کی رائے یہ ہے کہ یہ قسم بھی استصحاب برائت میں سے ہے اور اس کا حکم بھی وہی ہو گا جو استصحاب برائت کا ہے یعنی جیسے وہ حجت ہے بالکل اسی طرح سے یہ بھی حجت ہے مشہور عالم علامہ شوکانی بھی اسے حجت سمجھتے ہیں۔[1]

علامہ عبد الکریم النملہ نے المھذب میں استصحاب کو مندرجہ ذیل پانچ بنیادی اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ استصحاب برائت اصلی

بقی ماکان علی کان

جو جس حالت پر تھا اسے اسی حالت پر باقی رکھنا۔

ہر چیز انسان کے لیے حلال ہے کیونکہ تمام اشیا میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہوتی ہیں اس کی شرعی مثال یہ ہے کہ وتر واجب نہیں ہے اب اگر کوئی کہتا ہے کہ واجب ہے تو اس سے دلیل مانگی جائے گی اور دلیل موجود نہیں ہے اور دلیل کا موجود نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے وتر واجب نہیں ہیں یہ اس وقت تک ثابت رہے گی جب تک اس کے خلاف کوئی شرعی دلیل قائم نہ ہو جائے۔

۲۔ استصحاب وصف: اس میں کسی ایسے وصف کا استصحاب کیا جاتا ہے جو حکم شرعی کو ثابت کرنے والا ہوتا ہے اس کا استصحاب اس وقت تک کیا جائے گا جب اس وصف کے خلاف دلیل نہ آجائے جیسے وصف طہارت ہے جب یہ ثابت ہو جاتا ہے تو اس سے نماز ادا کرنا درست ہو جاتا ہے جب تک کہ کوئی ایسی دلیل نہ آجائے کہ جو بتادے کہ اب یہ وصف طہارت ختم ہو گیا ہے تب تک نماز ادا کرنا درست ہے اسی طرح گمشدہ شخص کے لیے اس وقت تک زندگی کا استصحاب کیا جائے گا جب اس کی زندگی کے ختم ہونے پر کوئی معتبر دلیل قائم نہ ہو جائے۔

۳۔ اس چیز کا استصحاب کرنا جس کے ثابت ہونے اور اس کے ثبوت کے قائم رہنے پر شریعت دلالت کرتی ہے جیسے کوئی آدمی زمین کے مالک سے ایک قطعہ زمین معین قیمت ادا کر کے حاصل کرتا ہے اب وہ اس زمین کا مالک بن جاتا ہے اور اس کے مالک بننے پر دلیل شرعی ہے کہ اس نے یہ زمین خریدی ہے اب یہ اس وقت تک اس زمین کا مالک رہتا ہے جب تک کوئی اور کسی دلیل شرعی کی بنیاد پر یہ ثابت نہ کر دے کہ اب اس زمین کا مالک وہ ہے۔

۴۔ عموم کا استصحاب جاری کرنا یہاں تک کہ کوئی دلیل آجائے اور وہ بتادے کہ اب اس عموم کو تخصیص لگادی گئی ہے جیسے عمومات قرآنی پر عمل کیا جائے گا یہاں تک کہ کوئی دلیل آجائے اور وہ بتادے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے یا اسے تخصیص لگائی جاچکی ہے۔

۵۔ حکم اجماع کا استصحاب: علما کسی ایک صورت پر اجماع کرتے ہیں بعد میں جس وصف پر اجماع ہوا تھا وہ تبدیل ہو جاتا ہے اب اجماع کرنے والے اس حکم کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں جو لوگ اس حکم باقی رکھتے ہیں وہ استصحاب سے فائدہ اٹھاتے ہیں کہ یہ حکم اجماع کے ذریعے سے ثابت تھا اب اس میں شک ہے تو استصحاب یہ ہے کہ حکم باقی ہے۔[2]

۱۔ ایضاً، ص: ۴۲۱

۲ النملہ، المھذب، ص: ۳/ ۹۵۹-۹۶۱

مبحث اول: اجماع کی استصحاب کی حجیت پر دلالت

مبحث دوم: دیگر ادلہ

مبحث سوم: مسالک کی آراء

فقہا جس طرح قرآن اور سنت سے احکام شریعت کو استنباط کرتے ہیں اسی طرح کچھ اور دلیلیں بھی ہیں جن سے انہوں نے استنباط احکام کے لیے فائدہ اٹھایا ہے ان میں ایک دلیل استصحاب ہے دلیلوں میں استصحاب کا وہ مقام تو نہیں ہے جو قرآن و سنت کا ہے مگر اس کے باوجود مجتہدین اس کی حجیت کے قائل ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں بعض اسے مطلقاً حجت سمجھتے ہیں اور بعض اس کو مخصوص حالات میں حجت سمجھتے ہیں استصحاب کی حجیت پر مندرجہ ذیل دلیلیں بیان کی جاتی ہیں۔

مبحث اول: اجماع کی استصحاب کی حجیت پر دلالت

استاد ابو زہرہ مصری لکھتے ہیں کہ استصحاب وہ دلیل ہے جس پر ائمہ اربعہ اور ان کے ماننے والوں کا اجماع ہے مگر ان کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کو کتنی مقدار میں لیا جائے گا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ استاد ابو زہرہ کی تحقیق کے مطابق تمام مسالک کے علما کا اس کی حجیت پر اجماع ہے باقی اس کو کہاں کتنی مقدار میں اخذ کیا جائے گا اس میں اختلاف ہے۔(۱)

شیخ مظفر فرماتے ہیں کہ علما کی ایک جماعت نے استصحاب کی حجیت پر اجماع کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے اس بات پر علما کا اتفاق ہے کہ استصحاب حجت رکھتا ہے کیونکہ فقہا کو جب کوئی حکم مل جاتا ہے اور پھر اس میں شک ہوتا ہے کہ اب یہ حکم باقی ہے یا ختم ہو گیا تو ایسی صورت میں وہ حکم کے باقی رہنے کا حکم لگاتے ہیں شیخ مظفر فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اجماع ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔(۲)

مشہور محقق رضوانی لکھتے ہیں کہ فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو حکم یقین کے ذریعے ثابت ہو جائے اس بعد میں آنے والے شک کے ذریعے ختم نہیں کرتے۔(۳)

اگر شک ہو جائے کہ یہ عورت زوجیت میں آئی ہے یا نہیں آئی تو اجماع ہے کہ اس سے جماع حرام ہے اور اگر زوجیت کے باقی رہنے کا گمان ہو تو اجماع ہے کہ جماع درست ہے دونوں میں فرق نہیں صرف اتنا فرق ہے کہ پہلے مقام پر استصحاب عدم زوجیت جاری ہوا جبکہ دوسرے مقام پر استصحاب زوجیت اگر استصحاب حجت نہ ہو تو دونوں مقامات پر حکم ایک ہی ہوتا جبکہ حکم ایک نہیں ہے پس اجماع سے پتہ چلتا ہے کہ استصحاب حجت ہے۔(۴)

ڈاکٹر عبد الکریم النملہ لکھتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اگر ابتدا میں شک ہو جائے کہ زوجیت حاصل ہے یا نہیں ہے تو اس وقت تلذذ درست نہیں ہے لیکن اگر اس طلاق میں شک ہو اور اس سے پہلے طلاق ہو چکی ہو تو اس وقت لذت اٹھانا درست ہے ان دونوں صورتوں کو بغور دیکھا جائے تو ان میں کوئی فرق نہیں ہے سوائے اس کے کہ پہلے صورت میں عدم زوجیت کا استصحاب جاری کیا ہے اور دوسری میں بھی شک سے پہلے والی صورت یعنی زوجیت کے موجود ہونے کا استصحاب کیا ہے اب اگر استصحاب معتبر نہیں ہوتا تو پہلے والی حالت کا ظن باقی نہ رہتا اور اس صورت میں ظن سے پہلے اور بعد والی صورت برابر ہو جاتی اور پہلے اور والی صورت کے مطابق حکم جاری نہ کر سکتے دونوں میں حکم ایک سا ہونا ہے خواہ وطی کے مباح ہونے کا ہو یا وطی کے حرام ہونے کا ہو اور یہ اجماع کے خلاف ہے۔(۵)

۱۔ ابو زہرہ، ابن حنبل، ص:۲۶۱

۲۔ المظفر، اصول الفقہ، ص:۶۲۱

۳۔ رضوانی، اصول فقہ مقارن، ص ۱۲۳

۴۔ الترکی، اصول، ص:۴۱۹

۵۔ النملہ، المهذب، ص:۳/۹۶۴، ۹۶۳

لگایا جائے گا فقہانے اس پر اجماع کا کہا ہے۔[1]

مبحث دوم: دیگر ادلہ

دلیل شرعی

احکام شرعیہ میں تحقیق و جستجو کرنے سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ احکام شرعیہ اس وقت تک باقی رہتے ہیں جب تک دلیل شرعی ان پر قائم رہتی ہے اور اس وقت ان کا حکم تبدیل ہوتا ہے جب دلیل شرعی آتی ہے وہ اشیا جو نشہ دیتی ہیں وہ حرام ہیں ان کو شارع نے حرام قرار دیا ہے مگر یہ حکم اس وقت نہ ہو گا جب ان کے اوصاف تبدیل ہو جائیں جیسے شراب سرکہ بن جائے اس کا حکم بھی ختم ہو جائے گا تمام احکام پر قائم شرعی ادلہ یہ بتاتی ہیں کہ جب تک ان میں یہ صفت موجود رہے گی اس وقت تک کا ان کا حکم بھی موجود رہے گا جب تک کہ کوئی دوسری دلیل نہ آجائے جو اس حکم کے زمانے کو ختم کر دے تو اس کا حکم تبدیل ہو جائے گا تمام شرعی احکامات میں یہ بات موجود ہے اور استصحاب میں بھی یہی ہوتا ہے کہ ایک پہلے سے دلیل کی بنیاد پر ثابت حکم کو باقی رکھا جاتا ہے۔[2]

عقل

عقل بھی استصحاب کے واجب ہونے کا کہتی ہے جیسے شریعت میں چھٹی نماز کا فرض ہونا، رمضان کے علاوہ روزوں کا فرض ہونا عقل ان کی نفی کرتی ہے کہ اصل میں نہیں تھے تو اب بھی نہیں ہیں[3] ماضی میں جس چیز کا ہونا یا نہ ہونا ثابت ہو چکا ہو جبکہ اس کے خلاف کوئی دلیل بھی نہ ہو تو پہلی حالت کا ظن باقی رہے گا جبکہ یہ وہ ظن ہے جسے شریعت میں قبول کیا جاتا ہے۔[4]

عقلا کی سیرت یہ ہے کہ وہ اپنے لین دین میں اپنے معاہدات میں جو چیز ان کے ہاں ثابت ہو جائے اب جب تک اس کے خلاف ثابت نہ ہو تب تک اس کی بقا کا حکم کرتے ہیں یہ عقلی اور فطری طریقہ ہے۔[5]

علامہ شیخ مظفر فرماتے ہیں کہ استصحاب کی حجیت پر بہت سی ادلہ سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں سے اہم یہ ہے کہ عقل اس بات کا ادراک کرتے ہوئے یہ حکم لگاتی ہے کہ استنباط احکام کے لیے استصحاب حجت ہے جیسے ہمیں کسی ایک چیز کے بارے میں علم تھا پھر کچھ عرصہ بعد شک ہوا کہ وہ اسی طرح ہے یا تبدیل ہو گئی ہے شک کے بعد اس چیز کے باقی رہنے کا ظن ہے کہ وہ باقی ہو گی یہاں پر عقل یہ حکم لگاتی ہے کہ باقی ہو جب عقل اس کے باقی ہونے کا حکم لگاتی ہے تو شریعت بھی اس کے باقی ہونے کا حکم لگاتی ہے۔[6]

بہت سی عقلی ادلہ استصحاب کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں جیسے ہر انسان عادل ہوتا ہے جب تک کہ دلیل کے ذریعے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ فاسق ہو گیا ہے ہر ایک کا خون محفوظ ہے جب تک کہ دلیل سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس

۱۔ الحکیم، الکافی فی اصول الفقه، ص:۲/۳۶۹ بشیر حسین نجفی، مرقاۃ الاصول، ص:۲۰۹

۲۔ ابوزھرہ، اصول الفقه، ص:۲۹۷

۳۔ الباجی، احکام الفصول، ص:۲۹۵

۴۔ الترکی، اصول، ص:۴۱۹

۵۔ رضوانی، اصول فقه مقارن، ص:۱۹۰

۶۔ المظفر، اصول الفقه، ص:۶۱۹

زید کی زندگی کا استصحاب ہی کر رہے ہیں اور یہ عقل کا تقاضا ہے۔(۱)

کسی حکم کا پہلے والے زمانے میں ثابت ہونا اس بات کا موجب بنتا ہے کہ ملحق زمانے میں بھی اس حکم کے بقا کا ظن کا بر کھا جائے جیسے انسان کو کسی چیز کے بارے میں علم ہو پھر کوئی ایسا واقعہ ہو جائے جو اس علم کو متزلزل کر دے مگر عقل اب بھی اس کے باقی ہونے کے بارے میں ظن کا حکم لگائے گی اور یہ بات معلوم ہے کہ شارع عقل کی مخالفت نہیں کرتا جب عقل اس حکم کے باقی رہنے کے بارے میں رجحان کا حکم لگاتی ہے تو شارع بھی اسی کا حکم لگائے گا۔(۲)

پہلے ایک حکم دلیل کے ذریعے ثابت تھا اب اس حکم کے باقی ہونے پر ظن قائم ہے عقلا بھی اس حکم کے باقی ہونے کا حکم لگاتے ہیں تو عقل اس ظن کی حجیت کا حکم لگاتی ہے۔(۳)

ظن معتبر قائم ہے جو حجت ہے

استصحاب سے بعد والے زمانے میں حکم کے باقی رہنے کا ظن پیدا ہو جاتا ہے جس بھی دلیل کے ذریعے کسی حکم کے بارے میں ظن پیدا ہو جائے یہ ظن ظنِ معتبر ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔(۴)

عقلا کا طریقہ کار

پوری دنیا کے عقلا ان کا تعلق کسی بھی علاقے سے کسی بھی مذہب سے ہو وہ اپنے معمولات میں اس طریقہ کار کو اپناتے ہیں کہ جب انہیں کسی بات میں یقین ہوتا ہے اور بعد میں اسی چیز میں شک ہو جاتا ہے تو وہ اپنے سابقہ یقین پر ہی عمل کرتے ہیں۔(۵)

احمد اردبیلی لکھتے ہیں کہ عقلا کا یہ طریقہ ہے کہ وہ پہلے والی حالت پر عمل کرتے ہیں اس کے مطابق ہی حکم لگاتے ہیں اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ جب پہلے والی حالت کے خلاف کوئی احتمال آتا ہے تو عقلا اس احتمال کی کی کوئی پراہ نہیں کرتے اور حالت سابقہ کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اس شک کو لغو قرار دیتے ہیں اور اپنے اطمنان پر باقی رہتے ہیں۔(۶)

شیخ جعفر سبحانی لکھتے ہیں تمام عقلا حالت سابقہ کے مطابق عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ جانور بھی حالت سابقہ پر عمل کرتے ہیں اور یہ آج سے نہیں ہے ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے اور شارع نے اس سے نہی نہیں کی ہے اس لیے استصحاب حجت ہے۔(۷)

حکم شرعی دوام کا تقاضا کرتا ہے

جب کوئی حکم کسی معتبر شرعی دلیل سے ثابت ہو جاتا ہے تو عام طور پر یہ ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے کیونکہ اس سے بہت سی دینی اور دنیاوی مصلحتیں متعلق ہو جاتی ہیں اور یہ مصالح جلدی تبدیل نہیں ہوتے ہیں اس لیے جب مجتہد کسی حکم کے تبدیل ہونے کی بابت دلیل کو تلاش کرے اور کسی قسم کی کوئی دلیل نہ پائے تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ کوئی دلیل

۱۔ابوزھرہ،اصول الفقہ،ص۲۹۸

۲۔بشیر حسین نجفی،مرقاۃ الاصول،ص:۲۰۹

۳۔محمد باقر،اصول الفوائد،ص:۲/۱۹۸

۴۔النملہ،المھذب،ص:۳/۹۶۳

۵۔المظفر،اصول،ص:۶۱۶بشیر حسین نجفی،مرقاۃ الاصول،ص:۲۰۸

۶۔احمد اردبیلی،الذخر فی الاصول،ص:۲/۲۳

۷۔جعفر سبحانی،المحصول،ص:۴/۲۰

استصحاب کے حجت نہ ہونے سے نظام درہم برہم ہو جائے گا

اگر استصحاب کو حجت نہ مانا جائے اور ہر شک کی صورت میں سابقہ یقین کو ترک کر دیا جائے تو زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائے گا عام امور کو چلانا بھی دشوار ہو جائے گا اس لیے استصحاب کا حجت ہونا ضروری ہے اور اسی پر انسان کے اجتماعی نظام کی بنیاد ہے۔[2]

استصحاب پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے نظام زندگی درہم برہم ہو جائے گا استصحاب پر تو جانور بھی عمل کرتے ہیں جیسے وہ اسی جگہ پر پانی پینے آتے ہیں جہاں سے انہوں نے پہلے پانی پیا ہوتا ہے اگر استصحاب پر عمل نہ کریں تو انہیں ہر بار ابتدا سے پانی ڈھونڈنا پڑے گا۔[3]

مبحث سوم: مسالک کی آراء

فقہی مسالک کے جمہور علما کا استصحاب کی حجیت پر اتفاق ہے مگر اس بات میں اختلاف رائے موجود ہے کہ اس کی حجیت کس درجہ کی ہے اس کی حجیت کے موارد میں بھی اختلاف ہے اس پر فقہی مسالک کے علما کی آرا مندرجہ ذیل ہیں۔

جعفری نقطہ نظر

شیخ انصاری لکھتے ہیں کہ استصحاب شرعی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے یہ ان دلیلوں میں سے ہے جن کی بنیاد عقل رکھی گئی ہے۔[4]

شیخ مفید کے مطابق جب پہلے حکم ثابت تھا اور پھر بعد میں کوئی دلیل اس حکم کے خلاف نہیں آتی ہے تو اس صورت میں اس حکم کے باقی ہونے کا حکم لگایا جائے گا محقق حلی کی بھی یہی رائے ہے کہ اس وقت پہلے حکم کے باقی رہنے کا حکم لگایا جائے گا اور یہی استصحاب ہے۔[5]

علامہ حلی لکھتے ہیں کہ استصحاب حجت ہے متکلمین اور احناف اس کی حجیت کے قائل نہیں ہیں یہ اس لیے حجت ہے کہ ایک چیز کا ایک وقت میں موجود ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ چیز مستقبل میں بھی اسی طرح ہوگی عقل بھی اکثر معاملات میں اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جب تک کوئی مخالف دلیل نہ آجائے اس وقت تک وہ حکم باقی رہتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ استصحاب میں پہلے والی حالت کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہوتی ہے اس لیے استصحاب حجت ہے۔[6]

حنفی نقطہ نظر

امام نسفی، علامہ قاضی عبد الرسول احمد نگری فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک استصحاب حجت موجبہ نہیں ہے حجت دافعہ ہے۔[7]

۱۔ النملہ، المہذب، ص:۳/ ۹۶۴

۲۔ المظفر، اصول، ص:۶۱۶

۳۔ الحکیم، الکافی فی اصول الفقہ، ص:۲/ ۳۷۰

۴۔ مرتضی انصاری، الحاشیۃ، ص:۲۲

۵۔ محقق، معارج الاصول، ص:۲۸۶

۶۔ حلی، تہذیب الوصول الی علم الاصول، ص:۲۹۳

۷۔ النسفی، کشف الاسرار، ص:۲/ ۲۶۹ احمد نگری، دستور العلماء، ص:۱/ ۱۱۰

احناف استصحاب کی نفی نہیں کرتے کہ استصحاب مطلقاً حجت نہیں رکھتا بلکہ احناف کا جمہور کے ساتھ اختلاف اس بات پر ہے کہ استصحاب کہاں کہاں اور کتنا حجت ہے حقیقت یہ ہے کہ احناف جمہور کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ استصحاب حجت ہے اور احناف استصحاب کو دلیل شمار کرتے ہیں احناف اسے خود سے دفاع کرنے میں دلیل مانتے ہیں اور اپنی حمایت میں اسے استعمال کیا جاتا ہے مگر وہ اس بات میں استصحاب کی حجیت میں جمہور کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں جہاں کسی چیز کا استحقاق استصحاب سے ثابت کیا جارہا ہو نئے حقوق کو استصحاب سے ثابت کیا جارہا ہو جمہور ان معاملات میں بھی استصحاب کو حجت مانتے ہیں مگر احناف ان معاملات میں استصحاب کو حجت نہیں مانتے۔[۲]

قاضی محمد اعلی تھانوی لکھتے ہیں کہ استصحاب امام شافعی کے ہاں حجت ہے ہر وہ حکم جس کے کسی دلیل سے ثابت ہونے کا علم ہو پھر اس حکم کے ختم ہو جانے کے بارے میں شک ہو جائے اور اس کے باقی رہنے اور ختم ہونے پر غور و فکر کے باوجود کوئی دلیل نہ ہو تو اکثر احناف کے نزدیک یہ دفع میں حجت ہے مدمقابل کی طرف سے کئے گئے دعوی کو رد کرنے میں حجت ہے مگر یہ کسی حکم کو واجب قرار نہیں دے سکتا۔[۳]

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان حجیت استصحاب کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ استصحاب کسی نئے حکم کو ثابت نہیں کرتا لیکن اس حکم کو باقی ضرور رکھتا ہے جو پہلے کسی معتبر دلیل سے ثابت تھا اور اب بھی جاری ہے ذاتی طور پر یہ کوئی فقہی دلیل نہیں ہے یہ اس بات پر قرینہ ہے کہ دلیل سے ثابت حکم اب بھی باقی رہے گا استصحاب پر اس وقت عمل کیا جائے گا جب مجتہد اپنی پوری کوشش کرے مگر اس کے باوجود اسے درپیش مسئلہ میں قرآن، سنت اور اجماع سے کوئی دلیل نہ ملے تو اس وقت یہ فتوی کا آخری مدار ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور پھر یہ نفی اور اثبات دونوں میں حجت ہے۔[۴]

استصحاب ایک ایسی دلیل ہے جس میں میں موجودہ زمانے میں کسی حکم کے ثابت ہونے پر دلالت ہوتی ہے اور اس کی بنیاد اس بات پر ہوتی ہے کہ ماضی میں ایک دلیل سے یہ حکم ثابت تھا اب کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں آئی جو اسے تبدیل کردے اس کی کئی اقسام ہیں ان میں سے بعض کے حجت ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے اور ان کے مطابق عمل کیا جاتا ہے اور بعض میں اختلاف ہے۔[۵]

احناف کے نزدیک استصحاب سے فقط وہ حقوق سلبیہ ثابت ہوتے ہیں جیسے مفقود شخص کی ملکیت اس کی ہی رہے گی حنابلہ اور شوافع کہتے ہیں کہ استصحاب کے ذریعے ایجابی اور سلبی دونوں طرح کی ملکیت ثابت ہو جائے گی جب تک کوئی دلیل آکر مانع نہ بن جائے جیسے مفقود کو وراثت میں سے حصہ ملے گا اس کے لیے وصیت ثابت ہو جائے گی۔[۶]

یہاں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اکثر حنفی علمائے کرام استصحاب کو دفع میں حجت مانتے ہیں اثبات میں حجت نہیں مانتے ہیں یہاں پر دو کلمات استعمال ہوئے ہیں کہ دفع اور اثبات یہاں پر ان سے مراد کیا ہے؟

۱۔ بحر العلوم، اجتہاد اصولہ واحکامہ، ص:۱۱۷

۲۔ الہنداوی، الاجتہاد الاستصحابی، ص:۷۳

۳۔ تھانوی، قاضی محمد اعلی، کشاف اصطلاحات الفنون، ط/۱، سھیل اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۳ء، ص:۱/۸۰۹

۴۔ زیدان، الوجیز، ص:۲۷۰، ۲۶۹

۵۔ حوی، المدخل الی مذھب الامام ابی حنیفہ النعمان، ص:۲۲۳

۶۔ ابوزہرہ، ابن حنبل، ص:۲۶۲

گی مگر اب اگر اس کا کوئی ایسا رشتہ دار فوت ہو جائے جس سے اسے ارث ملنا ہے تو وہ اسے نہیں ملے گا۔[1]

مالکی نقطہ نظر

علامہ الباجی کہتے ہیں کہ جمہور علما کی رائے یہ ہے کہ استصحاب صحیح دلیل ہے۔[2] امام الباجی نے مزید لکھا ہے کہ ادلہ کی تین اقسام ہیں ۱۔ اصل یہ کتاب، سنت اور اجماع ہے ۲۔ معقول ۳۔ استصحاب الحال۔[3]

علامہ تلمسانی کہتے ہیں کہ استصحاب ہمارے بزدیک حجت ہے کیونکہ اس کے ذریعے حکم شرعی کے بارے میں ظن حاصل ہو جاتا ہے جس کے ایک حالت میں ہونے کے بارے میں علم حاصل تھا اور وہ اس سے تبدیل نہیں ہوا بس شک ہے کہ شائد تبدیل ہو گیا ہو تو اس صورت میں ظن کو ترجیح دیتے ہوئے کہیں گے یہ حجت ہے۔[4]

محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ دلیل شرعی ہے ایک چھوٹی سی جماعت نے اس کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ استصحاب کا تعلق دلیل کے نہ ہونے سے ہے اور عدم دلیل دلیل نہیں بن سکتی مگر عقلا کے ہاں یہ بات ثابت ہے کہ کہ عدم دلیل علت نہیں بن سکتی مگر دلیل بن سکتی ہے اور اس کے دلیل بننے میں عقلا کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔[5]

علامہ الولاتی نے ایصال السالک میں لکھا ہے کہ استصحاب امام مالکؒ کے ہاں حجت ہے اور یہ ادلہ شرعیہ میں داخل ہے اور اس کے ادلہ میں سے ہونے پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا ہے مالکیہ، شوافع اور احناف کی ایک جماعت اس کی قائل ہے۔[6]

ابن الصلاح نے لکھا ہے کہ استصحاب ادلہ میں سے ہے جس سے استنباط احکام میں استفادہ کیا جاتا ہے۔[7]

ڈاکٹر فادیغا موسی لکھتے ہیں استصحاب کو مصدر، اصل اور دلیل تینوں کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ مصدر: استصحاب کو مصدر اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ فقیہ اس سے حکم اخذ کرتا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

۲۔ اصل: اصل اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ فقیہ اس پر حکم کی بنیاد رکھتا ہے۔

۳۔ دلیل: اصولی کے لیے دلیل ہے کیونکہ اصولی اس کے ذریعے اس حکم تک پہنچ جاتا ہے جس کا استنباط کرنا چاہ رہا ہوتا ہے۔[8]

شیخ السنقیطی المالکی نے استصحاب کو قرآن، سنت اور اجماع کے بعد دلیل رابع کے طور پر ذکر کیا ہے اور استصحاب کے بعد ان ادلہ کا ذکر کیا ہے جن میں اختلاف پایا جاتا ہے۔[9]

۱۔ حوی، المدخل الی مذهب الامام ابی حنیفه النعمان، ص:۲۲۵

۲۔ الباجی، احکام الفصول فی احکام الاصول، ص:۶۹۴

۳۔ الباجی، احکام الفصول، ص:۱۸۷

۴۔ تلمسانی، مفتاح الوصول، ص:۶۴۸، ۶۴۷

۵۔ ابن العربی، المحصول فی اصول الفقه، ص:۱۳۱

۶۔ الولاتی، ایصال السالک، ص:۱۷۹، ۱۷۵

۷۔ ابن الصلاح، حافظ ابی عمر عثمان بن عبد الرحمن، شرح الورقات، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ، طبع ثانیہ ۲۰۰۷ء، ص:۴۳۷

۸۔ فادیغا، اصول فقه الامام مالک، ص:۱/ ۵۵

۹۔ السنقیطی، مذکرة اصول الفقه علی روضة الناظر لابن قدامه، دار القلم، بیروت، سن، ص:۱۵۹

نظریات سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہی ہے کہ امام مالکؒ استصحاب کو حجت مانتے ہیں جیسے امام مالک کا یہ کہنا کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو انجام نہیں دیا یا صحابہ کرام نے اس عمل کو انجام نہیں دیا یہ سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ امام مالکؒ کی رائے میں جب کسی چیز کے واجب ہونے کے بارے میں کوئی نص نہ آئی ہو تو وہ واجب نہیں ہوتی ہے اور جس طرح اس چیز سے پہلے انسان کا ذمہ بری تھا اب بھی بری رہتا ہے یہی استصحاب ہے۔[۱]

شافعی نقطہ نظر

امام غزالی لکھتے ہیں کہ چوتھی اصل دلیل عقل اور استصحاب ہے یہ بات درست ہے کہ عقل کے ذریعے براہ راست وہ احکام جو شارع نے بیان کر دیے ہیں وہ اخذ نہیں کیے جاسکتے لیکن عقل ذمہ کے مشغول نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے ہماری لیے شرعی دلیل سے پانچ نمازیں واجب ہیں اب چھٹی نماز واجب نہیں ہے یہ حکم ہم استصحاب سے لگاتے ہیں دلیل شرعی سے پہلے ہمیں دلیل عقل سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ چھٹی نماز جس کا حکم نہیں دیا گیا وہ ہم پر واجب نہیں ہے۔[۲]

علامہ جمال الدین الاسنوی اور علامہ المحلی کے نزدیک استصحاب شرعی طور پر حجت ہے اور مجتہد استصحاب کو حکم شرعی کو جاننے کے لیے بطور ماخذ استعمال کرتے ہیں۔[۳]

علامہ تاج الدین السبکی لکھتے ہیں کہ استصحاب ادلہ میں سے دلیل ہے اور جب کوئی اور دلیل شرعی اس کی مخالفت نہ کر رہی ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔[۴]

یہ فتوی کی آخری دلیل ہے جب کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو مفتی سب سے پہلے قرآن سے اس مسئلہ کو حل تلاش کرتا ہے پھر سنت سے پھر اجماع اور پھر قیاس سے اس مسئلہ کا حکم شرعی تلاش کرتا ہے جب اسے ان تمام میں سے کوئی حکم نہیں ملتا تو اس وقت وہ استصحاب الحال کی طرف رجوع کرتا ہے اور پھر یہ نفی اور اثبات دونوں میں حجت ہوتا ہے۔[۵]

حنبلی نقطہ نظر

استصحاب کے بارے میں ائمہ اربعہ میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ جس طرح استصحاب دفع میں حجت ہے بالکل اسی طرح ابقا میں بھی حجت ہے احناف کہتے ہیں کہ یہ دفع میں تو حجت ہے مگر ابقا میں حجت نہیں ہے۔[۶]

استصحاب دلیل شرعی ہے اور اس کے مطابق شریعت میں عمل کیا جاتا ہے جیسے تخصیص میں آنے سے پہلے عموم کا استصحاب کیا جاتا ہے نسخ کے آنے سے پہلے نص کا استصحاب کیا جاتا ہے استصحاب عدم دلیل کی طرف نہیں پلٹتا تا بلکہ

۱۔ ابن القصار، المقدمہ فی الاصول، ص:۱۵۷

۲۔ غزالی، المستصفی، ص:۱/۲۱۸، ۲۱۷

۳۔ الاسنوی، جمال الدین عبدالرحیم بن حسن، التمہید فی تخریج الفروع علی الاصول، مکتبہ الازھریہ للتراث، قاہرہ، ص:۳۰۳
محلی، شرح الورقات، ص:۱۸۵

۴۔ المحلی، شرح الورقات، ص:۱۲۱

۵۔ ابوزھرہ، اصول الفقہ، ص:۲۹۶

۶۔ ابن القیم، اعلام الموقعین، ص:۱/۲۳۹

علامہ صفی الدین عبد المؤمن، علامہ ابن قدامہ اور شیخ سنقیطی نے استصحاب کو قرآن، سنت اور اجماع کے بعد اصل رابع کے طور پر ذکر کیا ہے اور اس کے بعد ادلہ مختلف فیھا کو ذکر کیا ہے فقہ حنبلی کے ان جید علما کرام کا استصحاب کو متفق ادلہ میں شمار کرنا اس بات کا غماز ہے کہ فقہ حنبلی میں استصحاب کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور اس میں استصحاب سے بہت زیادہ استفادہ کیا جاتا ہے۔[۲]

ابن اللحام حنبلی لکھتے ہیں کہ استصحاب وہ دلیل ہے جس کو تمام محققین نے ذکر کیا ہے۔[۳]

علامہ ابن النجار حنبلی لکھتے ہیں کہ درست رائے یہ ہے کہ استصحاب دلیل ہے اور یہ دلیل عقلی ہے اس میں عقل سے تمسک کیا جاتا ہے۔[۴]

استاد ابو زہرہ مصری امام احمدؒ بن حنبل کے اصول اجتہاد میں استصحاب کا ذکر بطور دلیل کرتے ہیں اور کہتے کہ استصحاب وہ فقہی دلیل ہے جس پر ائمہ اربعہ اور ان کے ماننے والوں کا اجماع ہے مگر ان کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کو کتنی مقدار میں لیا جائے گا سب سے زیادہ جس نے استصحاب سے استفادہ کیا ہے وہ حنابلہ ہیں اس کے بعد شوافع ہیں اور مالکیہ ان دونوں کے درمیان میں ہیں شوافع کے استصحاب کی طرف زیادہ رجوع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قیاس کو زیادہ وسعت نہیں دی ہے یہ صرف ضرورت کے وقت ہی قیاس جائز ہونے کے قائل ہیں اور شیعوں نے سب سے زیادہ استصحاب سے استفادہ کیا ہے۔[۵]

۱۔ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۸۰

۲۔ السنقیطی، مذکرۃ اصول الفقہ، ص:۱۵۹ اشتری، قواعد الاصول، ص:۱۴۱ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص:۸۰

۳۔ ابن اللحام، المختصر فی اصول الفقہ، ص:۱۶۰

۴۔ ابن النجار، شرح الکواکب المنیر، ص:۴/۴۰۳

۵۔ ابوزہرہ، ابن حنبل، ص:۲۶۱

مبحث اول: استصحاب کی حجیت کے بارے میں دو جدید کے ماہرین کی آراء

مبحث دوم: وہ قواعد اور اصول جن کی بنیاد استصحاب پر ہوتی ہے

مبحث سوم: وہ مسائل جہاں فقہا نے استصحاب سے استفادہ کیا ہے

ڈاکٹر عبدالحمید الجباس

استصحاب کی بحث کرتے ہیں اختتام پر بہت اچھا تجزیئہ کیا کرتے ہیں جمہور جن میں مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ اور شیعہ شامل ہیں ان کے ہاں استصحاب مطلقاً حجت ہے حکم اس وقت تک ثابت رہے گا جب تک اس کو تبدیل کرنے والی دلیل نہ آجائے لیکن احناف کے ہاں حکم جدید کو ثابت نہیں کرتا لیکن حکم ثابت اس کے ذریعے جاری رہتا ہے۔[1]

الدکتور وھبۃ الزحیلی

تحقیق انی ارجح مذھب القائلین بحجیۃ الاستصحاب مطلقا فی النفی والاثبات لقوۃ ادلتھم ولکثرۃ الوقائع التی یحتج فیھا بالاستصحاب[2]

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں کہ میری رائے میں جو لوگ استصحاب کو حجت سمجھتے ہیں ان کی بات ترجیح رکھتی ہے کہ چاہے یہ استصحاب نفی میں ہو یا اثبات میں ہو یہ حجت ہے کیونکہ قائلین استصحاب کی ادلہ ترجیح رکھتی ہیں اور بہت زیادہ مسائل ایسے شریعت اسلامی میں موجود ہیں جن میں استصحاب سے بطور دلیل استفادہ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر کمال الدین

ان الاستصحاب علی الرای الراجح دلیل ولکنہ دلیل لا یثبت حکما جدیدا وانما یستبقی حکما موجودا[3]

میری رائے کے مطابق استصحاب دلیل ہے مگر یہ ایسی دلیل نہیں ہے جو نئے حکم کو ثابت کر سکے یہ ایسی دلیل ہے جو پہلے سے موجود حکم کو باقی رکھتی ہے۔

دکتور محمد ادیب الصالح

دمشق یونیورسٹی کے کلیہ قرآن و سنت کے رئیس دکتور محمد ادیب الصالح اپنی مشہور کتاب مصادر التشریع الاسلامی و مناھج الاستنباط میں تحریر کرتے ہیں کہ حکم کے استنباط کے لیے سب سے پہلے قرآن کو دیکھا جائے گا پھر سنت اور پھر اجماع کی طرف رجوع کیا جائے گا اس کے بعد قیاس کی طرف مراجعت کی جائے گی اگر حکم ان تمام میں نہ ملے تو اس وقت استصحاب کی طرف رجوع کیا جائے گا اور ایسی صورت میں استصحاب نفی و اثبات دونوں میں حجت ہے اور استنباط احکم کا منبع قرار پائے گا۔[4]

ابوزہرہ

انہوں نے بہترین تبصرہ فرمایا ہے وہ اپنی کتاب ابن حنبل میں لکھتے ہیں کہ

ھذا (الاستصحاب) اصل فقھی قد اجمع الائمۃ الاربعۃ و من تبعھم علی الاخذ بہ ولکنھم اختلفوا فی مقدار الاخذ بہ[5]

۱۔ ڈاکٹر عبدالحمید الجباس، اصول الفقہ الاسلامی، دار النھضۃ العربیہ، بیروت، ص:۱۴۵

۲۔ الزحیلی، اصول الفقہ الاسلامی، ص:۲/ ۸۷۱

۳۔ الدکتور محمد کمال الدین، مقدمۃ لدراسۃ الفقۃ الاسلامی، ص:۱۹۸

۴۔ دکتور محمد ادیب الصالح، مصادر التشریع الاسلامی و مناھج الاستنباط، ط/۱، مکتبہ العبیکان، ریاض، ۲۰۰۲ء، ص:۳۳۲

۵۔ الترکی، اصول، ص:۴۲۲ ابوزہرہ، ابن حنبل، ص:۲۶۱

جائے گا البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کہاں اور کتنی مقدار میں اس سے استفادہ کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فادیغا

لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ استصحاب قاعدۃ فقھیہ ہے یہ بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ یہ بات جمہور علمائے فقہ واصول کی رائے کے خلاف ہے فقہا اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود اس بات پر متفق ہیں کہ استصحاب ادلہ فقہ میں سے ہے احکام فقہ کو حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف جوع کیا جاتا ہے جب کتاب وسنت میں دلیل نہ ہو تو اس سے استدلال کی نوبت آتی ہے استصحاب مصدر، اصل اور دلیل ہے استصحاب کو مصدر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ فقیہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور حکم کو حاصل کرتا ہے دلیل اس حیثیت سے کہا جاتا ہے کہ اصولی اس کی رہنمائی میں حکم حاصل کرتا ہے جس کا استنباط کر رہا ہوتا ہے اور اصل اس لیے کہا جاتا ہے کہ فقیہ اس پر حکم کی بنیاد رکھتا ہے۔[1]

ڈاکٹر محمد مولای

ڈاکٹر محمد مولای لکھتے ہیں کہ استصحاب آخری دلیل شرعی ہے مجتہد احکام کے استنباط کے لیے اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسی لیے اصولی کہتے ہیں فتوی کا آخری معیار یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں اسی حکم کو جاری رکھنا جو پہلے سے ہے جب تک کہ کوئی ایسی دلیل نہ آجائے جو اس کو تبدیل کر دے اور استصحاب کے ذریعے یہ مبادی شرعیہ ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ اصل یہ ہے کہ حکم جیسا ہے ویسا ہی باقی رہتا ہے یہاں تک کہ کوئی ایسی چیز آجاتی ہے جو اس حکم میں تبدیلی کو ثابت کر دیتی ہے۔

۲۔ تمام اشیا میں اصل یہ ہے کہ سب کی سب مباح ہیں۔

۳۔ انسان میں اصل برائت ہے یہ اس کے ذمہ کچھ نہیں ہوتا ہر چیز کو دلیل سے ثابت کرنا پڑے گا۔

۴۔ جو بات ایک بار کسی یقینی دلیل کے ذریعے ثابت ہو جائے اس کو کوئی بھی عارض ہونے والا شک دور نہیں کر سکتا۔[2]

ڈاکٹر حسن بن ابراہیم الہنداوی

یہ لکھتے ہیں کہ اکثر متاخرین احناف کے نزدیک استصحاب جو کہ کسی چیز کو اس کے پہلے والے حکم پر باقی رکھنا ہے اس میں حجت ہے اس میں استصحاب حال اور استصحاب برائت دونوں آجاتے ہیں اس میں ایسا کوئی حکم ثابت نہ کیا جارہا ہو جو پہلے سے موجود ہی نہ ہو اور اس میں اسی طرح ہوتا ہے کہ پہلے سے موجود کو اسی حالت میں رکھا جاتا ہے نیا حکم نہیں لایا جاتا۔[3]

ڈاکٹر فتحی

مجتہد قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے دلیل کو تلاش کرے اور دلیل نہ پائے اور اس بات کا ظن حاصل ہو جائے کہ اس مسئلہ میں دلیل نہیں ہے جو اس وقت یہ استصحاب کی باری آتی ہے کہ اصولیوں نے استصحاب کو معتبر جانا ہے

۱۔ فادیغا، اصول فقہ الامام مالک، ص: ۱/ ۵۸

۲۔ مولای، تنویر العقول، ص: ۱۴۶

۳۔ الہنداوی، الاجتہاد الاستصحابی، ص: ۶۳

مبحث دوم: وہ قواعد اور اصول جن کی بنیاد استصحاب پر ہوتی ہے

تین قواعد استصحاب کے نتیجہ میں بنتے ہیں۔

۱۔ الیقین لا یزول بالشك اس کا مطلب یہ ہے کہ یقین کبھی بھی شک کے ذریعے ختم نہیں ہوتا اس کی مثال یہ ہے کہ پہلے وضو کیا تھا اس کا یقین تھا اب کچھ دیر بعد اس بات میں شک ہوتا ہے کہ آیا وضو باقی ہے یا وضو ختم ہو گیا ہے تو اس وقت یہ وضو شک کے ذریعے ختم نہیں ہو گا بلکہ جس طرح شک سے پہلے باقی تھا اسی طرح اب بھی باقی ہو گا۔

۲۔ الاصل بقاء ما کان علی ما کان اصل یہ ہے کہ جو جس حالت میں تھا اسی میں باقی رہے گا جیسے کسی سے قرض لینا تھا اب شک ہوتا ہے کہ لینا ہے یا اس نے ادا کر دیا ہے تو اصل یہ ہے کہ اس سے قرض اب بھی لینا ہے جب تک وہ کوئی گواہ نہ لے آئے کہ میں نے قرض واپس کر دیا ہے اس وقت تک قرض اس کے ذمہ باقی رہے گا کیونکہ اس نے قرض لیا تھا اس کا اقرار کر لیا اب جب تک واپسی پر دلیل نہیں لائے گا قرض میں اصل یہ ہے کہ اس کے ذمہ باقی رہے گا۔

۳۔ القدیم یترك علی قدمه جو پہلے ہے اس کو اسی پہلی حالت میں رکھا جائے گا اس کی مثال یہ ہے کہ ایک پڑوسی کی دوسرے پڑوسی کے گھر کی طرف کھڑکی تھی اور یہ بہت پہلے سے ہے کوئی نہیں جانتا یہ کب سے ہے اب دوسرا پڑوسی جس کے گھر کی طرف یہ کھڑکی کھلتی ہے وہ آتا ہے اور اسے کہتا ہے اس کھڑکی کو بند کرو تو یہ کھڑکی بند نہیں ہو گی اور اس کی دلیل یہی قاعدہ ہے کہ جو پہلے سے ہے اس کو اسی طرح رکھا جائے گا کھڑکی پہلے سے ہے اور اب بھی اس کو اسی طرح رکھا جائے گا۔[۲]

۱۔ ایک بہت بڑے فقہی قاعدے الیقین لا یزول بالشک کی بنیاد استصحاب پر ہے امام سیوطی کہتے ہیں کہ یہ قاعدہ تمام ابواب فقہ میں جاری ہوتا ہے جو مسائل فقہ اس قاعدے سے ملتے ہیں ان کی مقدار تبلغ ثلاثة ارباع الفقه و اکثر۔ فقہ تمام مسائل میں چوتھائی یا اس سے زیادہ ہے[۳]

۲۔ الاصل بقاء ما کان علی ما کان حتی یطرا ما یغیرہ

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو ماہ رمضان شک ہوتا ہے کہ ابھی رات ہے یا صبح ہو گئی ہے اور پھر وہ کچھ کھا پی لیتا ہے تو اس کا روزہ ٹھیک ہے کیونکہ اصل یہ ہے کہ رات باقی ہے۔[۴]

۱۔ الاصل فی الاشیاء الاباحة: اشیاء میں اصل اباحت ہے اسی لیے لوگوں کے درمیان جتنے معاہدات اور معاملات ہوتے ہیں سب کے سب مباح ہیں یہ اس وقت تک جائز اور درست رہیں گے جب تک کوئی دلیل آ کر یہ بتا دے کہ یہ عقود یا یہ معاہدات درست نہیں ہیں تو اس وقت وہ درست نہیں ہوں گے۔

۲۔ الاصل برءة الذمه: اصل یہ ہے کہ ہر شخص کا ذمہ بری ہے یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جو استصحاب کے ذریعے ثابت ہوتا ہے اسی لیے جب کوئی شخص کسی دوسرے کے خلاف کوئی ایسا دعوی کرتا ہے جس میں اس شخص کو نقصان کا اندیشہ ہو تو اس میں ضروری ہوتا ہے کہ مدعی دلیل سے یہ ثابت کرے کہ دوسرے شخص کے بارے میں جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ درست ہے کیونکہ اصل میں تو اس شخص کا ذمہ بری ہے یہ اسی قاعدہ کی وجہ سے ہے۔

۱۔ ڈاکٹر فتحی الدرینی، بحوث مقارنة فی الفقه الاسلامی و اصوله، ص:۱/۳۲۷

۲۔ امام، مقدمة لدراسة الفقه الاسلامی، ص:۲۰۲

۳۔ الربیعة، عبد العزیز بن عبد الرحمن بن علی، ادلة التشریع المختلف فی الاحتجاج بها، ریاض، طبع الثانیه ۱۹۸۱ء، ص:۳۰۰

۴۔ الربیعه، ادلة التشریع، ص:۳۰۱

بھی استصحاب سے ثابت اس قاعدہ پر ہے کہ یقین کو شک کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا۔[1]

مبحث سوم: وہ مسائل جہاں فقہانے استصحاب سے استفادہ کیا ہے

فقہانے بہت سے مسائل کو استصحاب کے ذریعے حل کیا ہے یہ ایک عملی دلیل جس کے ذریعے فقہ میں بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں ہم ان مسائل میں سے چند مسائل کو بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں۔

۱۔جب کسی کو اس بات کا یقین ہو کہ اس نے وضو کیا تھا اور اس بات میں شک ہو جائے کہ آیا وضو کرنے کے بعد اب کوئی ایسا عارض لاحق ہوا ہے جس کے نتیجے میں وضو باطل ہو جاتا ہے تو فقہا کرام فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں وضو کے باقی ہونے کا استصحاب کیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ اس کا وضو باقی ہے اب اس سے جو بھی عبادت انجام دینا چاہے انجام دے سکتا ہے۔

۳۔جو شخص گھر سے نکلے اور اسے گھر سے گئے ہوئے ایک لمبی مدت گزر جائے اور گھر واپس نہ آئے اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی اطلاع ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے تو ایسی صورت میں فقہا کرام استصحاب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس شخص کے زندہ ہونے کا حکم لگاتے ہیں اس کے نتیجہ میں اس شخص کی بیوی اس کی زوجیت میں رہتی ہے اور دوسرا عقد نہیں کر سکتی اس کا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا اس کو وراثت میں سے حصہ دیا جائے گا یہ تمام صورتیں استصحاب کی بنا پر ممکن ہیں۔[2]

۴۔ایک شخص کو شروع میں ہی یہ شک ہو گیا کہ اس کا رشتہ زوجیت قائم ہوا ہے یا نہیں ہوا تو اس پر استمتاع کرنا درست نہیں ہے اور دوسرے کو طلاق کے ہونے کے بارے میں شک ہوا اور اس سے پہلے ان کا عقد ہو چکا تھا تو اب اس کے لیے اس خاتون سے استمتاع کرنا درست ہے ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے مگر ایک میں استمتاع درست ہے اور دوسرے میں درست نہیں ان دونوں میں شک سے پہلے کی حالت کا استصحاب کرتے ہوئے حکم لگایا گیا ہے۔[3]

۱۔زیدان، الوجیز، ص:۲۷۱،۲۷۰

۲۔ محقق، معارج الاصول، ص:۲۸۷

۳۔النملہ، المھذب، ص:۹۶۳/۳

۱. علم اصول فقہ عقل اور نقل کا حسین امتزاج ہے اس کے ذریعے احکام شرعیہ کو ان کی دلیلوں سے اخذ کیا جاتا ہے۔

۲. علم اصول فقہ نے بتدریج ترقی کی ہے نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین اور پھر فقہا تک پہنچا ہے علم اصول فقہ پر پہلی باضابطہ کتاب جمہور کے نزدیک امام شافعی کی کتاب الرسالۃ ہے۔

۳. علم اصول فقہ کا موضوع ادلہ ہیں جن پر علم اصول فقہ میں بحث کی جاتی ہے علم اصول فقہ میں ادلہ شرعیہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ انہیں کے ذریعے احکام کو حاصل کیا جاتا ہے اور علم اصول فقہ کی غرض و غایت احکام شرعیہ کو ان کی دلیلوں سے اخذ کرنا ہے جس سے دنیا اور آخرت کی سعادت مندی مقصود ہوتی ہے۔

۴. اجتہاد میں فقیہ اجتہاد کے رائج طریقوں پر چلتے ہوئے حکم شرعی کو ان کے دلائل سے حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے مختلف اعتبار سے اجتہاد کو کئی اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے اور دلیل پر درست غور و فکر سے خبر کے درست مطلوب مطلوب تک پہنچا جا سکتا ہے اس کی کئی اقسام ہیں

۵. مسلک راستے کو کہتے ہیں جس پر چلا جاتا ہے اسی طرح قاعدہ اور دستور بھی مسلک کہلاتے ہیں جو کہ مذہب کے مترادف ہیں اور مشترک کا معنی شرکت کیا ہوا، ساجھے کا، ملا ہوا، مشترکہ راستہ جس پر سب چلتے ہیں۔

۶. فقہ جعفری کی بنیاد اہلبیت رسول ﷺ کے آثار پر ہے فقہ جعفری کے اصول اجتہاد میں قرآن، سنت، اجماع اور عقل شامل ہیں ان کی غیر موجودگی میں اصول اربعہ سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے استصحاب، براۃ، تخییر اور اشتغال شامل ہیں مشہور کتب میں العدۃ فی اصول الفقہ، فرائد الاصول، الذریعہ الی اصول الشریعہ شامل ہیں مشہور علمائے اصول میں سید مرتضی، شیخ طوسی، شیخ انصاری اور شیخ محمد رضا مظفر شامل ہیں فقہ جعفری کے اصولی امتیازات میں اقوال ائمہؑ کا سنت میں داخل ہونا، عقل کی حجیت اور قیاس کی خاص حیثیت شامل ہیں۔

۷. فقہ حنفی کی بنیاد امام ابو حنیفہؒ نے رکھی فقہ حنفی کے اصول اجتہاد میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس شامل ہیں اس کے ساتھ ساتھ استحسان، مراسیل صحابہ و تابعین، حیل شریعہ اور عرف شامل ہیں فقہ حنفی کے اصولی امتیازات میں خبر واحد کی حجیت میں سخت شرائط کا لگانا، قیاس میں وسعت، استحسان کا کثرت سے استعمال اور فقہ تقدیری شامل ہیں مشہور کتب اصول میں المنار، مسلم الثبوت، متن تنقیح اور متن التحریر شامل ہیں مشہور اصولی علما میں امام بزدوی، محب اللہ بن عبد الشکور ہندی، ابن ھمام اور امام شاشی شامل ہیں۔

۸. فقہ مالکی کی بنیاد امام مالکؒ نے رکھی ان کے اصول اجتہاد میں قرآن، سنت، اجماع، عمل اہل مدینہ، قیاس، قول صحابی، مصالح مرسلہ، سد ذرائع، عرف اور استصحاب الحال شامل ہیں فقہ مالکی کے اصولی امتیازات میں عمل اہل مدینہ کا حجت ماننا، اجماع اہل مدینہ کا حجت ماننا، مصالح مرسلہ کا کثرت سے استعمال کرنا، سد ذرائع سے زیادہ استفادہ کرنا اور قیاس، اخبار کے درمیان کسی بھی قسم کے تعارض میں اخبار کو مقدم کرنا اور قیاس اور عادات سے عموم قرآنی کی تخصیص کو جائز سمجھنا ہے۔ مشہور علمائے اصول میں ابن حاجب، ابو الولید الباجی، امام قرافی اور شریف تلمسانی شامل ہیں مشہور کتب اصول میں المختصر الاصولی، مفتاح الاصول اور تنقیح الفصول شامل ہیں۔

استحسان کی شدید مخالفت اور مصالح مرسلہ کی حجت کو تسلیم نہ کرنا ہے فقہ شافعی کی مشہور کتب اصول میں الرسالہ، الورقات، منہاج الوصول اور متن جمع الجوالمع شامل ہیں مشہور علمائے اصول میں امام شافعی، امام جوینی، امام غزالی اور علامہ آمدی شامل ہیں۔

۱۰. فقہ حنبلی کی بنیاد امام احمد بن حنبلؒ نے رکھی ہے ان کی پانچ اصلیں معروف ہیں ا۔ نصوص قرآن و سنت دونوں اس میں داخل ہیں ۲۔ فتاوی صحابہ ۳۔ فتاوی صحابہ میں اختلاف کی صورت میں کس کو ترجیح دی جائے گی ۴۔ حدیث مرسل ۵۔ قیاس حنبلی علمانے اس میں اجماع کا اضافہ کیا ہے فقہ حنبلی کے اصولی امتیازات میں قرآن و سنت کا ایک ہی مرتبے میں ہونا، حدیث ضعیف پر عمل کرنا، مرسل اور ضعیف کا قیاس پر مقدم ہونا شامل ہیں فقہ حنبلی کی مشہور کتب اصول میں روضۃ الناظر، المختصر الاصول و معاقد الفصول اور مختصر روضہ شامل ہیں علامہ ابن قدامہ، ابن المفلح، الصفی اور شیخ النجم الدین الطوفی مشہور علمائے اصول ہیں۔

۱۱. قرآن اللہ تعالی کی نازل کردہ کتاب ہے جو حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے آپؐ پر نازل ہوئی اور تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے اور ہر طرح کی کمی بیشی سے محفوظ ہے۔

۱۲. اسلامی مسالک کے نزدیک قرآن کی حجیت ثابت ہے کسی بھی حکمِ شرعی کے جاننے کے لیے سب سے پہلے اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے حنبلی علمانے قرآن اور سنت کو نصوص کے نام سے ایک ہی مرتبہ میں بیان کیا ہے۔

۱۳. اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کی قرآن کے ذریعے تخصیص کی جاسکتی ہے۔ محکم سے تمام علما ایک ہی معنی مراد لیتے ہیں اس میں اختلاف نہیں ہے اسی طرح قرآن میں متشابہ آیات موجود ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے اور مقام عمل میں توقف اختیار کیا جاتا ہے۔

۱۴. امر میں طلب پائی جاتی ہے صیغہ امر کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے نہی کسی کام سے رکنے کا تقاضا کرتی ہے اور صیغہ نہیں کی دلالت حرمت پر ہوتی ہے۔

۱۵. مطلق اپنی جنس کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے مقید میں قید کے ذریعے کلی میں شامل افراد کو خارج کر دیا جاتا ہے مقید کی دلالت ایک معین مدلول پر ہوتی ہے۔

۱۶. نسخ میں پہلے سے موجود ایک حکم شرعی کو ایک دوسرے حکم شرعی کے ذریعے سے اٹھالیا جاتا ہے نسخ کے ذریعے لوگوں کے مصالح کی حفاظت کی جاتی ہے قرآن کو قرآن کے ذریعے نسخ ہونے پر علما کا اتفاق ہے۔

۱۷. مجمل میں ایک سے زیادہ معانی کے احتمال کی وجہ سے معنی مراد سمجھ میں نہیں آتا ہے مجمل کا حکم توقف ہے مبین کا حکم واضح ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں نص اور ظاہر ہر دو صورت میں حجیت رکھتا ہے۔

۱۸. نبی اکرم ﷺ کا قول فعل اور تقریر سنت ہے اس پر اتفاق ہے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی اقوال صحابہ کو بھی سنت کا حصہ قرار دیتے ہیں فقہ جعفری میں ائمہ اہلبیتؑ کے اقوال کو سنت میں شمار کیا جاتا ہے ۔سنت کی حجیت پر تمام اسلامی مسالک کا اتفاق ہے اور اس پر قرآن، سنت، اجماع اور عقل دلالت کرتے ہیں۔

۱۹. سنت کے بنیادی مصادر میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن نسائی، سنن ترمذی، اور سنن ابن ماجہ شامل ہیں۔ فقہ جعفری میں الکافی، من لا یحضر الفقیہ، تہذیب الاحکام اور الاستبصار شامل ہیں۔

قرآن وسنت سے دلیلیں قائم ہیں۔

۲۱. قرآن سے قرآن کی تخصیص کی جاسکتی ہے اور اسی طرح خبر واحد کے ذریعے بھی قرآن کی تخصیص کی جاسکتی ہے احناف نے اس سے اختلاف کیا ہے

۲۲. خبر متواتر کے ذریعے قرآن کو نسخ کیا جاسکتا ہے مگر امام شافعی اس رائے کو تسلیم نہیں کرتے۔

۲۳. اجماع میں مجتہد کی رائے کو نبی اکرم ﷺ کے بعد اس وقت حجیت ملتی ہے جب اس رائے پر تمام علما کا اتفاق ہو جائے فقہ جعفری میں سب کا اتفاق ضروری نہیں ہے بلکہ جن علما کی رائے سے قول معصوم کا پتہ چل جائے وہ حجت ہے اجماع کی دونوں قسمیں اجماع صریحی اور اجماع سکوتی حجت ہیں

۲۴. اجماع اہل مدینہ کو فقط علمائے مالکیہ حجت سمجھتے ہیں اہلبیتؑ کے اجماع کو فقط فقہ جعفری میں حجت مانا جاتا ہے اہل کوفہ، اہل بصرۃ، اہل حرمین، خلفائے اربعہ کا اجماع، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا اجماع حجت نہیں ہے۔

۲۵. اجماع کی حجیت کے لیے تمام علما کا اتفاق ہونا ضروری ہے اس کے ساتھ اجماع کی کوئی نہ کوئی مستند ہونی چاہیے اور جس حکم پر اجماع واقع ہو رہا ہو اس کا حکم شرعی ہونا ضروری ہے اجماع میں حجیت کا معیار عصمت ہے وہ امت کو حاصل ہوتی ہے جس کی بنیاد پر اجماع حجت ہے اور فقہ جعفری میں قول معصوم کا کشف کا مطلب بھی یہی ہے کہ اجماع کی حجیت کا مدار عصمت پر ہے۔ اجماع کی حجیت پر قرآن، سنت اور عقل کی دلالت موجود ہے۔

۲۶. اجماع اس زمانے میں بھی ممکن ہے کیونکہ عقلی طور پر ممکن ہو اور جدید وسائل روابطہ کی وجہ سے جو اعتراضات کیے جاتے تھے وہ بھی ختم ہو گئے ہیں۔

۲۷. قیاس میں اصل کا حکم معلوم ہوتا ہے اور فرع کا حکم معلوم نہیں ہوتا اصل اور فرع میں ایک مشترکہ علت کی وجہ سے حکم اصل سے فرع کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ ارکان قیاس کی تعداد پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ چار ہے۔

۲۸. فرع کا حکم معلوم نہیں ہونا چاہیے عمل قیاس سے فرع کا حکم کرنا مقصود ہو اصل کی علت فرع میں موجود ہو یہ علت اصل میں موجود علت کے برابر ہونی چاہیے فرع کا حکم اصل کے حکم سے مقدم نہیں ہونا چاہیے علت حکم کا تقاضا کر رہی ہو۔

۲۹. قیاس کی حجیت پر قرآن، سنت، اجماع اور عقل سے استدلال کیا گیا ہے اور قیاس کے مخالفین بھی انہیں سے استدلال کرتے ہیں قیاس جمہور کے نزدیک حجت ہے امام ابن حزم نے کہا ہے کہ قیاس شرعا ممنوع ہے اور فقہ جعفری میں قیاس کی بعض اقسام کو مانا جاتا ہے اور بعض کی شدت سے نفی کی جاتی ہے۔

۳۰. استصحاب میں حکم پہلے دلیل شرعی سے ثابت ہوتا ہے اور پھر اس میں شک ہوتا ہے اور اس ثابت حکم کو ختم کرنے والی کوئی دلیل نہیں آئی ہوتی۔

۳۱. تمام مسالک استصحاب کی حجیت کو تسلیم کرتے ہیں علمائے جعفریہ، حنابلہ اور شوافع نے دیگر مسالک کی نسبت اس سے زیادہ استفادہ کیا ہے فقہ حنفی میں استصحاب دفع میں حجت ہے مگر اثبات میں حجت نہیں ہے استصحاب کی حجیت پر اجماع، دلیل شرعی، دلیل عقل اور ظن معتبر قائم ہے۔

۳۲. بہت سے قواعد جیسے الاصل بقاء ماکان علی ماکان، الیقین لایزول بالشک استصحاب کے ذریعے ثابت ہوتے ہیں اور ان قواعد سے بہت سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔

تمام فقہی مسالک احکام شریعت کو جن ادلہ سے اخذ کرتے ہیں وہ دلیلیں ان کے درمیان مشترک ہیں اور اجتہاد کی بنیاد اصول فقہ پر ہے اور اصول فقہ میں ادلہ بنیادی اہمیت کی حامل ہیں مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ ان ادلہ کو جن سے تمام مسالک مشترکہ طور پر استفادہ کرتے ہیں ان کو ان مسالک کی بنیادی کتب کی روشنی میں بیان کیا جائے میں اپنی تحقیق میں مندرجہ ذیل نتائج تک پہنچا ہوں۔

١. علم اصول فقہ کا آغاز مسلمانوں نے کیا یہ عقل و نقل کا حسین امتزاج ہے اس موضوع پر پہلی موجود تصنیف امام شافعی کی کتاب الرسالۃ ہے۔
٢. علم اصول فقہ قواعد سے بحث کرتا ہے جن سے احکام شریعت کو اخذ کیا جاتا ہے اور علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ علم اصول فقہ کا موضوع ادلہ شرعیہ ہیں۔
٣. اصول فقہ کے ذریعے شرعی احکام کے استنباط کے اسالیب کا علم حاصل کیا جاتا ہے اس کے ذریعے تحفظ دین، رضائے الہی اور فقہی فقہی احکام کو حاصل کیا جاتا ہے۔
٤. تمام مسالک کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن اللہ تعالی کی کتاب ہے یہ حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے آپؐ پر نازل ہوئی ہے ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے کتاب ہدایت اور قیامت تک نبی اکرمؐ کا معجزہ ہے۔
٥. تمام مسالک کے علمائے کرام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ قرآن مجید حجت ہے اور جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہو تو سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا جائے گا۔
٦. تمام مسالک کے نزدیک صیغہ امر کی دلالت وجوب پر ہے
٧. مجمل اور متشابہ کا حکم توقف ہے قرآن کو قرآن کے ذریعے نسخ کیا جاسکتا ہے
٨. مطلق کلی کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے مقید میں افراد کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔
٩. قرآن کی خبر متواتر اور خبر واحد کے ذریعے تخصیص ہو سکتی ہے احناف کے نزدیک قرآن کی خبر واحد کے ذریعے تخصیص نہیں ہوتی ہے۔
١٠. تمام مسالک کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کا قول، فعل اور تقریر حجت ہے فقہ جعفری میں ائمہ اہلبیتؑ کا قول، فعل اور تقریر بھی سنت کا درجہ رکھتی ہے دیگر مسالک کے نزدیک قول صحابی بھی سنت کا درجہ رکھتا ہے۔

اور اس پر اتفاق ہے کہ خبر متواتر قرآن کے لیے ناسخ بن سکتی ہے

١٢. خبر واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے مگر اس کی حجیت پر تمام مسالک کا اتفاق ہے اس بات پر بھی تمام مسالک کے علما متفق ہے کہ خبر واحد کے ذریعے نسخ واقع نہیں ہوتا۔

١٣. اجماع میں تمام مجتہدین کسی حکم شرعی میں اتفاق کریں تو ان کا یہ اتفاق اجماع ہو گا

١٤. اجماع صریحی کی حجیت پر تمام علما کا اتفاق ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے اجماع سکوتی اکثر علما کے نزدیک حجت ہے مجموعی طور پر دیکھا جائے تو تمام مسالک کی اجماع کی حجیت کو تسلیم کرتے ہیں

١٥. فقہ مالکی میں اجماع اہل مدینہ کو بھی حجت مانا جاتا ہے اور فقہ جعفری میں ایسا اجماع جو قول معصوم کو کشف کر رہا ہو اس کو بھی حجت مانا جاتا ہے

١٦. علما کرام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اجماع صحابہ سے خاص نہیں تھا اور اس کی حجیت کا معیار عصمت ہے جب کوئی ایک بھی کوئی معتبر شخصیت اجماع کی مخالفت کرے تو اجماع واقع نہیں ہوتا۔

١٧. قیاس میں اصل کا حکم پہلے سے معلوم ہوتا ہے فرع کا حکم معلوم نہیں ہوتا اور ان کے درمیان ایک علت مشترک ہوتی ہے ور اصل کا حکم فرع کو دیا جا رہا ہوتا ہے۔

١٨. اس پر اتفاق ہے کہ اصل کے اراکین کی تعداد چار ہے اور اصل کا حکم قیاس سے ثابت ہوتا ہے۔

١٩. قیاس کی حجیت پر جمہور علما کا اتفاق ہے امام ابن حزم کے نزدیک یہ عقلا ممکن ہے شرعا ممنوع ہے فقہ جعفری میں قیاس منصوص العلۃ اور قیاسِ اولویت حجت ہے۔

٢٠. علما کے نزدیک قیاس کے حجیت ثابت ہے علمائے احناف کہتے ہیں کہ استصحاب دفع میں حجت ہے اثبات میں حجت نہیں ہے یعنی جو حقوق ثابت تھے وہ تو ثابت رہیں گے مگر نئے حقوق ثابت نہیں ہوں گے۔

٢١. علما کے مطابق استصحاب میں سے پہلے حکم شرعی دلیل سے ثابت ہوتا اور بعد میں اسی ثابت حکم شک ہوتا ہے۔

۱۔ایک ایسا ادارہ تشکیل دیا جائے جو بین المسالک مشترکات پر کام کرے اس کا کام ہمہ جہت ہو یعنی وہ اصول فقہ میں مشترکات کے ساتھ ساتھ دیگر مضامین جیسے تفسیر، فقہ، علوم قرآن وغیرہ پر بھی کام کرے

۲۔ان مشترکات کو نصاب کا حصہ بنایا جائے بالخصوص ایم اے اور اس سے اوپر کی کلاسز کے طلبہ کے لیے ہر سمسٹر میں ایک کورس مشترکات سے متعلق ہونا چاہیے

۳۔مجلات میں ایک خاص حصہ مشترکات کی نشر و اشاعت کے لیے خاص کیا جائے یا کم از کم ایسے آرٹیکلز کی حوصلہ افزائی کی جائے جو مشترکات کے موضوع پر لکھے جاتے ہوں

۴۔ایسے کتاب خانے قائم کیے جائیں جن میں مشترکات کے موضوع پر کتب دستیاب ہوں ایسا کرنا ہر شہر میں ممکن نہیں ہے مگر چند بڑوں شہروں میں یقینا ایسا کیا جا سکتا ہے

۵۔یونیورسٹی ایسے منصوبے سامنے لائیں جس کے نتیجے میں مشترکات پر کام کی رفتار تیز ہو

۶۔سالانہ بنیادں پر ایسی کانفرنسز کا اہتمام کیا جائے جن کا موضوع مشترکات ہو

۸۔ایسی کتابیں چھاپی جائیں جن میں مشترکات پر کام کیا گیا ہو

۹۔مشترکات کے موضوعات پر کام کرنے والے شخصیات کو متعارف کرایا جائے

۱۰۔الگ سے ایسا کورس بھی ہونا چاہیے جس میں ہر طالب علم کو تمام معروف مسالک کی فقہ اور اصول فقہ اور دیگر علوم کی تدریس کی جائے

نمبر شمار	قرآنی آیات	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱	﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾	البقرۃ		
۲	﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾	البقرۃ	۱۸۵	۹۹
۳	﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾	البقرۃ	۲	
۴	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾	البقرۃ		
۵	﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾	البقرۃ	۱۵۹	۱۹۲
۶	﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾	البقرۃ	۱۴۳	۲۲۶
۷	﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾	البقرۃ	۱۴۳	۲۲۷
۸	﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾	البقرۃ	۴۳	۱۶۲
۹	﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾	آل عمران	۶۴	۳۹
۱۰	﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾	آل عمران	۹۷	۱۶۲
۱۱	﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾	آل عمران	۳۱	۱۵۸
۱۲	﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾	آل عمران	۹۷	۱۶۲
۱۳	﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾	آل عمران	۴۳	۱۹۱
۱۴	﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ﴾	آل عمران	۱۸۷	۱۹۱
۱۵	﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾	آل عمران	۱۰۳	۲۲۶
۱۶	﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾	آل عمران	۱۱۰	۲۲۷
۱۷	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾	النساء	۵۹	۱۵۶
۱۸	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾	النساء	۱۳۶	۱۵۷
۱۹	﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ﴾	النساء	۲۴	۱۹۹

۲۱	﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾	النساء	۱۱۵	۲۲۵
۲۲	﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾	النساء	۵۹	۲۲۷،۲۷۷
۲۳	﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾	المائدة	۶۴	۱۱۹
۲۴	﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾	المائدة	۳۸	۲۰۰
۲۵	﴿وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾	المائدة	۹۵	۲۷۲
۲۶	﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾	المائدة	۳	۲۷۷
۲۷	﴿مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾	الانعام	۳۸	۲۷۷
۲۸	﴿وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾	الانعام	۵۹	۲۷۸
۲۹	﴿وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ﴾	التوبة	۷۹	۲۰
۳۰	﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ﴾	التوبة	۱۲۲	۱۹۲
۳۱	﴿فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ﴾	یونس	۸۱	۲۰۶
۳۲	﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾	النحل	۴۴	۸۴
۳۳	﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾	النحل	۴۴	۱۵۷
۳۴	﴿وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾	النحل	۶۴	۱۵۷
۳۵	﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾	النحل	۸۹	۲۷۷،۱۰۰
۳۶	﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾	النحل	۸۹	۱۹۸،۲۷۷
۳۷	﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾	الاسراء	۸۸	۹۷
۳۸	﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾	الاسراء	۹	۹۹
۳۹	﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾	الاسراء	۸۲	۹۹

۴۱	﴿الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ﴾	طه	۵	۱۱۹
۴۲	﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَىٰ﴾	المؤمنون	۴۴	۱۸۰
۴۳	﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾	النور	۵۶	۱۵۶
۴۴	﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾	لقمان	۱۵	۲۲۸
۴۵	﴿يا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾	الاحزاب	۱۳	۳۹
۴۶	﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾	الاحزاب	۲۱	۱۵۸
۴۷	﴿قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيم﴾	الاحزاب	۷۸	۲۷۲
۴۸	﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾	ص	۲۹	۱۰۵
۴۹	﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾	الدخان	۵۸	۱۰۵
۵۰	﴿لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾	فصلت	۴۲	۱۰۴
۵۱	﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾	الحجرات	۱۰	۴۰
۵۲	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾	الحجرات	۶	۱۹۲
۵۳	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾	الحجرات	۱	۲۷۷
۵۴	﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾	النجم	۳،۴	۱۵۶
۵۵	﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾	القمر	۲۲	۱۰۵
۵۶	﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾	الحشر	۷	۱۵۸
۵۷	﴿فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾	الحشر	۲	۲۷۲
۵۸	﴿فَآمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنزَلْنَا﴾	التغابن	۸	۱۵۸
۵۹	﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا﴾	الجن	۱	۹۷
۶۰	﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾	القيامة	۹	۲۰۶

نمبر شمار	احادیث	صفحہ نمبر
۱	«إذا حدثت بالحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تضرب له الأمثال»	۲۷۹
۲	«اذا حكم الحاكم فاجتهد فاصاب فله اجران و اذا حكم فاجتهد ثم اخطا فله اجر»	۲۷۴
۳	«اذا مس الختان الختان فقد وجب الغسل»	۱۹۴
۴	«إن أمتي لا تجتمع على ضلالة. فإذا رأيتم اختلافا فعليكم بالسواد الأعظم»	۲۲۸
۵	«انى اعلم انك حجر لا تضر ولا تنفع ولولا انى رايت رسول الله يقبلك لما قبلتك»	۱۶۰
۶	«انى تارك فيكم الثقلين كتاب الله و عزو جل، وعترتى، كتاب الله حبل ممدود من السماء الى الارض، عترتى اهل بيتى و ان الطيف الخبير اخبرنى انهما لن يفترقا حتى يرد على الحوض»	۱۰۱
۷	«إياكم وأصحاب الرأى فإنهم أعداء السنن أعيتهم الأحاديث أن يحفظوها فقالوا بالرأى فضلوا وأضلوا»	۲۷۸
۸	«تعمل هذه الأمة برهة بكتاب الله ثم تعمل برهة بسنة رسول الله ثم تعمل بالرأى فإذا عملوا بالرأى فقد ضلوا وأضلوا»	۲۷۸
۹	«تفترق أمتى على بضع و سبعين فرقة أعظمها فتنة على أمتى قوم يقيسون الأمور برأيهم فيحلون الحرام ويحرمون الحلال»	۲۷۸
۱۰	«عن أنس قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيقبل الصائم فقال: وما بأس ذلك ريحانة يشمها»	۲۷۴
۱۱	«عليكم بالسواد الاعظم»	۲۲۸
۱۲	«عن معاذ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما بعث معاذا الى اليمن قال له: كيف تقضى اذا عرض لك قضاء قال: اقضى بكتاب الله، قال: فان لم تجده فى كتاب الله، قال: اقضى بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "فان لم تجده فى سنة رسول الله، قال: اجتهد برائى لا آلو، قال: فضرب بيده فى صدرى وقال: "الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله صلى عليه وسلم لما يرضى رسول الله صلى الله عليه وسلم»	۱۰۰
۱۳	«قال رسول الله انى تارك فيكم ما ان تمسكتم به لن تضلوا بعدى، احدهما اعظم من الآخر: كتاب الله حبل ممدود من السماء الى الارض، وعترتى اهل بيتى، لن يفترقا حتى يردعلى الحوض»	۱۰۱
۱۴	«قال لو كان الدين بالرأى لكان أسفل الخف أولى بالمسح من أعلاه وقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح على ظاهره»	۲۷۹

	فضلوا و اضلوا))	۲.
۱۶	((من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده ۔۔۔ من سن في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعد))	۱۵۱
۱۷	((يد الله على الجماعة فاتبعوا السواد الأعظم فإنه من شذ شذ في النار))	۲۲۹

۱. آمدی، سیف الدین ابی الحسن علی بن ابی علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، دار لکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ۔

۲. آیۃ اللہ سید حسن الصدر، تاسیس الشیعۃ لعلوم الاسلام، ط/۱، ذوی القربی، قم، ۱۴۳۴ھ۔

۳. ابراھیم اللقانی، المنار اصول الفتوی و قواعد الافتاء بالاقوی، تحقیق الدکتور عبد اللہ الھلالی، وزارت اوقاف و شئون اسلامی، تیونس، سن۔

۴. ابن أبي شيبة، أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة الكوفي، المصنف في الأحاديث والآثار، تحقيق: كمال يوسف الحوت، ط/۱، مكتبة الرشد، الرياض، ۱۴۰۹ھ۔

۵. ابن اثیر، الامام مجد الدین ابی السماوات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری، النھایۃ فی غریب الحدیث و الاثر، دار لکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲ء طبع الثانیہ۔

۶. ابن الفرکاح، تاج الدین عبدالرحمن بن ابراھیم، شرح الورقات لامام الحرمین الجوینی، دارالبشائر الاسلامیہ، کویت۔

۷. ابن القیم الجوزی، شمس الدین ابی عبد اللہ محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین عن رب العالمین، دارالکتب العلمیہ بیروت۔

۸. ابن الصلاح، حافظ ابی عمر عثمان بن عبد الرحمن، شرح الورقات، مکتبہ نزار مصطفی البار، مکہ، طبع ثانیہ ۲۰۰۷ء۔

۹. ابن اللحام، علی بن محمد بن علی بن عباس بن شیبان البعلی الدمشقی الحنبلی، المختصر فی اصول الفقہ علی مذھب الامام احمد بن حنبل، دارالفکر، دمشق۔ سن

۱۰. ابن المذر، الاجماع للامام ابن المنذر، تحقیق دکتور فواد عبدالمنعم احمد، مؤسسہ شباب الجامعہ، الاسکندریہ، ۱۹۹۱ء۔

۱۱. ابن النجار، علامہ شیخ محمد بن احمد بن عبد العزیز بن علی الفتوحی الحنبلی، تحقیق، دکتور محمد الزحیلی، شرح الکواکب المنیر المسمی بمختصر التحریر، مکتبہ العتیکان، ریاض، ۱۹۹۳ء۔

۱۲. ابن العربی مالکی، قاضی ابی بکر بن العربی المعافر المالکی، المحصول فی اصول الفقہ، ط/۱، دارالبیاق، بیروت، ۱۹۹۹ء۔

۱۳. تلسمانی، عبد اللہ بن محمد بن علی شرف الدین ابو محمد الفہری المصری، شرح المعالم فی اصول الفقہ، ط/۱، عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان۔

۱۴. ابن حجر، امام شہاب الدین ابی الفضل احمد بن علی عقلانی، لسان المیزان، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، طبع ثالثہ ۱۹۸۶ء۔

۱۵. ابن حلولو، احمد بن عبد الرحمن بن موسی، تحقیق عبدالکریم النملہ، ایضاء الامع شرح جمع الجوامع فی اصول الفقہ، مکتبہ الرشد للنشر والتوزیع، ریاض ۱۹۹۹ء طبع الثانیہ۔

، ط الثانیہ ۲۰۰۹ء۔

۱۷. ابن خلدون، علامہ عبد الرحمن بن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، مترجم مولانا راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی اردو بازار، کراچی، طبع یازدہم ۲۰۰۱ء۔

۱۸. ابن الصلاح، حافظ ابی عمر عثمان بن عبد الرحمن، شرح الورقات، مکتبۃ نزار مصطفی الباز، مصر، طبع الثانیۃ ۲۰۰۷ء۔

۱۹. ابن عبد البر القرطبی، الحافظ ابو عمر یوسف ابن عبد البر النمری القرطبی، جامع البیان العلم و فضلہ، المکتبہ العلمیہ، مدینہ۔

۲۰. ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل بن عمر الدمشقی، جامع المسانید و السنن الھادی لاقوم سنن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۲۱. ابن قیم، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ط/ا، دار الجیل، بیروت، سن۔

۲۲. ابن قدامہ، موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن مقدسی، روضۃ الناظر وبھجۃ المناظر فی اصول الفقہ علی مذھب الامام احمد بن حنبل، ط/ا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۱ء۔

۲۳. ابن القصار، امام ابی الحسن علی بن عمر المالکی، المقدمۃ فی اصول الفقہ، ط/ا، دار الغرب الاسلامی، الجزائر، ۱۹۹۶ء۔

۲۴. ابن قطلوبغا، علامہ زین الدین بن قطلوبغا الحنفی، شرح مختصر المنار المسمی خلاصۃ الافکار شرح المختصر المنار، ط/ا، تحقیق دکتور زھیر ناصر الناصر، دار بن کثیر، بیروت، ۱۹۹۳ء۔

۲۵. ابن مفلح، شمس الدین محمد بن المقدسی الحنبلی، اصول الفقہ، ط/ا، تحقیق فھد بن محمد السدحان، اصول الفقہ، مکتبہ العبیکان، ریاض، ۱۹۹۹ء۔

۲۶. ابن ماجہ، حافظ ابی عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی، سنن، احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۷۵ء۔

۲۷. ابن ماجہ، محمد بن یزید أبو عبد اللہ القزوینی، سنن ابن ماجہ، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقی، باب اجتناب والرای و القیاس، دار الفکر، بیروت۔

۲۸. ابن ملک، عبد اللطیف، شرح منار الانوار فی اصول الفقہ، ط/ا، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۱ء۔

۲۹. ابن منظور، علامہ ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی امصری، لسان العرب، دار صادر للطباعہ ولنشر، بیروت، ۲۰۰۰ء۔

۳۰. ابن ندیم، الفھرست، مترجم اسحق بھٹی، ادارۃ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم ۱۹۹۰ء۔

۳۱. ابن نجیم، امام علامہ ابن الدین بن ابراھیم بن محمد، فتح الغفار بشرح المنار، ط/ا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۱ء۔

۳۲. ابالحسنی، ہاشم معروف، دراسات فی الکافی للکلینی، ط/ا، مطبع صور الحدیثہ، بیروت، ۱۹۶۸ء۔

۳۴. ابوا [illegible] ن، مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، سعید کمپنی، کراچی ۱۹۸۱ء۔

۳۵. أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني، مصنف عبد الرزاق، تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثانية، ۱۴۰۳ھ۔

۳۶. ابوزہرہ، محمد، اصول الفقه، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۵۸ء۔

۳۷. ابوزہرہ، محمد، الشافعی حیاته و عصرہ و آرائه، دارالفکر العربی، قاہرہ۔

۳۸. ابوزھرہ، محمد، ابوحنیفه حیاته و عصرہ آراؤہ و فقهه، دارالفکر العربی، قاہرہ، ۱۹۹۱ء۔

۳۹. ابوزہرہ، محمد، ابن تیمیه حیاته و عصرہ و آرائه، دارالفکر العربی، قاہرہ، ۱۹۹۱ء۔

۴۰. ابوزہرہ، محمد، ابن حنبل حیاته و عصرہ و آرائه، دارالفکر العربی، قاہرہ، سن۔

۴۱. ابوزاھو، محمد محمد، الحدیث و المحدثون، المکتبہ التوفیقیہ، قاہرہ سن۔

۴۲. ابو شھبہ، محمد محمد، فی رحاب السنة الکتب الصحاح الستۃ، سلسلة البحوث الاسلامیه، قاہرۃ، ۱۹۹۵ء۔

۴۳. أبو نعيم الأصبهاني، أحمد بن عبد الله، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ط/۴، دار الكتاب العربي، بيروت، ۱۴۰۵ھ

۴۴. ابی اسلام، مصطفی بن محمد بن سلامه، التاسیس فی اصول الفقه علی ضؤ الکتاب و السنة، ط/ ا، دارالقبس لنشر و التوزیع، ۲۰۰۹ء۔

۴۵. ابی داود، سلیمان بن اشعث سجستانی ازدی، سنن ابی داود،، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت۔ سن

۴۶. ابی یعلی، امام ابی یعلی احمد بن علی، مسند ابی یعلی الموصلی، ط/ ا، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء۔

۴۷. ابی الطیب مولود السریری السوسه، معجم الاصولیین یحتوی علی علماء اصول الفقه و اصحاب الآراء فیه المولفین فیه، ط/ ا، دارالکتب العلمیه، بیروت۔

۴۸. أحمد بن علي بن المثنى أبو يعلى الموصلي التميمي، مسند أبي يعلى، تحقيق: حسين سليم أسد، ط/ ا، دار المأمون للتراث، دمشق، ۱۹۸۴ء۔

۴۹. احمد محمود الشافعی، اصول الفقه الاسلامی، ط/ ا، موسسة الثقافیة لجامعیة الاسکندریه، ۱۹۸۳ء۔

۵۰. احمد نگری، قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول، جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون الملقب بدستور العلماء، مؤسسة الاعلمی

a. للمطبوعات، بیروت، طبع الثانیہ ۱۹۷۵ء۔

۵۱. احمد نگری، عبدالنبی بن عبدالرسول، جامع العلوم الملقب بدستور العلماء، ط/ ا، مطبع دائرۃ المعارف النظامیة، حیدر آباد دکن، ۱۳۲۹ھ۔

۵۲. اسد حیدر، الامام الصادق و المذهب الاربعة، ط/ ۴، مجمع جہانی اہلبیت، قم، ۲۰۱۰ء۔

۵۳. اصفہانی، ابی القاسم حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

۵۴. اصفہانی، ابی القاسم حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، اشاعت اکیڈمی، سوات، سن

۵۵. انصاری، مرتضی بن محمد امین، فرائد الاصول، مجمع فکر اسلامی، قم، ۱۴۱۹ھ۔

۵۷۔ الاسنوی، جمال الدین ابی محمد عبد الرحیم بن الحسن، تحقیق دکتور محمد حسن ھیتو، التمہید فی تخریج الفروع علی الاصول، ط/۱، مؤسسہ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۱ء۔

۵۸۔ الاسنوی، جمال الدین عبد الرحیم بن حسن، التمہید فی تخریج الفروع علی الاصول، مکتبہ الازھریہ للتراث، قاہرہ۔

۵۹۔ الباجی، الامام الحافظ ابی الولید سلیمان بن خلف الباجی الاندلسی، الحدود، ط/۱، تحقیق، حماد، موئسسہ الزعبی للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۹۷۳ء۔

۶۰۔ الباجی، ابو الولید سلیمان بن خلف، احکام الفصول فی احکام الاصول، ط/۱، موسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۹ء۔

۶۱۔ البانی، محمد ناصر الدین، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ و الموضوعۃ واثرھا السئ فی الامۃ، ط/۱، جلد۶، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، ریاض، ۲۰۰۲ء

۶۲۔ البجنوردی، سید محمد موسوی، مصادر الشریع عندالامامیہ و السنہ، پژھشگاہ امام خمینی، تہران، ۱۳۷۸ سال ایرانی۔

۶۳۔ البحرالمحیط، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، کویت۔

۶۴۔ البدوی، یوسف احمد محمد، مدخل الفقہ الاسلام واصولہ، ط/۱، دار الحامد للنشر والتوزیع، عمان، اردن، ۲۰۰۷ء۔

۶۵۔ البزدوی، قاضی امام صدرالاسلامابی الیسر محمد بن محمد بن حسین، معرفۃ الحجج الشرعیۃ، ط/۱، تحقیق: عبد القادر بن یسین بن ناصر الخطیب، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۰ء۔

۶۶۔ البغدادی، حافظ احمد بن علی الخطیب، تاریخ بغداد، دار الکتاب العربی، بیروت، س ن۔

۶۷۔ البیھقی، امام ابی بکر احمد بن حسن بن علی بن البیھقی، السنن الکبری، ط/۳، تحقیق محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۳ء۔

۶۸۔ البیھقي، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي، السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي، ط/۱، مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ الکائنۃ في الهند ببلدۃ حیدر آباد، ۱۳۴۴ھ۔

۶۹۔ الترکی، عبد اللہ بن عبد المحسن، اصول مذھب الامام احمد دراسۃ اصولیۃ مقارنۃ، ط/۴، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۶ء۔

۷۰۔ الترمذی، ابی عیسی محمد بن عیسی بن سودہ الترمذی، جامع الترمذی مع الشمائل النبوی، قرآن محل، کراچی سال اشاعت ندارد۔

۷۱۔ الجصاص، ابو بکر، تحقیق زہیر شفیق کبی، الاحکام، ط/۱، دار المنتخب العربی للدارسات و النشر و التوزیع، بیروت، ۱۹۹۳ء۔

۷۲۔ الجوزی، ابی عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب المعروف بابن القیم، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ط/۱، تحقیق ابو عبیدہ آل سلمان، دار ابن الجوزی للنشر والتوزیع، دمام، سعودی عرب، ۱۴۲۳ء۔

۱۹۹۱ء۔

۷۴. الجوینی، عبد الملک بن عبد اللہ بن بن یوسف بن محمد بن عبد اللہ بن حیویۃ، متن الورقات، ط/۱، دار الصمیعی للنشر والتوزیع، ریاض ۱۹۹۶ء۔

۷۵. الجیزانی، محمد بن حسین بن حسن، معالم اصول الفقہ، ط/۱، دار ابن الجوزی للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۶ء۔

۷۶. الجیلالی المیرینی، القواعد الاصولیہ عند الامام الشاطبی من خلال کتابہ الموافقات، ط/۱، دار ابن القیم، قاہرۃ، ۲۰۰۲ء۔

۷۷. الحفناوی، محمد ابراہیم، مصطلحات الفقہاء و الاصولیین، ط/۳، دار السلام للطباعۃ و النشر والتوزیع والترجمہ، قاہرہ، ۲۰۰۹ء۔

۷۸. الخبازی، جلال الدین ابو محمد عمر بن محمد بن عمر، المغنی فی اصول الفقہ، ط/۱، مرکز البحث العلمی و احیاء التراث الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۷۹. الدکتور احمد سعید حوی، المدخل الی مذہب الامام ابی حنیفہ النعمان، ط/۱، دار الاندلس لنشر والتوزیع، جدہ، ۲۰۰۲ء۔

۸۰. الدکتور الشیخ مصطفی السباعی، السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی، ط/۴، فاران اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۵ء۔

۸۱. الدھلوی، شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم، عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید، ط/۱، دار الفتح للطباعۃ والنشر والتوزیع، عمان، اردن، ۱۹۹۵ء۔

۸۲. الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام البنلاء، ط/۱۱، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۱ء۔

۸۳. الرازی، فخر الدین محمد بن عمر بن حسین الرازی، تحقیق، دکتر طہ جابر فیاض علوانی، المحصول فی اصول الفقہ، مئوسسہ الرسالۃ بیروت۔

۸۴. الربیعۃ، عبد العزیز بن عبد الرحمن بن علی، ادلۃ التشریع المختلف فی الاحتجاج بہا، ط/۲، ریاض، ۱۹۸۱ء۔

۸۵. الزھیلی، الدکتور الوھبہ، اصول الفقہ الاسلامی، ط/۱، دار الفکر، دمشق، ۱۹۷۶ء۔

۸۶. السرخسی، ابو بکر محمد بن احمد السرخسی، اصول السرخسی، ط/۱، تحقیق ابو الوفا الافغانی، دار المعرفۃ، بیروت ۱۹۷۳ء۔

۸۷. الغزالی، ابی حامد محمد بن غزالی، المستصفی من علم الاصول، مطبعہ الامیریۃ بولاق، قاہرہ ۱۳۲۴ھ۔

۸۸. السبکی، تاج الدین عبد الوھاب بن علی السبکی، جمع الجوامع فی اصول الفقہ، ط/۲، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۳ء۔

۸۹. السبکی، تاج الدین ابی نصر عبد الوھاب بن علی بن عبد الکافی، طبقات الشافعیہ الکبری، تحقیق، عبد الفتاح، دار احیاء الکتب العربیہ، قاہرہ۔

الکتب للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، ۱۹۹۹ء۔

۹۱. السغناقی، احسام الدین حسین بن علی بن حجاج، الکافی شرح البزدوی، ط/ا، تحقیق سید فخر الدین سید قانت، مکتبہ الرشد، ریاض، ۲۰۰۱ء۔

۹۲. السنان، الشیخ الحلمی، اسس الاستنباط نظریۃ التوسعہ والتضییق، ط/ا، مطبع العلمیہ، قم۔

۹۳. السنقیطی، مذکرۃ اصول الفقہ علی روضۃ الناظر لابن قدامہ، دار القلم، بیروت، س ن۔

۹۴. الشاشی، انظام الدین ابی علی احمد بن محمد بن اسحق، اصول الشاشی، ط/ا، تحقیق عبد اللہ محمد الخلیلی، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء۔

۹۵. الشاشی، انظام الدین ابی علی احمد بن محمد بن اسحق، اصول الشاشی، ط/ا، تحقیق عبد اللہ محمد الخلیلی، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء۔

۹۶. الشاشی، نظام الدین، اصول الشاشی مع احسن الحواشی، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

۹۷. الشافعی، الامام ابی عبد اللہ محمد بن ادریس، الرسالۃ، ط/ا، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۹۹ء۔

۹۸. الشثری، عبد العزیز بن ناصر، شرح قواعد الاصول ومقاعد الفصول للعلامہ صفی الدین عبد المؤمن بن عبد الحق الفطیعی، ط/ا، دار اکنوز اشبیلیا للنشر والتوزیع، ریاض، ۲۰۰۶ء۔

۹۹. الشعلان، عبد الرحمن بن عبد اللہ، اصول فقہ امام المالک و ادلتہ النقلیہ، ط/ا، مکتبہ الملک فہد الوطنیہ، ریاض، ۲۰۰۳ء۔

۱۰۰. الشنقیطی، محمد الامین بن محمد المختار، مذکرۃ فی اصول الفقہ، ط/ا، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ، ۱۹۸۹ء۔

۱۰۱. الشنقیطی، علامہ محمد المختار بن بونسہ الجکنی، درر الاصول فی اصول فقہ المالکیہ، ط/ا، دار ابن حزم، لطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۲۰۰۴ء۔

۱۰۲. الصاغرجی، الشیخ اسعد محمد سعید، الفقہ الحنفی و ادلتہ، ط/ا، ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱۴۲۱ھ
۔

۱۰۳. الصفدی، صلاح الدین خلیل بن ایبک، وافی بالوفیات، ط/ا، دار الفکر للطباعۃ و النشر والتوزیع، بیروت، ۲۰۰۵ء۔

۱۰۴. الصقلی، محمد بن عبد الرحمن، جامع الترمذی فی الدراسات المغربیۃ روایۃ و درایۃ، ط/ا، دار الصمیعی للنشر والتوزیع، ریاض، ۲۰۰۸ء۔

۱۰۵. الطریحی، الشیخ فخر الدین، مجمع البحرین، انتشارات مرتضوی چاپخانہ حیدری، تہران، طبع سوم۔

۱۰۶. العکبری، حسن بن شہاب، شرح رسالۃ فی اصول الفقہ، ط/ا، کنوز اشبیلیا، ریاض، ۲۰۰۷ء۔

۱۰۷. الفراہیدی، خلیل، ترتیب کتاب العین، ط/ا، تحقیق الدکتور ابراہیم، انتشارات اسوہ مطبع باقری، قم، ۱۴۱۴ھ۔

۱۰۸. القائینی، علم الاصول، تاریخا و تطورا، ط/ا، مکتب الاعلام الاسلامی، قم، ۱۴۰۵ھ۔

طابع، دار الغرب الاسلامی، الجزائر۔

۱۱۰. المحلی، جلال الدین محمد بن احمد، ،شرح الورقات، ط/ ا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲ء۔

۱۱۱. المشکینی، مرزا علی، اصطلاحات الاصول و معظم ابحاثھا، مطبع الھادی، قم، ۱۴۱۳ھ۔

۱۱۲. النجاشی، ابولعباس احمد بن علی بن احمد بن عباس الاسدی الکوفی، رجال النجاشی، ط/ ۷، مؤسسہ النشر الاسلامی، قم ۱۴۲۴ھ۔

۱۱۳. النسفی، امام ابی البرکات عبداللہ بن احمد المعروف حافظ الدین، کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، دار الکتب العلمیہ، بیروت سن۔

۱۱۴. النقیب، احمد بن محمد بن نصیر، المذھب الحنفی، مکتبہ الرشد، ریاض۔

۱۱۵. النملہ، عبدالکریم بن علی بن محمد، المھذب فی علم اصول الفقہ المقارن، ط/ ا، مکتبہ الرشد للنشر و التوزیع، ریاض، ۱۹۹۹ء۔

۱۱۶. النملہ، عبدالکریم بن علی بن محمد، اتحاف ذوی البصائر بشرح روضۃ الناظر فی اصول الفقہ للامام احمد بن حنبل، ط/ ۵، مکتبۃ الرشد ناشرون، ریاض ۲۰۰۸ء۔

۱۱۷. النملہ،، عبدالکریم بن علی بن محمد، الجامع لمسائل الاصول الفقہ و تطبیقھا علی المذھب الراجح، ط/ ا، مکتبۃ الرشد للنشر و التوضیح، ریاض ۲۰۰۰ء۔

۱۱۸. الولاتی، علامہ محمد یحی، نیل السول علی مرتقی الوصول، دار عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۲ء۔

۱۱۹. الھنداوی، حسن بن ابراھیم، الاجتھاد الاستصحابی واثرہ فی الفقہ الاسلامی، ط/ ا، مؤسسہ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۴ء۔

۱۲۰. باشا، علامہ احمد تیمور، المذاھب الفقھیہ الاربعہ، ط/ ا، دار القاری، بیروت، ۱۹۹۰ء۔

۱۲۱. بحر العلوم، محمد، الاجتھاد اصولہ و احکامہ، ط/ ۳، دار الزاھراء للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۱۹۹۱ء۔

۱۲۲. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ط/ ۴، مکتبہ عصریہ، بیروت، ۱۹۹۸ء۔

۱۲۳. بدران، عبدالقادر دمشقی، المدخل الی مذھب الامام احمد بن حنبل، ط/ ۲، تحقیق ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، مؤسسہ الرسالۃ، دمشق، ۱۹۸۱ء۔

۱۲۴. بطرس البستانی، قاموس المطول للغۃ العربیۃ، مکتبہ اللبنان، بیرورت ۱۹۷۶ء۔

۱۲۵. بغدادی، ابی بکر احمد بن علی الخطیب، تاریخ بغداد، مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ، سن۔

۱۲۶. بناری، علی ھمت، ابن ادریس الحلی رائد مدرسۃ النقد فی الفقہ الاسلامی، ط/ ا، الغدیر للطباعۃ والنشر و التوزیع، بیروت، ۲۰۰۵ء۔

۱۲۷. تحسین بدری، معجم مفردات اصول الفقہ المقارن، ط/ ا، المشرق للثقافہ والنشر، قم، ۲۰۰۷ء۔

الاصول،ط /۱،مکتبہ المکیۃ،مکہ مکرمہ،۱۹۹۷ء۔

۱۲۹. تھانوی، قاضی محمد اعلی،کشاف اصطلاحات الفنون،ط /۱، سھیل اکیڈمی،لاہور۱۹۹۳ء۔

۱۳۰. تہرانی، آقائے بزرگ،الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ط /۲، دارالاضواء، بیروت، س ن۔

۱۳۱. حافظ بشیر حسین النجفی،مرقاۃ الاصول،ط /۲،دارالفقہ للطباعۃ والنشر، قم،۱۴۲۵ھ۔

۱۳۲. حاکم ، محمد بن عبد اللہ أبو عبد اللہ الحاکم النیسابوري ،المستدرك علی الصحیحین، تحقیق : مصطفی عبد القادر عطاو،ط /۱،دار الکتب العلمیۃ،بیروت،۱۹۹۰ء۔

۱۳۳. حسین حلی،اصول الفقہ،ط /۱،مکتبہ الفقہ والاصول، قم، ۱۴۳۲ھ،ص:۹/ ۳ احمد اردبیلی،الذخر فی الاصول، جامعہ مدرسین، قم،۱۴۰۸ھ۔

۱۳۴. حکیم ،السید محمد تقی الحکیم،الاصول العامہ للفقہ المقارن،ط /۱،دارلفقہ للطباعہ والنشر، قم،۱۴۳۱ھ۔

۱۳۵. حکیم، محمد سعید طباطبائی،الکافی فی اصول الفقہ،ط /۴،دارالھال، قم، س ن۔

۱۳۶. خضری، شیخ محمد،اصول الفقہ،مکتبہ التجاریہ الکبری، قاہرہ، طبع سادسہ ۱۹۶۹ء۔

۱۳۷. خمینی،روح اللہ موسوی،الاستصحاب،ط /۱،مؤسسہ تنظیم ونشر آثار الامام الخمینی، تہران،۱۴۱۷ھ۔

۱۳۸. خوانساری،علامہ مرزا محمد باقر موسوی، روضات الجنات فی احوال العلما و السادات،الدار الاسلامیہ للنشر و التوزیع،بیروت،۱۹۹۱ء۔

۱۳۹. دبوسی،امام ابی زید عبید اللہ بن عمر بن عیسی الحنفی، تقویم الادلۃ فی اصول الفقہ ،ط /۱،دار الکتب العلمیہ،بیروت، ۲۰۰۱ء۔

۱۴۰. دہلوی، مولوی سید احمد، فرہنگ آصفیہ ،ط /۲،ترقی اردو بیورو نئی دہلی،۱۹۸۷ء۔

۱۴۱. ڈاکٹر احمد الحجی ،بحوث فی علم اصول الفقہ، شرکۃ دار البشائر الاسلامیۃ،بیروت،۲۰۰۴ء۔

۱۴۲. ڈاکٹر امیل بدیع یعقوب،المعجم المفصل فی الجموع ،ط /۱،دار الکتب العلمیۃ،بیروت،۲۰۰۴ء۔

۱۴۳. ڈاکٹر حبیب الرحمن ، فقہی اختلاف حقیقت اسباب اور آداب و ضوابط ،ط/ ۲ شریعہ اکیڈمی ،اسلام آباد ،۲۰۱۳ء۔

۱۴۴. ڈاکٹر فتحی الدرینی،بحوث مقارنۃ فی الفقہ الاسلامی و اصولہ،ط/۲،مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت،طبع ثانیہ ۲۰۰۸ء۔

۱۴۵. ڈاکٹر محمد ادیب الصالح،مصادر التشریع الاسلامی و مناھج الاستنباط،ط /۱،مکتبہ العبیکان،ریاض،۲۰۰۲ء۔

۱۴۶. ڈاکٹر عبد الحمید الحباس،اصول الفقہ الاسلامی،دارالنھضۃ العربیہ،بیروت

۱۴۷. ڈاکٹر عیاض بن نامی السلمی ، اصول الفقہ الذی لایسع الفقیہ جھلہ ،ط /۱،دارالتدمیریہ، الریاض، سعودی عرب۲۰۰۵ء۔

۱۴۸. ڈاکٹر محمد کمال الدین،مقدمۃ دراسۃ الفقہ الاسلامی مدخل و منتھی،مؤسسہ الجامعہ للدراسات والنشر والتوزیع،بیروت،۱۹۹۶ء۔

۱۵۰. ڈاکٹر، محمود احمد غازی، محاضرات حدیث، ط /۷، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور ۲۰۱۲ء۔
۱۵۱. ڈھلون، عرفان خالد، علم اصول فقہ ایک تعارف، ط /۲، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء۔
۱۵۲. رازی، فخر الدین بن عمر، المحصول فی علم اصول الفقہ، ط /۱، مکتبہ نزار مصطفی الباز، ریاض ۱۹۹۷ء۔
۱۵۳. اصفہانی، ابی القاسم حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، اشاعت اکیڈمی، سوات سن۔
۱۵۴. رضوانی، علی اصغر، اصول فقہ مقارن، ط /۱، انتشارات ذوی القربی، قم، ۱۳۷۸ سال ایرانی۔
۱۵۵. زیدان، عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، مؤسسہ قرطبہ طباعہ نشر توزیع، بغداد، ۱۹۸۶ء۔
۱۵۶. سبحانی، جعفر، الموجز فی اصول الفقہ، ط /۱، مرکز المصطفی العالمیہ للترجمہ والنشر، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء۔
۱۵۷. سبحانی، جعفر، رسائل اصولیۃ، ط /۱، مؤسسۃ الامام الصادق، قم، ۱۴۲۵ھ۔
۱۵۸. سید محمد حسین جلالی، مذہب امامیہ میں منابع احادیث، تنظیم المکاتب، لکھنو سن۔
۱۵۹. شعبان، محمد بن اسماعیل، اصول الفقہ نشاتہ و تطورہ و الحاجۃ الیہ، مکتنۃ جعفر الحدیثیہ، قاہرہ، مصر۔
۱۶۰. شعبان، محمد بن اسماعیل، اصول الفقہ تاریخہ و رجالہ، ط /۱، دار السلام للطباعیہ والنشر والتوزیع والترجمہ، قاہرہ، ۲۰۱۰ء۔
۱۶۱. شوکانی، الامام العلامہ محمد بن علی بن محمد، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من الاصول، ط /۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۲۰۰۳ء۔
۱۶۲. شہزاد اقبال شام، اجتہاد ایک تعارف، شریعہ اکیڈمی اسلام آبا، ۲۰۰۷ء۔
۱۶۳. شیخ فخر الدین الطریحی، مجمع البحرین، ط /۳، انتشارات مرتضوی، ۱۳۷۵ سال ایرانی۔
۱۶۴. صدر الدین، فضل اللہ، التمہید فی اصول الفقہ، ط /۱، دار الھادی للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۲۰۰۲ء۔
۱۶۵. صدوق، محمد، من لایحضرہ الفقیہ، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۴۱۰ھ۔
۱۶۶. طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن، العدۃ فی اصول الفقہ، تحقیق: محمد رضا قمی، ط /۱، مؤسسۃ بوستان کتاب، قم، ۱۴۳۱ھ
۔
۱۶۷. طوسی، ابی جعفر محمد بن حسن، الاستبصار فیما اختلف من الاخبار، دار الکتب الاسلامیہ، تہران ۱۳۹۰ھ۔
۱۶۸. طوسی، ابو جعفر محمد بن حسن، العدۃ فی اصول الفقہ، ط /۱، تحقیق: محمد رضا قمی، مؤسسۃ بوستان کتاب، قم، ۱۴۳۱ھ۔
۱۶۹. عاملی، صدر الدین، خلاصۃ الفصول فی علم الاصول، چاپ خانہ سنگی علمی، تہران۔
۱۷۰. عبد الحمید بن بادیس، مبادی الاصول، ط /۲، تحقیق ڈاکٹر عمار طالبی، مؤسسہ الوطنیہ، الجزائر، ۱۹۸۸ء۔
۱۷۱. عمادی، سید احمد میر، ائمہ و علم اصول، ط /۱، بوستان کتاب، قم، ۱۴۷۴ شمسی ایرانی۔
۱۷۲. عبد الرزاق، أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني، مصنف عبد الرزاق، ط /۲، تحقیق: حبيب الرحمن الأعظمي، المكتب الإسلامي، بیروت، ۱۴۰۳ھ۔
۱۷۳. عبد العزیز البخاری، کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی، صدف پبلشر، کراچی۔
۱۷۴. عبد العزیز بن ابراهیم بن قاسم، الدلیل الی المتون العلمیۃ، ط /۱، دار العلمی للنشر والتوزیع، ریاض، ۲۰۰۰ء۔

۱۷۶. عرفان خالد ڈھلوں، اسلام کا نظریہ اجتہاد، شریعہ اکیڈمی، شریعہ اکیڈمی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۵ء۔

۱۷۷. عسقلانی، ابی الفضل احمد بن علی بن الحجر، تهذيب التهذيب، ط/ا، دائرة المعارف النظاميه، حیدر آباد ۱۳۲۶ھ۔

۱۷۸. علامہ حسن بن محمد المشاط، الجواهر الثمينه في بيان ادلة عالم المدينه، ط/۲، دار العربی، بیروت، ۱۹۹۰ء۔

۱۷۹. علامہ حسن بن یوسف حلی، تهذيب الوصول الى علم الاصول، ط/ا، مؤسسہ امام علیؑ، لندن، ۱۳۸۰ھ۔

۱۸۰. علامہ حلی، حسن بن یوسف، تهذيب الوصول الى الاصول، ط/ا، مؤسسة الامام علیؑ، لندن، ۱۳۸۰ ایرانی۔

۱۸۱. علی جمعة محمد، المدخل الى دراسة المذاهب الفقهية، ط/۴، دار السلام للطباعة والنشر والتوزيع والترجمه، قاهره، ۲۰۱۲ء۔

۱۸۲. علی حسینی سیستانی، الرافد فی علم الاصول، ط/ا، لیتھیو گرافی حمید، قم۔

۱۸۳. غازی، محمود احمد، تاریخ تدوین حدیث اور صحاح ستہ کا مقام، ط/ا، جامعہ امدادیہ، فیصل آباد، ۲۰۰۸ء۔

۱۸۴. غزالی، امام ابی حامد محمد بن محمد، المستصفى من علم الاصول، دار صادر، بیروت، ۱۹۹۵ء۔

۱۸۵. غزالی، امام ابی حامد محمد بن محمد، احياء علوم الدين، مطبع کریاطہ فوترا، سماراغ، انڈونیشیا، سال اشاعت ندارد۔

۱۸۶. غزالی، امام ابی حامد محمد بن محمد، المستصفى من علم الاصول، منشورات دار الذخائر، قم۔

۱۸۷. فادیغا، موسی، اصول الفقه الامام المالك و ادلته العقليه، ط/ا، دار التدمیریہ، الرياض، ۲۰۰۷ء۔

۱۸۸. فاضل تونی، الوافیہ، ط/ا، مؤسسہ اسماعیلیاں، قم، ۱۴۳۶ھ۔

۱۸۹. فلمیان، احسان بن محمد حسین، خبر واحد اذا خالف اهل المدينة دراسة و تطبيقتها، ط/۲ دار البحوث للدراسات الاسلاميه واحياء التراث، جدة، ۲۰۰۲ء۔

۱۹۰. فیروز اللغات، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور۔

۱۹۱. قرافی، شهاب الدين احمد بن ادريس بن عبد الرحمن مصری، تحقیق شیخ عادل احمد و شیخ علی محمد معوض، نفائس الاصول شرح المحصول، ط/ا، مكتبة نزار المصطفى الباز، ۱۹۹۵ء۔

۱۹۲. قرافی، شهاب الدين احمد بن ادريس، العقد المنظوم فی الخصوص و العموم، ط/ا، تحقیق: احمد عبد الله، دار الكتب، قاهره، ۱۹۹۹ء۔

۱۹۳. قطلوبغا، علامہ زين الدين بن قطلوبغا الحنفی، شرح مختصر المنار المسمى خلاصة الافكار شرح المختصر المنار، ط/ا، تحقیق دکتور زهير ناصر الناصر، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۹۳ء

۱۹۴. قمی، محمد مومن، تسديد الاصول، ط/ا، مؤسسة النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۹ھ۔

۱۹۵. کلینی، ابی جعفر محمد بن یعقوب، اصول الكافی، ط/ا، دار الاضواء للطباعة والنشر والتوزيع، بیروت، ۱۹۹۲ء۔

۱۹۶. گروہ محققین، قواعد اصول الفقه علی مذهب الاماميه، ط/ا، مركز الطباعة والنشر للمجع العالمی لاهلبیت علیہم السلام، قم۔

۱۹۷. لنکرانی، محمد فاضل موحدی، اصول فقہ شیعہ، ط/ا، مرکز فقہی ائمہ اطہار، قم۔

۱۹۹. متولی البراجیلی، دراسات فی اصول الفقہ مصادر التشریع، ط/۱، مکتبہ السنہ، قاہرہ، ۲۰۱۰ء۔
۲۰۰. مظہر بقا، اصول الفقہ اور شاہ ولی اللہ، ط/۱، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۷۳ء۔
۲۰۱. مظفر، محمد رضا، اصول الفقہ، ط/۱۰، بوستان کتاب، قم، ۱۳۹۱ھ۔
۲۰۲. محمد باقر، اصول الفوائد الغرویۃ فی مسائل علم اصول الفقہ الاسلامی، مطبع فردوسی، تہران۔
۲۰۳. محمد سہیل عمر، خطبات اقبال نئے تناظر میں، ط/۳، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۷ء۔
۲۰۴. محمدی رے شہری، مترجم محمد علی فاضل، میزان الحکمۃ، ط/۲، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، ۲۰۱۲ء۔
۲۰۵. محقق، جعفر بن حسن بن یحی بن حسن، معارج الاصول، ط/۱، تحقیق: سید محمد حسین رضوی کشمیری، مطبعہ سرور، قم، ۲۰۰۳ء۔
۲۰۶. محققین کی جماعت، فرہنگ نامہ اصول الفقہ، پژوھشگاہ علوم و فرھنگ اسلامی، قم، ۲۰۱۲ء۔
۲۰۷. مرتضی انصاری، الحاشیۃ علی استصحاب القوانین، ط/۱، المؤتمر العالمی بمناسبۃ الذکری للشیخ الانصاری۔
۲۰۸. مزی، حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف، تحقیق الدکتور بشار عواد معروف، تہذیب الکمال، ط/۲، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۷ء۔
۲۰۹. مفتی عبد الواحد، اصول دین، مجلس نشر اسلام، کراچی، ۲۰۰۳ء۔
۲۱۰. ملا جیون، احمد بن ابی سعید، نور الانوار فی شرح المنار، تحقیق حافظ ثناء اللہ زاہدی، مرکز الامام البخاری للتراث والتحقیق، صادق آباد، ۱۹۹۷ء۔
۲۱۱. مولای، ڈاکٹر محمد بن سید محمد، تنویر العقول بمعرفۃ مسائل من امھات الاصول، ط/۱ دار ابن حزم للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۲۰۰۶ء۔
۲۱۲. مصطفی جمال الدین، القیاس حقیقتہ وحجیتہ، ط/۱، مطبع النعمان، النجف الاشرف، ۱۹۷۰ء۔
۲۱۳. منان القطان، تاریخ التشریع الاسلامی، ط/۳، مکتبہ المعارف للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۹۶ء۔
۲۱۴. مہذب لکھنوی، مہذب اللغات، محافظ اردو بک ڈپو، لکھنو ۱۹۸۱ء۔
۲۱۵. نصیری، علی، علوم حدیث کا تعارف، ط/۱، جامعہ تعلیمات اسلامی، کراچی ۲۰۱۴ء۔
۲۱۶. نقوی، حسین عارف، امامیہ مصنفین، ط/۱، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد ط، ۱۹۹۷ء۔
۲۱۷. نہج البلاغہ، تحقیق ڈاکٹر صبحی الصالح، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، طبع ثالثہ ۱۹۸۳ء
۲۱۸. ھیثم ھلال، معجم مصطلح الاصول، ط/۱، دار الجبل للنشر والطباعۃ والتوزیع، بیروت، ۲۰۰۳ء